# شعورِ خمسہ

ثناء اللہ امرتسری

کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون۔ القرآن

تم کیسے خدا کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے پھر اس نے تم کو زندگی دی پھر وہ تم کو موت دے گا پھر وہ تم کو زندہ کرے گا پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے

بہ فضلِ رحمانی و امدادِ یزدانی،

کتاب مستطاب موسومہ

# شیونِ خمسہ

اللہ جل جلالہ
متصرف خالق کل کائنات

عالم ربانی
متصرف در علم

طبیب
متصرف در بدن

صوفی
متصرف در قلب

راعی
متصرف در مملکت
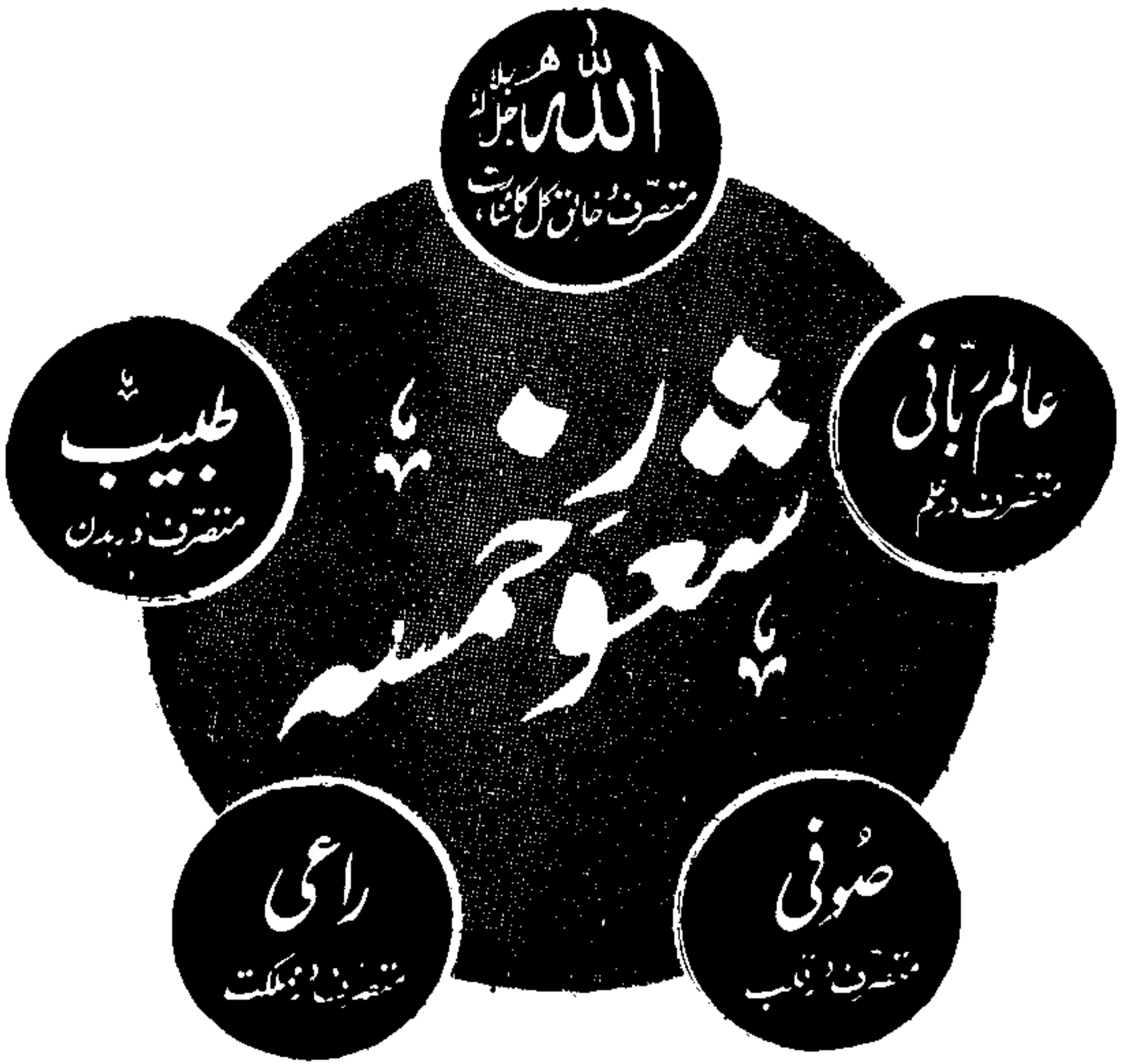
— تصنیف —

حکیم رحمت اللہ امرتسری

حجازی دواخانہ مین بازار مجاہد آباد کالونی (رام گڑھ) مغلپورہ لاہور

ناشر ــــــ حکیم رحمت اللہ امرتسری

مطبع ــــــ اُمیٹد پرنٹرز لاہور

قیمت ــــــ

کتابت ــــــ حافظ محمد امین

طبع اوّل ــــــ ۲۹ر شعبان المعظم ۱۳۹۲ھ
۲۸ر ستمبر ۱۹۷۲ء

بسم الله الرحمن الرحیم

بسم الله الرحمن الرحیم

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ • وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوهُ بِهَا

## هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ

الرَّحْمٰنُ • الرَّحِيمُ

الْمَلِكُ • الْقُدُّوسُ • السَّلَامُ • الْمُؤْمِنُ

الْمُهَيْمِنُ • الْعَزِيزُ • الْجَبَّارُ • الْمُتَكَبِّرُ • الْخَالِقُ

الْبَارِئُ • الْمُصَوِّرُ • الْغَفَّارُ • الْقَهَّارُ • الْوَهَّابُ • الرَّزَّاقُ

الْفَتَّاحُ • الْعَلِيمُ • الْقَابِضُ • الْبَاسِطُ • الْخَافِضُ • الرَّافِعُ • الْمُعِزُّ

الْمُذِلُّ • السَّمِيعُ • الْبَصِيرُ • الْحَكَمُ • الْعَدْلُ • اللَّطِيفُ • الْخَبِيرُ

الْحَلِيمُ • الْعَظِيمُ • الْغَفُورُ • الشَّكُورُ • الْعَلِيُّ • الْكَبِيرُ • الْحَفِيظُ

الْمُقِيتُ • الْحَسِيبُ • الْجَلِيلُ

اللّٰه جل جلاله

الْكَرِيمُ • الرَّقِيبُ • الْمُجِيبُ • الْوَاسِعُ

الْحَكِيمُ • الْوَدُودُ • الْمَجِيدُ • الْبَاعِثُ • الشَّهِيدُ • الْحَقُّ • الْوَكِيلُ • الْقَوِيُّ

الْمَتِينُ • الْوَلِيُّ • الْحَمِيدُ • الْمُحْصِي • الْمُبْدِئُ • الْمُعِيدُ • الْمُحْيِي • الْمُمِيتُ

الْحَيُّ • الْقَيُّومُ • الْوَاجِدُ • الْمَاجِدُ • الْوَاحِدُ • الصَّمَدُ • الْقَادِرُ • الْمُقْتَدِرُ

الْمُقَدِّمُ • الْمُؤَخِّرُ • الْأَوَّلُ • الْآخِرُ • الظَّاهِرُ • الْبَاطِنُ • الْوَالِ • الْمُتَعَالِ

الْبَرُّ • التَّوَّابُ • الْمُنْتَقِمُ • الْعَفُوُّ • الرَّؤُوفُ • مَالِكُ الْمُلْكِ

ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ • الْمُقْسِطُ • الْجَامِعُ • الْغَنِيُّ

الْمُغْنِي • الْمَانِعُ • الضَّارُّ • النَّافِعُ • النُّورُ • الْهَادِي

الْبَدِيعُ • الْبَاقِي • الْوَارِثُ • الرَّشِيدُ • الصَّبُورُ

جَلَّ جَلَالُهُ

رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ • رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ • صدق الله

اللہ الصمد

ابد سے تا ازل تُو ہے ازل سے تا ابد تُو ہے
خُدایا سارے عالم میں احد تُو ہے صمد تُو ہے

— اشہری

یارب خلّاق مہر و ماہی تُو ہے
بخشندہ تاج و تختِ شاہی تُو ہے
بے منّت و بے سوال و بے استحقاق
دیتا ہے جو سب کو یاالٰہی تُو ہے

— دبیر

# فہرست عنوانات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# ابتدائیہ

فاضل مؤلف جناب حکیم رحمت اللہ صاحب کی تالیف "شعورِ خمسہ" اس دور میں مسلمانوں کے لیے مشعلِ راہِ مستقیم اور اسلامی لٹریچر میں گراں قدر مفید اضافہ ثابت ہوگی۔

دہریت اور مادہ پرستی کے بودے فکر اور اسلام کے متعلق طرح طرح کے شکوک و شبہات کو نہایت واضح اور روشن دلائل کے ساتھ غلط ثابت کر کے اسلام کی عظمت کو ایک نئے اور اچھوتے اسلوب نگارش کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کتاب کے ساتھ ساتھ کتاب کے مؤلف حکیم صاحب کو بھی ہر گوشۂ علم سے زبردست خراجِ تحسین پیش کیا جائے گا۔

عقائد، عبادات اور معاملات کے علاوہ تصوف اسلام کا فلسفۂ اخلاق جیسے اہم مسائل پر جس قدر غیر اسلامی افکار و اوہام کی گرد پڑی ہوئی تھی، اسے دعوت کے انداز و اسلوب سے ہٹا کر ایسا صاف کر دیا ہے کہ تعلیماتِ اسلام کا جمال اور بھی نکھر گیا ہے۔ یہ مؤلف کی بڑی ہی کامیاب کوشش ہے اس کے مطالعہ سے جو تاثر قائم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام دینِ حق ہونے کے ساتھ ساتھ انسانیت کو موجودہ تہذیبی بحران اور غیروں کی اندھی تقلید سے بھی نجات دینے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے ؎

نغمہ کجا، و من کجا ساز سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

دعا ہے کہ رب العزت اس تالیف کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور کوشش اصلاحِ فکر و عمل کے ساتھ پاکستان کے استحکام کا بھی سامان بنے اور صاحبِ کتاب کو نعمتِ ایمان کامل و توفیق اعمالِ خیر عطا ہو۔

دعاگو:

محمد قیوم الٰہی عرفانی

سابق خطیب شاہی مسجد لاہور

# پیش لفظ

هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا ۝ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا ۝

الحمد للہ رب العالمین والسلام علی المرسلین، اما بعد۔ خدائے قدیر و علیم اور حی و قیوم کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے کہ وہ ہم کو عدم سے وجود میں لایا۔ ہم کچھ بھی نہیں تھے اُس نے ہمیں انسان کی صُورت میں پیدا کیا اور ہماری رہنمائی کے لیے قرآن حکیم جیسی بے مثل ابدی کتاب اپنے حبیب نبیٔ اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی فرمائی اور دنیا میں اپنی رضا والی زندگی گزارنے کے لیے حضور ختم النبیینؐ کے اسوۂ حسنہ کو راہِ ہدایت و نجات قرار دیا۔ قرآنِ حکیم خدا کی پکار ہے جس کو کان والے سنتے ہیں اور وہ لوگ اس پر عمل کرتے ہیں جن کے پہلو میں خدا سے ڈرنے والا دل ہو۔ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور کائنات اس کی تفسیر ہے اور کائنات کی اشیاء کی فطرت کا علم خدا کی خدائی کا علم ہے۔ اس لیے قرآنِ کریم میں کائنات کے مطالعہ پر بہت زور دیا گیا ہے اور کائنات کے مطالعہ سے انسان اوّل یہ ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ کائنات بے خدا نہیں، اس کا کوئی بنانے والا ہے۔ اس طرح اس کائنات کا مطالعہ ہم کو اپنے رب سے متعارف کراتا ہے۔ دوسرا فائدہ یہ کہ انسان جب اپنی ذات اور کائنات کو دیکھتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بنانے والے نے اس کو موزوں ترین شکل میں بنایا۔ اس کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کسی کے احسانات میں وہ سراپا ڈھکا ہوا ہے اور وہ اپنے آپ کو کائنات کے مقابلہ میں ایک حقیر اور عاجز و بے بس مخلوق پاتا ہے۔ ان کا احساس اس کو عبدیت کی طرف لے جاتا ہے اور انسان کے اندر اپنے معبود کی بندگی کا جذبہ پیدا کرتے ہیں اور وہ اپنے رب کا شکریہ ادا کرنے کے لیے اپنے مالک و خالق کی طرف دوڑتا ہے۔ تیسرا یہ کہ کائنات کی چیزوں اور حکمتوں کو دیکھ کر انسان کو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ جہاں محض بے مقصد ہنگامہ نہیں ہے جس کا کوئی انجام نہ ہو اور اس کائنات کا مطالعہ انسان کے یقین کو بڑھاتا ہے کہ اس دنیا

کے بعد ایک اور دنیا آنے والی ہے جس سے اس کے دل میں آخرت اور جزا و سزا کا یقین پیدا ہوتا ہے اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُولؐ کی اطاعت کا جذبہ اور محبت و خوف خدا اور فکرِ آخرت کی دُھن پیدا ہو جاتی ہے۔ محبت اور خوف یہی دو جذبے انسان کو عمل پر اُبھارتے ہیں۔

فلسفے کا سطحی مطالعہ انسان کو الحاد کی طرف لے جاتا ہے۔ لیکن اسی فلسفے کی گہرائی میں اُتریے تو آپ کو خدا کی ہستی کا قائل ہونا ہی پڑے گا۔ سائنس مادّے کی فطرت کے ضابطوں کے علم کا نام ہے۔ یہ ساری چیزیں جن کو ہم ایجاد کہتے ہیں وہ ایجاد نہیں ہیں بلکہ زیادہ صحیح لفظوں میں "انکشاف" ہیں۔ انسان نے خود سے کوئی چیز نہیں بنائی ہے اور نہ کسی انسان میں یہ قدرت ہے کہ وہ اپنی طرف سے کسی چیز کا اضافہ کر سکے سائنس کے علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ایک ذرہ جو اس دنیا میں موجود نہیں ہے کوئی شخص اس کو وجود میں نہیں لا سکتا۔ انسان کی بے بسی کا یہ حال ہے کہ ایک ناخن یا ایک بال بنانے پر بھی قادر نہیں ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ط (خدا کے سوا تم جن کو پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی تو نہیں بنا سکتے۔ اگرچہ اس کے لیے وہ سب جمع ہو جائیں۔ الحج ۲۲) حقیقت یہ ہے کہ انسان نے کائنات کی اشیاء کی وہ خاصیتیں معلوم کی ہیں جو پہلے سے ان کے اندر رکھ دی گئی ہیں۔ انہیں خاصیتوں کو استعمال کر کے وہ اپنے سارے کام انجام دیتا ہے۔ سائنس کے جتنے بھی واقعات ہم دیکھتے ہیں وہ دراصل مادّے کے اندر چھپی ہوئی فطرتی خاصیتیں ہیں جو مختلف طریقوں سے ظاہر ہوئی ہیں۔ یہ خاصیتیں مستقل ہیں وہ اشیائ سے کبھی الگ نہیں ہوتیں۔ اگر یہ خاصیتیں مستقل نہ ہوں بلکہ عارضی اور بے یقینی ہوں تو ہم ان سے کام نہیں لے سکتے۔ دیکھیے پانی کا عمل بھاپ جو بڑے بڑے انجن چلاتی ہے اپنا عمل چھوڑ دے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سمندر کے جہاز اور ریلوے کی گاڑیاں کسی مقام پر اچانک کھڑی ہو جائیں گی۔ آواز کے قانون کو دیکھو کہ صوت کو بجلی کی لہروں میں تبدیل کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچایا جاتا ہے۔ اِسی قانون کے مطابق تار، ٹیلی فون، ریڈیو اور ٹیلی وژن وغیرہ چلتے ہیں۔ اگر آواز کبھی کبھی بجلی کی لہروں میں تبدیل نہ ہو تو غور کرو اس کا کیا انجام ہوگا۔ اور جو اصول و قوانین کائنات میں کارفرما ہیں ان سے ہمیں خدا کے اسماءُ و صفات کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح کائنات کی ہر شے ہمارے لیے خدا کی ایک نشانی ہے جس کے ذریعے ہم تخلیقِ کائنات کی غرض و غایت اور خدا کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر شے میں جُدا جُدا تاثیر رکھی اور انسان کو ان چیزوں کے تاثیرات سے

فائدہ حاصل کرنے کا ایک اصولی طریقہ اور عقل جیسی نعمت عظمیٰ عطا فرمائی۔ جس طرح خاص موسم اور خاص مواقع محل پر کسان زراعت کے لیے زمین میں بیج بو دیتے ہیں تو وہ بیج خالق عالم کے حکم سے زندہ ہو کر کھیتی کو سرسبز کر دیتا ہے۔ اگر کوئی بے وقت وبے ماحول اس بیج کو بو دے تو وہ بیج خراب ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں ایک نظم اور حکمت رکھی ہے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ اگر کوئی بچہ تربوز کھاتے کھاتے اس کے بیج بھی نگل لے تو اس کے پیٹ میں تربوز پیدا ہو جائیں۔

عزیزو! قرآن حکیم نے سب سے پہلے عقل و تعقل کی دعوت دی کہ خالق الکون کی اس کائنات میں اس کی بکھری ہوئی نشانیوں پر غور کرے اور اس میں جو اشیاء ہیں ان کے افعال و خواص کو معلوم کرے، ان کے وزن و مقدار کو جانچے، پرکھے اور میزان عقل سے تولے اور عقیدت کی راہوں سے حقیقت کی منزل تک رسائی پیدا کرے اور روایت کی رسدگاہوں سے درایت کے ساحل کا مشاہدہ کرے، بحر کو کھنگالے، حقائق کے موتی نکالے اور پہاڑوں پہ کوندے اور شجر و حجر او حدید و حجر شدید سے کام لے۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ انسان اس کام کو اپنی ساری زندگی کا مقصود نہ سمجھ لے۔ مقصد زندگی تو اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے نہ کہ فلک کے سیاروں، ستاروں، مریخ اور چاند و سورج کو اسیر و تسخیر کرنے لگے۔ انسان کو صرف اپنی زندگی کی حفاظت کے لیے ان چیزوں کو بقدر ضرورت اپنی عقل و تدبر سے کام لے کر استعمال کرے۔ سائنس نے جو ترقی کی ہے وہ انبیائے کرام کے معجزات کی تصویر کشی کی ہے جو معجزات مسبب الاسباب کے ذریعہ مرسلین پیش کرتے ہیں، وہ اشرف المخلوقات انسان سبب کے ذریعہ بحکم ایزدی ان کی عکاسی پیش کر سکتا ہے۔ اسباب سے بارش ہوتی ہے اور رزق کے سامان پیدا ہوتے ہیں اور اسباب سے دنیا کے سب کام چلتے ہیں لیکن انسان اسباب کے لیے نہیں، اسباب انسان کے لیے ہیں کہ اس کے بدن کی پرورش ہو۔ انسانی عقل و نظر کے سامنے جو اسباب نظر آتے ہیں وہ اُن پر اعتماد کر بیٹھا کہ یہی سب کچھ کرتے ہیں۔ لیکن یہ نظر کا دھوکہ ہے۔ درحقیقت ان اسباب کے پیچھے غیب میں اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہی سب کچھ کرتے ہیں۔ مسلمان کا یقین تو خالق کائنات پر ہے، کائنات پر نہیں اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے، جب وہ چاہتا ہے عالم کی چیزوں کے اثر کو بدل دیتا ہے۔ دیکھیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ اس کے حکم سے نہ جلا سکی اور سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو گئی اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے حلق پر باوجود زور لگانے کے بحکم ربی تیز چھری نہ چل سکی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کو دریائے نیل نے راہ دے دی۔ وہ دریا کے پار ہو گئے اور فرعون اور اس کے ساتھیوں

کو اللہ کے حکم سے دریائے نیل نے ڈبو دیا جس طرح اس عالم کائنات کی اشیاء کا علیحدہ علیحدہ اثر ہے، اسی طرح ہر کلام کا دل پر جدا جدا اثر پیدا ہوتا ہے۔ احسن بات کا اچھا اثر، بُری بات کا برا اثر۔ برے اعمال کا نتیجہ خراب اور اچھے اعمال کا انجام اچھا ہوا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو اچھے اعمال کی قدر ہے جو اس کے حکم کے مطابق ہوں اور وہی ہر شے پر قادر ہے جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ جتنے بھی تصرفات اس عالم میں ہو رہے ہیں ان سب کا مصدر وہی رب العالمین ہے ؎

وہی ایک ہے جس کو دائم بقا ہے — جہاں کی وراثت اسی کو سزا ہے
سوا اس کے انجام سب کا فنا ہے — نہ کوئی رہے گا نہ کوئی رہا ہے
جو پیدا ہوا اس کو مرنا ہے آخر — یہاں سے اُسے کوچ کرنا ہے آخر

جس طرح دو تاروں کے ملنے سے برقی لیمپ روشن ہو جاتا ہے اسی طرح مادی چیزوں کو دیکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے دو نور پیدا فرمائے ' ایک آفتاب کا نور جو خارجی نور ہے ، دوسرا آنکھ کا نور یہ داخلی نور ہے جب یہ دونوں نور آپس میں ملتے ہیں تو مادی چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔ ان میں سے آفتاب کا نور کامل ہے اور آنکھ کا نور ناقص اور درجہ بدرجہ ہے۔ بعض انسانوں کی آنکھ کی روشنی اس قدر قوی ہوتی ہے کہ شام کو آفتاب کے غروب سے پانچ منٹ پہلے ۲۹ دنوں کا ہلال دیکھ لیتے ہیں اور بعض غروب آفتاب کے بعد اور بعض دوسرے روز۔ اور بعض اشخاص کی آنکھ کی روشنی اس قدر ضعیف ہوتی ہے کہ چند کی طرح دن کو آنکھ کھلتی ہی نہیں۔ اور بعض کی آنکھ میں بیاض چشم (پھولا) کی بیماری پیدا ہو کر روشنی زک جاتی ہے بعض اندھے ہوتے ہیں۔ اسی طرح غیب اور آخرت والی چیزوں کو دیکھنے کے لیے اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے دو نور پیدا فرمائے۔ ایک کتاب اللہ (قرآن حکیم) کا نور' دوسرا دل کا نور۔ قرآن کریم کا نور، نور کامل اور جس طرح دنیا کی مادی چیزوں کے استعمال سے تاثیرات سے پیدا ہوتے ہیں اسی طرح کتاب اللہ و سنتِ نبویہ کے احکام پر خلوص سے عمل کرنے سے ایک تاثیر پیدا ہو کر دل میں نور پیدا کرتی ہے اور دل میں جذب و عمل کے مطابق دل کا نور بھی نورِ چشم کی طرح بڑھتا اور کم ہوتا رہتا ہے۔ احسن صفات اور اچھے اعمال والے انسان کا دل نورِ ایمان سے سرسبز ہوگا۔ اور بُرے اعمال والے انسان کا قلب بے شعور اور اندھا ہوگا۔ آفتاب نبوت کا نور جب نورِ دل و ایمان و یقین کی روشنی سے ٹکراتا ہے تو اس سے آخرت والی غیب کی چیزیں نظر آنے لگتی ہیں۔ بس انسان کے اعمال صالح سے ہی اللہ کے ہاں اس کی قدر و قیمت ہے اور

اچھے صفات عادل و انصاف کے اعمال سے نورِ قلب کا حسن و جمال چمکے گا اور بُرے اعمال جھوٹ، خیانت اور بہتان وغیرہ سے دل بے حس اور نور سے محروم ہوگا۔ اور جب کثرتِ گناہ سے دل کا آئینہ سیاہ ہو تو غیب کی چیزوں کا عکس کیونکر دکھائی دے گا۔ یہ بھی ہوتا ہے جس طرح آنکھ کے نور کے درجات ہیں اسی طرح معرفتِ حق و نورِ قلب اور عقل کے بھی مختلف درجات ہیں اور پھر عمر کے حساب سے بھی بچے، نوجوان اور بوڑھے میں ادراک محسوسات ایک جیسے نہیں ہوتے۔

انسان کے سب سے بڑے دشمن تین ہیں۔ ایک تو اس کا قدیم دشمن شیطان ہے۔ دوسرا دشمن خود اس کا اپنا نفس ہے اور تیسرا دشمن اس کا گندہ ماحول ہے۔ شیطان اس کا ظاہرہ دشمن ہے اور نفس چھپا ہوا دشمن ہے۔ اور کافر پر قتال آسان ہے اور اپنے نفس پر قتال کرنا مشکل اور نفس انسان کو تین حالتوں میں دھوکہ دیا کرتا ہے۔ ایک غصہ کی حالت میں دوسری خواہش اور تیسری گھبراہٹ اور مشکلات کی حالت میں۔

عزیزو! موجودہ زمانے میں سب سے بڑا مرض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مرسلین کے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے یقینی اور دل میں ان کی محبت کا فقدان ہے۔ آج ان کی محبت کی بجائے (۱) دل و دماغ میں حُبِ دنیا، مال، عورت اور نفیس فاخرہ لباس اور دنیا کے آرام و عیش کے لذیذ مزے والی چیزوں کا نشہ چڑھا ہوا ہے اور نشے والے انسان کی عقل خراب ہوتی ہے۔ وہ اچھی اور بُری باتوں کا امتیاز نہیں کرسکتا پھر آخرت کی غیبی باتوں کو کیونکر سمجھے گا۔ یہ حسنِ دنیا کا نشہ ہے جسے ترشی بھی نہیں اتار سکتی۔ بلکہ یہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ نشہ اس کی زندگی میں اتر گیا تو بہتر ورنہ یہ رُوح میں گھر کر گیا تو موت کے وقت بھی کلمہ طیبہ کی بجائے وہی زبان سے پکارے گا جس کی اس کے دل میں محبت ہوگی۔ پھر تو اس نشہ کو جہنم کی آگ ہی اتارے گی (۲) دوسرا نشہ اپنی عزت اور وقار کا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ عزت حکومت، دولت، مال و متاع، جذبِ نظر، منقش کپڑوں اور خوبصورت اور بہترین مکان، لذیذ غذاؤں سے حاصل ہوتی ہے مگر یہ شیطان کا دھوکہ ہے۔ اگر حکومت میں عزت ہوتی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں فرعون اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقابلہ میں نمرود کامیاب ہوتا۔ اگر دولت میں عزت ہوتی تو قارون ضرور عزت والا بنتا۔ حکومت، مال و متاع اور خوبرو عورت کا یہ حال ہے کہ وہ امریکہ والے کی نہ بنی۔ آج اُس کی ہے، کل اس کی موت کے بعد دوسرے کی جا بنی۔ مومن مسلمان کی عزت تو اللہ جل جلالہٗ اور سید دو عالم سرورِ کونین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی احکام پر عمل کرنے سے آتی ہے۔

(۳) تیسرا نشہ علم بے عمل کا ہے جو ہمارے بعض اکابرین کے دماغ میں چڑھا ہوا ہے۔ وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی دینِ اسلام کی اشاعت میں خلوص دل کے ساتھ عمل نہیں کرتے۔ وہ اپنے نفس کی چلاتے ہیں۔ عزیزو! ایک کا دماغ کام کر رہا ہے دنیا کی چیزوں پر، دوسرے کا دماغ کام کر رہا ہے آخرت والے اعمال پر ظاہر ہے کہ دونوں کی نیت ایک جیسی نہیں ہو سکتی۔ یہ وہ نشہ ہے جس کی وجہ سے دل و دماغ میں نورِ ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ ہدایت کا فیصلہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ نورِ ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا اور تقویٰ والی زندگی۔ توحید اور ایمان میں پختگی ضروری امر ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ دینِ اسلام کی دعوت و تبلیغ میں اپنی جان و مال صرف کرے اور ہدایت کے لیے بارگاہ خداوندی میں خلوص دل سے دعا کرتا رہے۔ انشا اللہ ہدایت ربانی سے قلب منوّر ہوگا ——— ان بے عمل علم والوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی کوئی قدر نہیں۔ میرے دوستو! حضور کا ہر فرمان ایک نایاب گوہر ہے ان نسلی بے عمل مسلمانوں نے تو ان دُرِ آبدار کے خزانوں کو مفت میں حاصل کر لیا۔ الماس کو بے سمجھ بچے کے ہاتھ سے چار آنے میں خرید لو، کیونکہ اس بچے کو ان قیمتی ہیروں کی شناخت اور قدر نہیں۔ ان کی قدر و قیمت قیامت کے میدان میں ہوگی یا صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین سے پوچھیے کہ انھوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو کیسے حاصل کیا، وہی ان کی قدر جانتے تھے۔ دوستو! پیٹ کے لیے روٹی کا سوال نہیں۔ بلکہ دل کے لیے ایمان و یقین کا نور چاہیے۔ خلوص کا تو یہ اثر ہے کہ ایک دفعہ کلمہ طیبہ خلوص سے پڑھتے ہی انسان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی والے حرام کاموں سے رک جاتا ہے۔ (۴) چوتھا نشہ دہریت و مادیت کا خمار ہے۔ اس نشے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم کے لوگ (ملحدین) جو توحید و رسالت اور آخرت کی زندگی، جزا و سزا کے بالکل قائل ہی نہیں۔ دوسری قسم کے لوگ خود پسند (آوارہ مزاج) ہیں۔ یہ بے یقین انسان بے مہار اونٹ کی طرح کسی ضابطہ کے پابند نہیں جی میں جو آیا وہ کر گزرتے ہیں۔ اور کبھی اللہ تعالیٰ کا انکار کبھی اقرار۔ ان دونوں قسموں میں بعض دنیا کے بڑے بڑے عالم، مدبر، فلسفی اور سائنس دان خصوصاً مغربی ممالک کے لوگ مبتلا ہیں۔ ایسے لوگوں کو نہ اپنے آغاز کا پتہ نہ آخرت کی خبر۔ کیونکہ یہ لوگ وحی ربانی کے انکاری ہیں۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ موت کے بعد کسی کو ہم نے زندہ ہوتے دیکھا ہی نہیں، اس لیے ہماری عقل تسلیم نہیں کرتی کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی ہے۔ دوستو! یہ کوئی دلیل نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے

کہ مرنے کے بعد کیا ہو گا۔ ان کا یہ کہنا کہ مرنے کے بعد کچھ بھی نہیں ہو گا سراسر غلط ہے۔ ان کے پاس کیا ثبوت ہے۔ ایک شخص نے ٹیلی وژن نہیں دیکھا تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں ٹیلی وژن کیا ہے لیکن جب وہ کہے کہ میں جانتا ہوں ٹیلی وژن کوئی چیز نہیں ہے تو عقلمند اس کو احمق کہیں گے۔ ان یورپ کے اہل علم میں سے ڈاروِن۔ نیوٹن۔ ہربرٹ اسپنسر۔ آئن سٹائن وغیرہ جن کی عقلیں اور عمریں کائنات کی چیزوں کے مشاہدات میں گم ہوگئیں۔ لیکن وہ خالق کائنات کو نہ پہچان سکے۔ نہ ہی وہ آخرت پر ایمان لاسکے ان کی زندگیاں آخرت کے متعلق مرض مشی فی النوم[ل] کی طرح بسر ہوگئیں۔ پھر بھی ان حضرات کے نظریات میں سقم موجود ہے۔ ڈاروِن کے نظریہ ارتقاء کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظریہ اپنے اندر بہت ہی سقام رکھتا ہے۔ دراصل اس نظریہ کو اس زمانے میں عروج ہوا جب اہل مغرب عیسائیت کی ناروا بندشوں سے تنگ آچکے تھے۔ پادریوں نے خدا کا تصور کچھ اس طرح پیش کیا تھا کہ خدا کی ہستی ظالم و قاہر ہے۔ اور محبت و شفقت کی صفات سے معرا ہے۔ اس وقت اہل یورپ صرف اس نظریہ کو اس لیے قبول کرتے گئے کہ خدا پر ایمان لانے سے ان کو نجات مل جائے۔ لیکن وہ یہ ثابت نہ کر سکے کہ بے جان مادے میں کیونکر بلا علت حیات و عقل پیدا ہو گئی۔ اس بات کو جاننے کے باوجود وہ خدا بیزاری کے زیر اثر اس نظریہ پر بلا دلیل مرض رجا (حمل کاذب) کی مریضہ عورت کی طرح امید و یقین رکھتے گئے۔ درحقیقت ڈاروِن کی تحقیق تخمینی اور قیاسی ہے جو انسانی ڈھانچوں اور ان کی ہڈیوں کی تحقیق پر مبنی ہے اور وہ کسی یقینی اور علم حقیقی پر مبنی نہیں۔ ڈاروِن نے حیوان محض اور حیوان عاقل کو ایک ہی سطح پر لانے کی شرمناک کوشش کی ہے کہ کائنات میں ارتقاء کی منزلیں ہیں لیکن اس دعوے کی تفصیلات کوئی ثابت شدہ حقیقتیں نہیں۔

---

ل مشی فی النوم (SLEEP INGLIN WORK) وہ مرض ہے جس میں انسانی دماغ کے قویٰ میں خصوصاً دماغ کے پانچویں چھٹے اور ساتویں خانے کی خرابی سے یہ بیماری واقع ہو جاتی ہے جس سے انسان کے اندرونی حواس خمسہ بحالت نوم بیدار ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے اعضاء و جوارح سے نیند کی حالت میں کام لینا شروع کر دیتے ہیں جس سے مریض رات کو سوتا ہوا مختلف افعال سرانجام دیتا ہے مثلاً اگر وہ موٹر چلانا جانتا ہے تو نیند کی حالت میں اٹھ کر موٹر پر سوار ہو کر میلوں دور سفر طے کر جاتا ہے۔ لیکن اس کو اپنے اس فعل کی کوئی خبر نہیں ہوتی کیونکہ وہ سویا ہوا یہ سب کچھ کرتا ہے (حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، لوگ سو رہے ہیں اور مرتے ہی جاگ اٹھیں گے)

نظریۂ ارتقاء کی بنیاد یہ ہے کہ (۱) حیوانی و نباتاتی حیات کا آغاز مشترک ہے لیکن یہ بات سمجھنے کے قابل ہے کہ کرۃ الارض پر ایک ہی جگہ زندگی کے ایمیبا میں حالات سازگار ہوئے۔ حالانکہ مختلف مقامات پر حیات کا ظہور ہونا چاہیے اور پھر زندگی کی شکل ہر ماحول میں ایک ہی کیسے ہو سکتی ہے۔ (۲) دوسرا سقم یہ ہے کہ اگر حیاتِ حیوانی ہر دم ارتقائی منزلیں طے کر رہی ہے تو کرۂ زمین پر اب بھی ابتدائی اشکال کیوں موجود ہیں۔ کیا ارتقاء کے راستے سے حیوانیت کا صرف ایک ہی قافلہ انسانیت کی منزل پر پہنچا۔ اس کے بعد کوئی دوسرا قافلہ کیوں نہ اس منزل پر پہنچ سکا۔ ہمیں تو شاہراہ حیات کے ہر موڑ پر بن مانسوں کا ایک قافلہ ملنا چاہیے تھا جو حیوانیت سے انسانیت تک کا فاصلہ طے کرتا نظر آتا لیکن پانچ ہزار سالہ تاریخ یہ نہیں بتاتی کہ کسی مؤرخ نے اپنے دور میں اس کا ذکر کیا ہو۔

دورِ حاضرہ کے نئی مغربی تہذیب کے دلدادہ نوجوانوں کی اور دنیا کے متوالے اور خدا تعالیٰ کے باغی اور انکاری لوگوں کی مثال اس خود پسند چوہے کی سی ہے جو اپنے بزرگوں کے کہنے پر نہ چلا اور اپنی خود سری کی وجہ سے موت کا شکار ہو گیا۔ ایک مکان میں ایک نوجوان چوہے نے جوانی کے نشے میں آ کر گھر والوں کی رضائی، کبھی پہننے والے کپڑے، کبھی اناج اور کتابوں وغیرہ کو کتر کتر کر ناس کرنا شروع کیا۔ جب اس نے بہت اُدھم مچایا تو مالک مکان نے ایک لوہے کا پنجرہ منگوا کر اس میں گھی کے پراٹھے اور رنگ برنگ کی مٹھائیاں تھوڑی سی رکھ دیں اور گھر کے اندر ایک جگہ اس پنجرے کو رکھ دیا۔ جب اس نوجوان چوہے نے دیکھا تو خوشی سے ناچنے لگا اور بھاگا بھاگا اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا۔ اُن کو مخاطب کر کے کہنے لگا، او بیوقوفو! تم کیوں یہاں بیٹھے فضول وقت گزار رہے ہو۔ میرے ساتھ آؤ ہم دنیا کے مزے اڑائیں سنو، میں دیکھ کر آیا ہوں کہ بہت سی مٹھائی اور پراٹھے ایک لوہے کے ڈبے میں پڑے ہوئے ہیں ان ساتھیوں میں سے ایک بوڑھے چوہے نے لوہے کے ڈبے کی حقیقت سن کر کہا۔ خبردار۔ اس ڈبے کی طرف نہ جانا۔ اس میں داخل ہوتے ہی اس کا دروازہ بند ہو جائے گا اور تو قید ہو جائے گا پھر تیرے بند ہونے کے بعد تجھ کو لڑکے پکڑ کر ایک موٹے سے ڈنڈے سے تیری پٹائی کریں گے پھر اگر تو اس سے نہ مرا تو وہ تم پر گرم پانی ڈالیں گے۔ اگر تو اس سے بھی نہ مرا تو وہ تجھے پانی میں ڈبو دیں گے جس سے تیرا خاتمہ ہو جائے گا۔ یہ سن کر وہ نوجوان چوہا سوچ میں پڑ گیا۔ آخر کار اس کی **عقل** نے کہا کہ کم از کم یہ تو دیکھ لو کہ یہ بوڑھا چوہا سچ کہتا ہے، اس بات کا مشاہدہ کرنا چاہیے۔ تھوڑی دیر بعد وہ چپکے

سے بل کے باہر نکلا اور سارے گھر کا غور سے آہستہ آہستہ چکر لگایا اور ادھر ادھر دیکھا تو وہاں نہ کوئی ڈنڈا نظر آیا، نہ پٹائی کرنے والے لڑکے دیکھے اور گھر کے سارے لوگ سوئے ہوئے ہیں۔ پھر کچھ سوچ کر وہ پراٹھے اور مٹھائی کی طرف گیا۔ بس مٹھائی کی طرف دیکھتے ہی مُنہ میں پانی بھر آیا۔ اس کی عقل نے کہا کہ اس بوڑھے چوہے کی بڑھاپے کی وجہ سے عقل ماری گئی، یہ تو ایسی باتیں کرتے ہی رہتے ہیں۔ اس نے پنجرے میں چھلانگ لگا دی۔ اس کا جانا ہی تھا کہ پنجرے کا دروازہ بند ہو گیا۔ اب کیا ہو سکتا تھا، بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر نکلنے میں کامیابی نہ ہوئی۔ جب اس کے ساتھی چوہوں نے دیکھا کہ وہ نوجوان چوہا نہیں آیا تو اس کی تلاش میں سب مل کر نکلے۔ جب دیکھا کہ وہ پنجرے میں بند ہے تو بہت افسوس کرنے لگے۔ بس نوجوان چوہے نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا تو چلّا کر کہا، یارو مجھے بچاؤ۔ انہوں نے کہا، ہم نے پہلے ہی کہا تھا کہ پنجرے کی طرف نہ جانا۔ مگر تو نہ مانا۔ اب تو وہ باتیں ہو کر رہیں گی جو اس بوڑھے چوہے نے کہا تھا۔ اب تو یہ مٹھائی اور پراٹھا کھالے، مگر پھانسی پانے والے کو یہ چیزیں کیا طاقت دیں گی۔ اس نے کہا صد افسوس گیا وقت ہاتھ آتا نہیں۔ دوستو! ان بے یقین لوگوں کو مرنے کے بعد ہی پتہ چلے گا کہ یہ دیندار لوگ سچ کہتے تھے۔ مگر اس وقت کچھ بھی نہ بنے گا۔ عزیزو! مسلمان کا دل اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی جیسے قطب نما کی سُوئی ہمیشہ قطب ہی کی طرف رُخ کیے رہتی ہے، آپ خواہ کتنا ہی ہلائیں وہ پھر بھی قطب ہی کی طرف آجاتی ہے، (اسی طرح مومن کا دل) ہر طرف سے رُخ پھیر کر ایک اللہ تعالیٰ کی طرف مُڑ جاتا ہے۔ آج مسلمان کا ایمان بیمار پڑ گیا۔ جس طرح کوئی مریض زیادہ ضعیف اور لاغر ہو کر چلنے سے عاجز ہو جائے تو اس کو کہا جائے کہ حکیم کے پاس جا کر دوا لے آؤ، وہ اس کے جواب میں یہ کہے گا کہ کمزوری اور بدن کی لاغری کی وجہ سے مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ ایک قدم چل سکوں، تو بازار میں کیسے چلا جاؤں۔ مسلمان کا ایمان ویقین بھی اسی مریض کی طرح بیمار اور کمزور ہو گیا کہ وہ دین اسلام کی بات کہنے اور سننے اور اس پر عمل کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ایمان ویقین کو قوی کیا جائے تاکہ اس [illegible] ں میں اللہ تعالیٰ کی بے بہا نعمت توکل، صدق، صبر اور نور ایمان ویقین جیسی بے مثل صفتیں پیدا ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر عمل کر کے جنت الفردوس کا وارث بنے۔ وہ جنت جس میں انسان کو موت نہ آئے گی اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہے گا اور اس میں سدا اس کی جوانی وتندرستی برقرار رہے گی۔ اور جنت میں نہ غم ہو گا نہ فکر۔ اور جنت میں مومن کی ہر

خواہش پوری کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی رضا یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں اپنی مرضی چھوڑ کر میری مرضی
کے مطابق اس دارالعمل میں رہ کر اپنی زندگی بسر کرے تو میں آخرت میں اس کی مرضی کے مطابق اس کو
ہر شے دوں گا۔ بس انسان میں سب سے بڑی خوبی یہ ہونی چاہیے کہ وہ اپنے خالق و مالک رب العلمین
کا حکم مانے اور اس کے فرمان کے مطابق عمل کرے۔ یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ یہ آرام کی جگہ نہیں، کام
کی جگہ ہے۔ جیسے دُکان یا سرکاری دفتر۔ مکان یا گھر آرام کرنے کی جگہ ہے۔ مسلمان کا تو اصلی گھر آخرت اور
جنت ہے۔ عزیزو! ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور ایمان کی عظمت پر اور موت کے بعد **غیب** والی
آخرت کی دنیا پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس غیب والی آخرت کی تصدیق کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف
ملکوں اور مختلف زمانوں اور مختلف زبانوں میں دنیا کے اندر اپنے انبیاء کرام کے بھیجنے کا سلسلہ جاری فرمایا۔
لیکن نہ ماننے والوں نے نہ مانا۔ آخر ان کا انجام بُرا ہوا۔ یہ بے یقین ملحد (بے دین) آخرت کی زندگی کے
انکاری لوگ جو اپنی مادّی آنکھوں سے آخرت کی دنیا کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں ان کی مثال ان بے وقوف
دریا کی مچھلیوں جیسی ہے کہ دریا کی ایک عقلمند اور صاحب علم مچھلی (ہادی) نے دوسری ساتھی مچھلیوں سے
کہا کہ یہ بڑے بڑے کانٹوں میں لگے ہوئے گوشت کے ٹکڑے (بوٹیاں) جو شکاری کے جال سے بندھے
ہوئے ہیں، خبردار! تم ان ٹکڑوں (دنیا) کے نزدیک بھی نہ جانا ورنہ شکاری (شیطان)، تم کو پکڑ کر پانی
کی بجائے خشکی پر لے جائیگا۔ جہاں تمہارے بدن کو ایک لوہے کے آلہ (چھُری) سے چھیل کر پھر پیٹ چاک
کر دیا جائیگا۔ اور تمہارے بدن کے ٹکڑے کر کے ایک بڑے برتن میں ڈال کر ایک سُرخ رنگ شعلہ والی
تیز جلا دینے والی آگ پر تجھے خوب بھُونا جائے گا۔ پھر ایک سر اور دو کان، دو آنکھوں والا بڑے بدن کا حیوان
(انسان)، تمہیں اپنے بتّیس[۳۲] دانتوں سے نوچ نوچ کر کھا جائے گا۔ اگر وہ مچھلیاں اس مخبر مچھلی (داعی حق)، پر
یقین نہ کریں اور یہ کہیں کہ ہمیں مشاہدہ کرا کہ کہاں ہے وہ چھُری اور بڑا برتن اور سرخ شعلوں والی تیز آگ اور
بتیس دانتوں والا حیوان۔ تم جھوٹ کہتی ہو یہ بات ہماری عقل میں نہیں آتی۔ ان مچھلیوں میں سے ایک مچھلی
(امریکی ہپّی) یہ بھی کہے کہ میں نے سارے سمندروں کا مشاہدہ کیا اور ہر سمندر میں جگہ جگہ پھری، میں نے ایسی کوئی
شے نہیں دیکھی جو یہ مچھلی بیان کرتی ہے۔ یہ مچھلی جھوٹی ہے، تمہیں فریب دیتی ہے، یہ سارا گوشت خود کھا جائیگی
اور تمہیں دھوکہ دے گی۔ عزیزو! اگر اس باخبر مچھلی کے کہنے پر باقی مچھلیاں عمل نہ کریں، بار بار مشاہدے کا
اصرار کریں تو سوچ لو کہ ان کا کیا انجام ہوگا۔ دوستو! انسانی محدود عقل اور ضعیف آنکھ میں غیب کی باتیں

کیسے آجائیں، جو چیز ہوئی غیب وہ غیب ہی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے غیب والی چیزوں کو غیب میں رکھ کر اور خود انسانی آنکھوں سے پردۂ غیب میں رہ کر انسان کو امتحان میں ڈالا کہ میرا بندہ آخرت والی زندگی پر بغیر مجھے دیکھے مجھ پر ایمان لے آوے۔

گائے سبز گھاس کھاتی ہے لیکن غیب میں سے اس میں سُرخ خون پیدا ہوتا ہے پھر یہ خون اس کے پستانوں میں جاکر دُودھ بن جاتا ہے۔ پھر یہ بھی یاد رہے کہ گائے دُودھ نہیں دیتے بلکہ رب العالمین اپنی مخلوق کے لیے غیب سے گائے میں دُودھ پیدا فرما دیتے ہیں۔ اگر گائے ہی دُودھ دیتی ہوتی تو پھر وہ بعد میں کیوں دُودھ دینا بند کرتی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ دیکھیے ایک کمزور و لاغر بکری جس کے تھن اور دُودھ دونوں بڑھاپے کی وجہ سے مدتوں سے سوکھے ہوئے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مبارک ہاتھ بکری کے تھنوں میں لگایا تو اللہ تعالیٰ نے بکری کے تھنوں میں دودھ پیدا فرما دیا اور آپ اور آپ کے صحابہ نے خوب سیر ہو کر پیا اور باقی بکری کے مالک اور اس کے گھر والوں کے لیے بھی رکھ چھوڑا عزیزو! یہ ضروری نہیں کہ ہر شے کا **مشاہدہ** کر کے اس کی تصدیق کی جائے۔ بعض اُمور میں انسان کی عقلِ خام دھوکا کھا جاتی ہے بعض ایسی چیزیں بھی ہیں جو انسانی نظر و عقل میں نہیں آتی۔ دیکھیے محبت جو دل کو مقناطیس سے بڑھ کر کشش رکھتی ہے اور اس کی کوئی مادی شکل نہیں، لیکن اس کے باوجود کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ انگلستان کا ایک فرمانروا (ڈیوک آف ونڈسر) شاہی تخت تو چھوڑ سکتا ہے مگر اپنی محبت کو توڑ نہیں سکتا۔ انسان کے دل و دماغ اور بدن کے رواح و قوٰی اور حواسِ خمسۂ ظاہری باطنی اپنا اپنا کام سرانجام دے رہے ہیں لیکن نظر سے غائب ہیں جو اپریشن سے بھی نظر نہیں آتے۔ بعض چیزیں ایک انسان کی عقل میں آتی ہیں دوسرے کی عقل میں نہیں آتی۔ آج بھی کسی دیہاتی آدمی کو کہا جائے کہ فضا میں متحرک تصویریں اور آوازیں موجود ہیں جو ایک مخصوص آلہ (ٹیلی وژن) میں دو باریک تانبے کی تاروں سے گزر کر ایک شیشہ کی پلیٹ پر جلوہ گر ہو جاتی ہیں اور ان تصویروں کا ایک ہی جگہ کا منظر ایک ہی وقت میں سینکڑوں میلوں پر انسان متعدد جگہوں پر اس مخصوص آلہ کے ذریعے دیکھ سکتا ہے اور آوازیں سن سکتا ہے۔ اگر وہ دیہاتی یہ کہے کہ میں نہیں مانتا، میری عقل میں یہ باتیں نہیں آتیں۔ اگر سچ ہے تو دکھائیں فضا میں کہاں ہیں وہ تصویریں اور آوازیں۔ پھر اس کا کیا جواب۔ اگر آج سے تین سو سال قبل یہی بات لوگوں سے کہی جاتی تو یہ بات اس وقت کے لوگوں کے ذہن میں نہ آتی اور کہنے والے کو ضرور دیوانہ

سمجھتے۔ نل سے پانی جاری ہے، نظر آتا ہے کہ ٹونٹی سے آرہا ہے مگر یہ پانی نل کی ٹونٹی سے نہیں آتا۔ نبض کی حرکات اور مرض حکیم ہی جانتا ہے اور سٹھیتوسکوپ کی آواز ڈاکٹر ہی سمجھتا ہے۔ مشین مین مشین کی آواز سے اندازہ لگا سکتا ہے کہ مشین کے فلاں پرزے میں نقص ہے۔ ہر فن کے کرنے والا ماہر اس فن کے رموز کو اچھی طرح سمجھتا ہے مگر دوسرا شخص اس رموز کو نہیں سمجھ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی کمال صناعی کو ملاحظہ فرمائیں کہ یہ انسانی ہاتھ، پاؤں اور پیشانی و زبان کے خطوط ابتدا، انسانی پیدائش سے لے کر قیامت تک جتنے بھی انسان اس دنیا میں آئیں گے ہر ایک کے ان عضو کی لکیریں ایک دوسرے سے نہیں ملتیں۔ بقول ایک ماہر منجم کے ان میں اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کا نقشہ حیات اور اس کے حق میں اپنا ارادہ مقدر فرمایا۔ گویا کہ تمام زندگی کا دفتر چند لکیروں میں درج ہے۔ ایک کامیاب ماہر علم انسانی ہاتھ کی لکیریں اور پیشانی کی لاٹ کو دیکھ کر کتاب شارٹ ہینڈ کی تحریر کی مانند اس کی کتاب زندگی کو پڑھ سکتا ہے۔ لیکن دوسرے کو اس کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔ سچ ہے:

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (النور)

(جس دن ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے خلاف اس کی گواہی دیں گے جو وہ عمل کرتے تھے، اس دن اللہ انہیں ٹھیک ٹھیک بدلہ پورا پورا دے گا) بعض انسانوں کی خام عقلایں ہوتی ہیں وہ صحیح بات بھی نہیں سمجھ سکتے۔ اگر جنین کے کان میں کسی آلہ یا کسی ذریعہ سے یہ کہا جائے کہ تیری ماں کے پیٹ کے باہر ایک بہت بڑی دنیا ہے یہ شکم مادر اس کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتا اس دنیا میں آسمان، زمین اور جبال و سمندر و نہریں۔ شجر و دواب بہت خوبصورت پھل و پھول ہیں، اور ستارے و شمس و قمر دنیا کے سارے عجائبات اس پر واضح کر دیے جائیں اور یہ بھی کہہ دیا جائے کہ تیری والدہ کا ایک سر، دو آنکھیں، ایک ناک، دو کان، ایک منہ، دو ہاتھ اور دو پاؤں ہیں جن سے وہ زمین پر چلتی ہے۔ جب تو اس دنیا میں جائیگا تو وہ تجھے سفید سفید سا اپنا لذیذ دودھ پلائے گی۔ اگر وہ یہ کہے کہ یہ باتیں میری عقل میں نہیں آتیں۔ مجھے میری والدہ کی ایک آنکھ یا ایک ٹانگ یا ناک ہی دکھا دو تو میں مان جاؤں گا۔ تو پھر اس کا کیا جواب۔ عزیزو! ساری دنیا میں مل کر اس جنین کو دنیا کی حقیقت سمجھائے تو اس کی عقل خام میں اس دنیا کی حقیقت نہیں آسکتی۔ پھر کس طرح خام اور محدود انسانی عقل میں آخرت کی غیبی خبریں آجائیں۔ پھر جب کہ اپنے مالک و خالق کی فرمانبرداری سے انسان

سرکشی کرے ۔ ایک اور قابل غور بات ملاحظہ فرمائیں کہ جب جنین کے تمام اعضاء آنکھ، کان، ناک منہ، دل و دماغ اور جگر یہاں تک کہ پورا جسم تیار ہو جاتا ہے تو وہ اپنی ماں کے پیٹ سے اس دنیا میں آجاتا ہے۔ اگر ساری دنیا کے سائنس دان اس کے کسی اعضاء ناک، کان، منہ، چہرہ وغیرہ کی شکل کو تبدیل کرنا چاہیں تو وہ تبدیل نہیں کر سکتے، یہ قدرت کی مصوری ہے۔ یہ سائنس دان تو ایک سیاہ مرغی کے بچے کو سفید نہیں کر سکتے۔ ایک بات اور یاد آگئی کہ اس دنیا میں جو اعمال اچھے یا برے بنتے ہیں موت کے بعد آخرت کی دنیا میں جنین کے اعضاء کی طرح ان میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ جو بن گئے وہ ہو چکے اور ان کے مطابق ہی انسان کو جزا و سزا ملے گی اور صالح اعمال ہی کام دیں گے۔ غیب کی دنیا کو دیکھنے کے لیے، وہاں انسان اپنے دل و دماغ سے دنیا کا نشہ اور جوانی کا نشہ اتار دے اور پھر قلب کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جوڑ لے اور اس کے حکموں پر عمل کرے اور اس کے پیارے حبیب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر عمل کرے اور حضور کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے پھر انشاء اللہ نمازیں بھی غیب کے مشاہدے والی بن جائیں گی۔ اب جبکہ دل کی مشین درست نہیں تو صوت و صورت (کشف) دل کے آئینے میں کیسے اترے۔

عزیزو! جتنے بھی اس دنیا میں آچکے اور جتنے اب اس میں موجود ہیں اور جو دنیا میں ہمارے بعد یہاں آئیں گے، سب نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے ع اجل لگائے ہوئے گھات ہر کسی پر ہے ملحد بے دین خدا کی ذات سے انکار کر سکتا ہے مگر موت سے انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ موت کی شکل و صورت نہیں جانتا۔ دوستو! پیدائش سے لے کر موت تک انسان کی ہر آواز، ہر عکس اور ہر خیال و نقوش لمحہ بہ لمحہ اس ایثری جسم میں ہی لامحدود وقت تک قائم و محفوظ رہتے ہیں۔ روح انسانی کا مثالی جسم ایثری ہے موت کے وقت یہ روح انسانی خاکی جسم سے ایثری جسم کے ساتھ ہی پرواز کرتی ہے۔ یعنی خارج ہوتی ہے۔ اور قیامت کے دن ہر ایک نفس کا وہ ایثری وجود انسان کے نیک و بد اعمال کی فلم بارگاہ خداوندی میں پیش کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہر جاندار کو موت آئے گی، اس کا جسم بے روح ہو جائے گا جس طرح بازار میں چلتے ہوئے سرکاری کرنسی نوٹ بادشاہ کے ایک منسوخی حکم سے یہ نوٹ لوہے کی بند الماریوں میں پڑے ہوئے بے قیمت ہو جاتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حکم سے جسم سے روح نکلنے کے بعد انسان کے بدن کی کوئی قیمت نہ رہے گی۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات میں

اشرف المخلوقات بنایا۔ موت کے بعد اس کی روح میں اس کی ساری عمر کے اعمالوں کا رنگ چڑھ جائے گا۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہی جنت الفردوس کے وارث بنتے ہیں۔ روح انسانی امر ربی ہے جو بے صورت ہے جس طرح قرآن حکیم کسی قاری کے دل کی قوتِ حافظہ میں پورا قرآن کریم محفوظ ہے جو ان مادی آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ انسانی اعمالوں کے مطابق انسان کے اچھے اور بُرے فیصلے آسمان پر ہوتے ہیں اور پھر ان اعمالوں کے فیصلے زمین پر نافذ ہوتے ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ کا فضل اور اعمالِ صالح ہی آخرت میں کام آئیں گے۔ انسان مرتا نہیں انتقال کر جاتا ہے۔ نزع کے وقت مومن کی جان اس طرح نکلے گی جس طرح سوئی ہوئی عورت کا بچہ ماں کی چھاتیوں سے دُودھ چوس لیتا ہے اور ماں کو خبر تک نہیں ہوتی۔ کافر کی موت کے وقت اس کی جان اس طرح کھینچی جائے گی جس طرح خاردار جھاڑی پر باریک ململ کا کپڑا ڈال کر کھینچا جاتا ہے۔ خدا کے منکر لوگوں کو مرتے وقت آخری ہچکی کے بعد پتہ چلے گا کہ ہم نے دنیا میں کیا کمایا اور کیا ساتھ لائے۔ بس انسان کو چاہیے کہ اپنی خودسری و خودمختاری سے باز آئے۔ صحیح رویہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی و اطاعت پر راضی ہو جائے اور سرکشی چھوڑ دے۔

دوستو! یہ کائنات فانی ہے اور موت ایک اٹل حقیقت ہے۔ عمر خواہ کتنی ہی طویل ہو، آخر مرنا ہے۔ اس دنیا میں فرعون و قارون اور نمرود جیسے منکرین خدا پیدا ہوئے آخر وہ بھی یہاں سے رخصت ہوئے۔ ہم نے موت کو فراموش کر دیا۔ دنیا کی رعنائیوں اور رنگینیوں میں مست ہیں۔ مرنے کا خیال ذہن سے محو ہو گیا۔ ہمارا مقصدِ حیات مال و دولت جمع کرنا اور اپنی خواہشات کا پورا کرنا بن چکا ہے۔ عزیزو! انسان کو موت سے پہلے آخرت کے لیے نیک اعمال کا زادِ راہ جمع کرنا چاہیے۔ حدیث نبوی میں واضح ہے کہ انسان کے تین دوست ہوتے ہیں۔ ایک مال و دولت، یہ آخری سانس تک ساتھ دیتا ہے۔ دوسرے گھر والے وہ قبر تک۔ تیسرے وہ نیک اعمال ہیں جو آخرت میں اس کے کام آئیں گے۔ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اس خوابِ زندگی کے مختصر لمحات کو غنیمت جان کر کوئی ایسا کام کیا جائے جس سے مخلوقِ خدا کا بھلا ہو اور اپنی آخرت بھی اچھی ہو جائے۔ اس خیال کو مدِنظر رکھ کر میں نے ان پانچ مقالوں کو تحریر کیا ہے۔ اس کتاب کے جزِ اول میں صانعِ عالم کی صفات ہیں جن سے ایک سلیم الطبع و صحیح الدماغ انسان کو اس کائنات کی اشیا اور اس کے مشاہدہ و مطالعۂ فطرت سے دلائل وجود الحق و

اثبات خالق و مالک جز و کل اور انسانی وجود کے پیدا کرنے والے کا واضح طور پر ثبوت اور اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ جیسے کہ اجرام فلکی شمس و قمر کا زمین کے ساتھ تعلق۔ مخلوق ارضی کی ضرورتوں کا اور ان پہاڑوں اور دریاؤں کا تعلق۔ پھر کرۂ ارض کا فضائے بسیط میں معلق ہونا اور پہاڑوں سے دریاؤں کی روانی کا نظم۔ اور ہر چیز، ہر درخت، ہر پودا اور بیل و بوٹے کے لیے جسم، قد، شکل، برگ و بار اور اس کی پیداوار کی مقدار اور ناپ تول۔ حساب و شمار کے ساتھ مقرر ہونا یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر گواہی دیتی ہیں جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ دیکھیے یہ جمادات و نباتات، حیوانات غرض کہ ہر شے، ہر نوع، ہر جنس اور ہر قوت زمین سے لے کر آسمان تک جو ہے اس کی ایک حد مقرر ہے جس پر وہ ٹھہری ہے اور اس کی مقدار مقرر کر رکھی ہے اور یہ جو پورے نظام کائنات میں توازن و اعتدال اور تناسب ہے کمال و ریہ حکیمانہ قدرت کا کرشمہ ہے [illegible] اس کے بنانے والے کی ہستی کا پتہ چلتا ہے اور یہ ایک رب قدیر کے وجود اور اس کی یکتائی کی روشن دلیل ہے اللہ واحد صمد نے اس کائنات کو ایک اٹل ضابطہ کے مطابق جکڑ رکھا ہے [illegible] کے مشاہدہ سے قلب نور ایمان و یقین سے لبریز ہوتا ہے۔ میں نے مشاہدۂ فطرت کے علاوہ [illegible] تصنیف میں منکرین خدا اور مادہ پرستوں کے غلط نظریات کے سوالات کا رد اور ان کا صحیح جواب عقلی دلیلوں سے دیا ہے اور تخلیق کائنات کا سائنسی و دینی تصور بڑی وضاحت سے پیش کیا ہے۔

بزرگوں کا قول ہے کہ عالم ربانی سے ایک ساعت کی گفت و شنید دس سال کی کتب بینی سے بہتر ہے تصنیف کے جزو دوم میں علم و تعلم اور تعلیم کی فضیلت۔ علم و عقل میں فرق۔ عقل کی حقیقت اور تعریف۔ عقل اور وحی الٰہی کا رشتہ۔ محبت و عقل کا بیان درج ہے۔ موجودہ دور کے علم کی بنیاد معاشی ترقی پر ہے لیکن محض مادی ترقی سے انسانی ترقی نہیں ہو سکتی۔ مغرب کی مادہ پرستی نے انسان کو حیوانیت کی طرف مائل کر دیا ہے۔ آج کل کے ماہرین نفسیات اپنے کمال علم اور مادی ترقی کے باوجود وجہ معلوم کرنے سے عاجز ہیں کہ معاشرہ کیوں بگڑتا جا رہا ہے ہر طرف فساد ہی فساد ہے۔ دوستو! انسان اگر سورج، چاند اور ستاروں پر پہنچ کر ان کو تول اور ناپ بھی لے اور ان کی معدنیات پر قبضہ بھی کر لے اور علوم و فنون کے وسیع میدان میں گھوڑے دوڑانے لگ بھی جائے تب بھی اس کے دل میں ذاتی قلبی جوہر وصفات عالیہ اور اخلاق فاضلہ آثار جرأت و اقدام امانت، سخاوت، شجاعت، عفت، قناعت، صبر، عدل و انصاف، سچائی، رحم و شفقت، ضبط نفس

وغیرہ پیدا نہیں ہو سکتے اسی طرح اخلاقی رذائل قلبیہ جھوٹ ظلم خیانت حرص وطمع، چوری، بغض وکینہ، بے ایمانی، حبِ مال اور حبِ ذات سے اپنے آپ کو بچایا نہیں جا سکتا۔ انسانی معاملات اس سے کہیں گہرے ہوتے ہیں یہ قوت وتہذیب بے معنی چیزیں ہیں کیونکہ موجودہ تعلیم کی بنیاد اسلامی اخلاق وخوف خدا پر نہیں ہے اسلامی تعلیم و اخلاق کا کمال یہ ہے کہ عرب جو وحشت و درندگی کا معدن تھا قلیل عرصہ میں معلم اخلاق وتہذیب وتمدن بن گیا۔ سچ ہے کہ انما یخشی اللہ من عبادہ العلمآء (القرآن)

اس کتاب کے جزِ سوم میں تصوف پر بحث کی گئی ہے جو اسلام کی رُوح ہے جس سے تزکیہ نفس و اصلاحِ قلب اور رضاء الٰہی مقصود ہے۔ اس جز میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعتِ مطہرہ کی پیروی ہی تصوف و سلوک کی جڑ بنیاد ہے اور شریعت اور تصوف دو متضاد چیزیں نہیں بلکہ ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں۔ صُوفی اپنے نفس کا خود طبیب ہوتا ہے اور تصوف کے حصُول کے لیے اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیب محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور محبت درکار ہے اور کسی رہبرِ کامل کی ضرورت ہوتی ہے ۔

بناں محبت وِچ طواف کعبے بیتے عمر ساری
کُھر مقصود ملے نائیں منزل کٹے نہ بھاری
مے محبت والی جاں ساقی کاسہ دِل وِچ پاوے
گھمن گھیر تاریک دلاں نوں کر منور پل وِچ جاوے

لفظ صوفی قرآن میں نہیں آیا۔ لیکن صادقین ومقربین، عابدین اور اولیاءٌ وغیرہ کے الفاظ جن مومنوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں وہ اولیاءٌ وصوفیاء ہی تو ہیں۔ تصوف کیا ہے"۔ تزکیۂ نفس، تربیت اخلاق، حسنِ عمل اور نکوکاری، قربِ حق کی طلب اور ہوائے نفس سے پرہیز۔ اسی کا نام احسان ہے۔ یہ ایک ایسا علم ہے جو قلب کے باطنی احوال پر مرتب ہونے والے احکام کے ساتھ مخصوص ہے۔ صُوفی اپنے قلب کا خود طبیب ہوتا ہے۔ درحقیقت تصوف خُدا اور رسُول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سچی محبت، بلکہ عشق کا نام ہے۔ صوفی اللہ واحد کی خاطر سنّت کا پابند اور حدیثِ رسُولؐ کا دل وجان سے معتقد ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ اللہ نے اپنی ظاہری اور باطنی رحمتیں تم پر مکمل کر دیں (القرآن) ظاہر سے مراد شریعت ہے اور باطن سے مراد طریقت ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کے دو طرف حاصل کیے۔ ان میں سے ایک تو میں نے تم پر فاش کر دیا اگر دوسرے کو فاش کرتا تو میرا یہ حلق کاٹا جاتا (صحیح بخاری) صوفیا کے نزدیک اس دوسرے علم باطن یا طریقت کی طرف ہے اور بیعتِ توبہ کی طرح صوفیاء کی مروّجہ بیعت، بیعت تقویٰ میں داخل ہے۔ مادی علوم میں کون سا علم و فن ہے جس میں استاد کی مدد ناگزیر نہیں۔ حالانکہ ہر علم و فن پر بے شمار کتابیں موجود ہیں۔ پھر روحانیت کا علم جو ان سب سے لطیف تر ہے وہ محض کتابوں کی مدد سے کس طرح پورا آجائے گا۔ بس اس منزل کے رہنما کا نام مرشد ہے۔ محبت مرشد بدعت نہیں بلکہ کونوا مع الصادقین کی تعمیل ہے یعنی (اے ایمان والو) تم صادقوں کی محبت اختیار کرو۔ بس یہی مرشد ہے

جزِ چہارم میں اسلامی مملکت کے مقصد اور اس کے بنیادی اصول کے متعلق بتایا ہے کہ اسلامی ریاست میں تمام اختیاراتِ حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور قرآنِ حکیم اور سنتِ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کا قانون ہے اور اسلامی قانون کے فیصلے کا طریقہ اور اسلامی جہاد کے متعلق تاریخی ثبوت مہیا کیا ہے کہ مسلمان اقلیت میں ہوتے ہوئے بھی کفار کی اکثریت پر غالب آتے رہے۔

جزِ پنجم میں اسلام اور اصولِ صحت کے متعلق قریباً ۶۰ حدیثیں درج ہیں اور معالج کے ذاتی اوصاف و فرائض اور طبِ جدید و طبِ قدیم کے باہمی اختلاف اور طبِ قدیم سے اس کا جواب وضاحت سے درج ہے۔

جسم و نفس دونوں کی طہارت و پاکیزگی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اس کتاب کے آخری جزِ پنجم میں اسلام اور اصولِ صحت کے متعلق قریباً ۶۰ حدیثیں درج ہیں اور معالج کے ذاتی اوصاف و فرائض اور طبِ جدید و طبِ قدیم کے باہمی اختلاف اور طبِ قدیم سے ان کا جواب بڑی وضاحت سے دیا گیا ہے۔

ناظرین! اسلام میں حفظِ صحت اور حصولِ صحت کے لیے ایک مکمل ضابطہ موجود ہے۔ حفظِ صحت کے لیے صبح کا اٹھنا، کم خوری، طہارت، مسواک، وضو، پنجگانہ نماز، روزہ، کھانے پینے میں صفائی اور پاکیزگی، نکاح اور جماع کے بعد غسل اور ایامِ حیض میں احتیاط اور دیگر اصولِ صحت کے لیے ایک دستور موجود ہے اور اسی طرح حصولِ صحت کے لیے طبِ نبویؐ میں حضور رحمۃ للعالمین کے ارشادات موجود ہیں۔ صحت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اس نعمت کا شکریہ صحت کی حفاظت ہے۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الناس لم یعطواءَ افضل من العفو العافیۃ (یقیناً لوگوں کے لیے عفو اور صحت و عافیت

سے کوئی افضل شے عطا نہیں کی گئی ہے۔ نسائی) بیماری اکثر انسان کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے۔
نبی الرحمۃ کا ارشاد ہے کہ مومن کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی، یہاں تک کہ اسے کوئی کانٹا بھی نہیں چبھتا کہ اس
کے ذریعہ سے اس کے گناہ معاف نہیں کر دیے جاتے یا اس کی خطائیں دور نہیں کر دی جاتیں (موطا)
اور بیماری کا علاج کرنا توکل کے منافی نہیں بلکہ نبی الرحمۃ کی عین سنت ہے جیسے کہ حدیثوں میں حضورؐ
نے استسقاء زقی کے مریض کے لیے آپریشن اور دنبل کے لیے عمل ید اور کثرت خون میں حجامت مع الشرط
کا حکم دیا۔ اور معالجات میں شہد (شہد ایک مفید و لذیذ غذا ہے اور اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے شفا رکھی
ہے کیونکہ اس میں پھلوں اور پھولوں کا رس اور جوہر ہوتا ہے اور شہد خود خراب نہیں ہوتا اور دوسری
چیزوں کو بھی اپنے اندر ایک مدت تک خراب نہیں ہونے دیتا) سنا، صبر، کلونجی، قسط، حنا، سفرجل
شیر شتر کے استعمال کا حکم فرماتے اور کھانے میں کدو۔ ککڑی۔ انار۔ تربوز۔ کھجور اور معاون صحت کے لیے
شیر گاؤ کا استعمال کرتے۔ چنانچہ شمس الدین محمد بن ابی بکر بن ایوب الزرعی الدمشقی نے اپنی کتاب الطب النبوی
میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معالجات پر ایک بہت بڑا جامع و مستند باب تحریر کیا ہے۔ اور طبیب
کے پیش نظر یہ بھی رہے کہ ادویہ میں جو تاثیر و نافع کارفرما ہے وہ ادویہ کی اپنی ذاتی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ
نے ہی ان ادویہ میں شفاء و ضرر کی خاصیت رکھی ہے۔ جب کسی مرض کے مطابق صحیح ادویہ مہیا ہو جاتی
ہیں تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوا شفا کا ذریعہ اور بہانہ بن جاتی ہے۔ اس لیے طبیب کو چاہیے کہ اللہ تعا
پر بھروسہ رکھے کہ وہی شافی مطلق ہے اور شفاء کاملہ اور اپنی ہر حاجت کے لیے نماز پنجگانہ کے بعد درود شریف
پڑھے اور خلوص دل سے بارگاہ خداوندی میں دعا مانگتا رہے۔ جو مانگنے کا طریقہ ہے اس طرح مانگو ع

در کریم سے بندے کو کیا نہیں ملتا

اور طبیب کو بہترین خلق والا اور رحم دل اور مساکین سے محبت کرنے والا ہونا چاہیے۔ حضور نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خیار امتی علماء ھا وخیار علماء ھا رحماء ھا (میری
امت کے بہترین لوگ عالم ہیں اور بہترین عالم وہ ہیں جو رحم دل ہیں)
"شعور نغمہ" کی تالیف سے دراصل یہ غرض ہے کہ مسلمان اور ان کی جدید تعلیمیافتہ نسل کو اسلام
کی محققانہ معلومات سے آگاہ کیا جائے اور اس میں اِس دور حاضرہ کی تہذیب و تمدن کے دلدادہ
نوجوانوں اور ان حضرات کو مخاطب کیا گیا ہے جن کا ماحول نئی طرز زندگی اور اقوام غرب کی مادہ پرستی

کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ انہی کی ذہنی و فکری سطح کو پیشِ نظر رکھ کر میں نے یہ تالیف مرتب کی ہے گو اہلِ یقین کو اس کی کوئی ضرورت نہیں لیکن ضعفاء کے لیے تسلی اور قوت بخش ہے اور یہ اہم تبلیغی خدمت بھی ہے جس سے ایک جویائے حق کے لیے سمجھنے اور غور کرنے سے اسلام کی صداقت پر اعتماد اور امور بعد الموت پر یقین و ایمان میں پختگی ہوگی ان حضرات کو کتاب کے جزِ اوّل کا مطالعہ کرنا مفید ہوگا اور مادہ پرستوں کے لیے خدائے لم یزل کے اثبات اور جا بجا مصنوعاتِ الٰہیہ اور جمادات، نباتات اور حیوانات کے مشاہدے سے خدا کی ہستی کا ثبوت پر اسرار کائنات میں مہیا کیا گیا ہے گویا دریا بکوزہ کی مثال اس بیان پر صادق آتی ہے اور یہ تصنیف تحریک پاکستان کے اساسی اغراض کا ایک حصّہ بھی ہے کہ ملک کی نئی نسل کے نوجوانوں کے دل و دماغ میں اسلام کی حقانیت سے وہ علم و بصیرت حاصل ہو جس کے ذریعے سے وہ اسلام کا بہترین نمونہ بن جائیں اور ان کو راہِ ہدایت اور ایمان کی دولت میسّر آئے۔

اس تالیف میں جو احسن باتیں درج ہیں وہ سب توفیقِ ایزدی سے تحریر کی گئی ہیں۔ مجھ میں یہ طاقت نہ تھی۔ نہ میں عالم ہوں نہ مصنف، انسان سہو و نسیان کا پتلا ہے اگر کتاب میں کوئی خامی یا غلطی رہ گئی ہو تو میں چاہتا ہوں۔ کتاب میں غلطیوں کی نشاندہی قرآن و حدیث کے حوالے سے کی جاسکتی ہے۔ میں اس کی طرف توجہ دوں گا اور ان حضرات کا شکر گزار ہوں گا اور اگر ترتیب میں سقم اور غلطیاں نظر آئیں تو اُن کو نظرانداز کرکے نفسِ مضمون کو پیشِ نظر رکھا جائے اور ناظرین سے میری درخواست ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا مطالعہ خالص علمی سیر کے طور پر نہ کیا جائے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے کے لیے آپؐ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے اور ہدایت حاصل کرنے کی نیت سے کیا جائے۔

الفاظ کے پیچوں میں اُلجھتے نہیں دانا
غوّاص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے

میں اس کتاب کی ترتیب و اشاعت میں خطاط العصر جناب محمد یوسف صاحب نگینہ کا نہایت شکر گزار اور ممنون ہوں کہ انھوں نے کتاب کی اشاعت و کتابت میں دل سے عملی تعاون و ہمدردی

کاثبوت دیا اور شاید میں اُن کے بغیر اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوتا۔ خداوند تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔

اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں جن تالیفات سے میں نے استفادہ کیا ہے، ان کے مصنفین کا میں تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

آخر میں میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب میں جو کچھ حق اور صحیح ہے اُسے لوگوں کے دلوں میں اتار دے اور نیک عمل کرنے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

والحمد للہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ

آپ کی دُعاؤں کا محتاج اور طلبگار عاجز و گنہگار

بندہ (حکیم) رحمت اللہ امرتسری عفی اللہ عنہ

# اِسْمُ اللّٰہِ الْاَعْظَمُ

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ بُرَیْدَۃَ عَنْ اَبِیْہِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلاً یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ اِنِّیْ اَشْھَدُ اَنَّکَ اَنْتَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ فَقَالَ لَقَدْ سَأَلْتَ اللّٰہَ بِالْاِسْمِ الَّذِیْ اِذَا سُئِلَ بِہٖ اَعْطٰی وَاِذَا دُعِیَ بِہٖ اَجَابَ ۔

(رواہ اصحاب السنن)

عبداللہ بن بریدہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا، اے اللہ میں درخواست پیش کرتا ہوں کہ میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تو ہی ہے۔ تیرے سوا کوئی خدا نہیں، یکتا ہے، بے نیاز ہے، نہ کسی کا باپ ہے، نہ اس کا کوئی بیٹا، نہ اس کا کوئی ہمسر۔ آپؐ نے فرمایا کہ تو نے خدائے تعالیٰ کو وہ نام لے کر پکارا ہے کہ جب اس نام کے ساتھ اس سے سوال کیا جاتا ہے تو ضرور دیتا ہے، اور جب اس کو پکارا جاتا ہے تو ضرور جواب دیتا ہے۔

---

خامہ مرا آج دُر فشاں ہے<br>
حمدِ باری میں تر زباں ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# حمد باری تعالیٰ

اللہ کی حمد ہے زباں پر — ہے آج دماغ آسماں پر
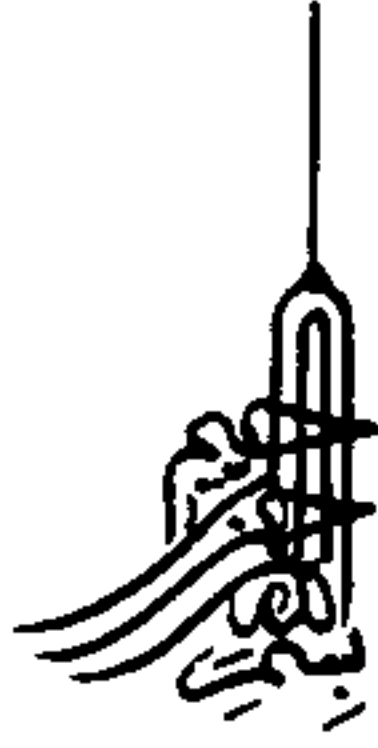
وصف اس کے لکھیں جو لکھنے والے — کونین کے دو ورق ہوں کالے

دی منہ کو زباں، زباں کو تقریر — پتلی کو نظر، نظر کو تسخیر

گردوں کو قمر، قمر کو ہالہ — پہلو کو جگر، جگر کو نالہ

کھانے کو دہن، دہن کو کھانا — دانے کو شجر، شجر کو دانا

پانی کو بھنور، بھنور کو چکر — دریا کو صدف، صدف کو گوہر

شب کو کیا روز، روز کو شب — لب کو دیے حرف، حرف کو لب

آندھی کو دواں کیا، دواں ہے — پانی کو رواں کیا، رواں ہے

پھول اُس نے کھلائے، کھلتے ہیں روز — دو وقت ملائے، ملتے ہیں روز

ہے اس کا مقام بسکہ بالا — بے دم ہوتا ہے جانے والا

خامہ یہ تھکا، کہ رُک گیا ہے

سر لوح پہ رکھ کے جھک گیا ہے

○

# نعتؐ بہ درگاہ سرورِ کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم)

افضل ہے مرسلوں میں رسالت حضور کی
اکمل ہے انبیاء میں نبوت حضورؐ کی

ہر بات میں ہو کیوں نہ حلاوت حضور کی
اللہ کی زباں ہے فصاحت حضورؐ کی

پہچان لیں گے آپ وہ اپنوں کو حشر میں
غافل نہیں ہے چشمِ عنایت حضورؐ کی

کھولے ہیں مشکلات جہاں نے کئی محاذ
کام آئی ہر قدم پہ حمایت حضورؐ کی

میری نظر میں مُرشدِ کامل ہے وہ بشر
تفویض کر سکے جو محبت حضورؐ کی

جو ہو گئے ہیں آپ کے آپ اُن کے ہو گئے
عادت نہیں ہے ترکِ محبت حضورؐ کی

یارو نہ اشکِ غم مرے پونچھو کہ اِن دنوں
بخشی ہوئی ہے مجھ کو یہ دولت حضورؐ کی

اپنا مشاہدہ جو کیا حُسنِ ذات نے
تھی آئینے میں سامنے صورت حضورؐ کی

دِل میرا خوفِ مرگ سے مطلق ہے بے نیاز
میں جانتا ہوں موت ہے سنت حضورؐ کی
آنکھیں نہ ہوں تو خاک نظر آئے آفتاب
صدیقؓ جانتے ہیں صداقت حضورؐ کی
آہستہ سانس لے کہ خلافِ ادب نہ ہو
نازک ہے آئینہ سے طبیعت حضورؐ کی
چوما ہے اپنی آنکھوں کو رکھ رکھ کے آئینہ
جب بھی ہوئی ہے مجھ کو زیارت حضورؐ کی
چشمِ طلب میں کس کا اجالا ؟ حضورؐ کا ،
دنیائے دل میں کس کی حکومت ؟ حضورؐ کی
محشر میں کاش مجھ کو پکارے نہ صورِ حشر
میں کاش ہوں نہ وجہِ ندامت حضورؐ کی
انسانیت کو ماننے والوں کے واسطے
آئین دے گئی ہے معیشت حضورؐ کی
دانشؔ ہوں میں علائقِ دنیا سے بے نیاز
باقی ہے دِل میں صرف محبت حضورؐ کی

○

احسان دانش

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# اَللّٰہُ

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّ لَا غَرْبِیَّةٍ ۙ یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۟

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اُس کے نور کی مثال یہ ہے کہ ایک طاق ہو جس میں چراغ ہو وہ چراغ زیتون کے مبارک درخت کے تیل سے جلایا گیا ہو۔ نہ وہ پُورب ہے نہ پچھم ہے۔ اس کا تیل اتنا صاف ہے کہ آگ کے چھُوئے بغیر وہ آپ سے آپ جلنے کو ہو روشنی پر روشنی، خدا اپنی روشنی تک جس کو چاہے پہنچا دے اور خُدا لوگوں (کے سمجھانے) کے لیے یہ مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ کو ہر چیز کا علم ہے ؞

جل جلالہ

هو الاول والآخر والظاهر والباطن
وهو بكل شيء عليم

**الحمدللہ رب العلمین** ۔ کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام عالم کا مربی ہے ۔ معبود حقیقی ہے اور وحدہٗ لاشریک ہے ۔ انسان اور کل کائنات کا خالق، مالک و متصرف وہی ہے اور حی و قیوم ہے ۔ نظام ارض و سما کو چلانے والا اور اس پر حکمرانی کرنے والا واحد قادر باکمال اور قدیم مطلق اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اس کی بادشاہی میں کوئی شریک نہیں ۔ للہ ملک السموٰت والارض ۔ وہی دانا اور تمام موجودات میں ہر شے کا عالم ہے ۔ ہر آن ہر جگہ پوری قوت کے ساتھ موجود ہے ۔ وہ ہر شے پر محیط ہے اور وہ اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہیں ۔ جس طرح ایک سے پہلے کسی حسابی عدد کا تصور نہیں کیا جاسکتا اسی طرح اللہ تعالیٰ جو حقیقت میں واحد (ایک) ہے ۔ اُس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی ۔ اللہ تعالیٰ زمان و مکان، جہت و اشارہ، تحت و فوق اور ہر قسم کے حدود و قیود سے مبرا اور پاک ہے ۔ وہی تمام جہان کا مدبر و منتظم ہے ۔ تاثیر و تاثر، افعال و خواص، نفع و ضرر، خیر و برکت، موت و حیات، حدوث و امکاں کا سرچشمہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے ۔ دنیا کی ہر شے اُس کے ارادے اور قوت کے ماتحت ہی ہے ۔ تمام کائنات میں جو کچھ بھی ہے اُسی کے قبضۂ قدرت اور مشیت و حکم کے تابع ہیں ۔ اُس نے جو چاہا کیا اور جو چاہے گا جس وقت چاہے گا کرے گا ۔ اگر تمام دنیا کے موجودات، فرشتے اور شیطان یکجا جمع ہو جائیں کہ دنیا کے ایک ذرے کو بغیر اس کی مرضی کے حرکت دے دیں یا اس کی کمی بیشی کی کوشش کریں تو ناممکن ہے ۔ بغیر

اس کے ارادے کے کوئی چیز پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔ سب کمزور ہیں وہی ایک طاقت والا ہے اور کوئی شے اس کے مثل و مشابہ نہیں لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ۔ کوئی شے اس کے حکم کے باہر نہیں وہ علیم و بصیر و سمیع ہے اور سوائے اس کی ذات کے سب فنا ہونے والے ہیں۔ اسی کو بقا ہے۔ وہی ہر قسم کی صفاتِ عالیہ اور کمالاتِ رفیعہ حامدِ جمیلہ سے متصف ہے اور اللہ تعالیٰ رحمتِ کمالِ مطلق ہے۔ محسن و نافع ہے۔ رحمٰن و رحیم ہے۔ مجیب و وہاب ہے۔ وہ کائنات میں ایک لامتناہی حکمتِ کاملہ، رحمتِ تامہ اور کرمِ بے مثال کے ساتھ مصروفِ عمل ہے۔ فللّٰہ الحمد ربّ السمٰوٰت و ربّ الارض ربّ العٰلمین ۝ ولہ الکبریآء فی السمٰوٰت والارض ط ھو العزیز الحکیم ۝ اسلام میں ذاتِ باری تعالیٰ کا نام اللہ ہے۔ خُدا اس کا فارسی ترجمہ ہے۔ خدا دو لفظوں سے مرکب ہے، خود۔ آ۔ جس کی ذات اس کی ذاتی تقاضا سے ہے۔ جس کا وجود اپنا ہے خانہ زاد ہے، وہ خدا ہے۔ قرآنِ حکیم میں لفظ اللہ کا ۲۷۹۹ بار آیا ہے۔ شریعتِ محمدیہ میں لفظ اللہ اس ذات پر بولا جاتا ہے جو حق ہو، ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہنے والی ہو۔ تمام صفاتِ الٰہیہ کی جامع ہو، وہ کسی کا محتاج نہ ہو، دنیا اپنے وجود میں اس کی محتاج ہو اور ہر شے کا خالق پروردگار ہو۔ بالفاظِ دیگر اسمائے حسنیٰ میں جتنی صفاتِ خداوندی ثابت ہیں وہ اس ذات میں تمام کی تمام جمع ہوں جیسے اللہ کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ط اللہ خدا کا وہ نام ہے جو قرآنِ کریم میں بطور اسمِ علم ذاتِ سبحان کے لیے خاص الخاص ہر جگہ استعمال کیا گیا ہے۔ یہ نام عربوں میں نزولِ قرآن مجید سے پہلے بھی شعرا کے کلام میں پایا جاتا تھا۔ اس لفظ کی لغوی تحقیق میں لوگوں کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض کے نزدیک لفظ اللہ کے معنی اس ہستی کے ہیں جس کی پرستش کی جائے یعنی معبودانہ صفت ہو اور کسی نے کہا الٰہ (اللہ) وہ ہے جس کی حقیقت و معرفت میں عقلِ انسانی جس قدر غور و خوض کرے اسی قدر حیران و سرگرداں ہو اور اس ذاتِ مطلق کی ہستی کے ادراک میں خرد کی درماندگی اور عاجزی بڑھتی جائے۔ بعض گروہ کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ وہ ہے جو اپنی مخلوقات کے ساتھ ایسی شفقت اور محبت رکھے جو ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ پس خالقِ کائنات کے لیے یہی لفظ لغت کے اعتبار سے سب سے زیادہ موزوں تھا جو قرآنِ کریم نے بھی اختیار کیا اور اسماء الحسنیٰ میں سے اللہ اسمِ ذات ہے

باقی تمام نام صفاتی ہیں۔ لفظ اللہ کی ترکیب لفظی پر غور کیا جائے تو اس کی جامعیت ثابت ہو جاتی ہے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عبرانی، سریانی، حمیری اور عربی وغیرہ تمام زبانوں میں الف۔ لام اور ہ کا مادہ معبودیت کے معنی میں مستعمل رہا اور مختلف شکلوں میں مشتق ہوا ہے۔ کلدانی و سریانی زبان میں "الاہیا"، عبرانی میں "الوہ" اور عربی میں "الٰہ" اسی سے ہے اور بلاشبہ یہی الٰہ ہے جو حرف تعریف کے اضافہ کے بعد اللہ ہو گیا۔ اور تعریف نے اسے صرف خالق کائنات کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔ اگر اللہ کا حرف اوّل ہمزہ یا الف نہ لکھا جائے تو لِلّٰہ پڑھا جائے گا جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز اللہ کی ہی ملکیت ہے پھر اگر لِلّٰہ سے پہلا لام بھی کم کر دیا جائے تو لَہٗ رہ جاتا ہے جس کے معنی بھی وہی ہوں گے کہ سب کچھ اُسی کا یا اُسی کے واسطے ہے۔ پھر لَہٗ سے بھی لام کم کر دیا جائے تو ہٗ رہ جاتا ہے جس کا تلفظ ہُو ہے جو صرف واحد رہ کر بھی اسی کی ذاتِ وحید پر دلالت کرتا ہے۔ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۔

نہ جب تھا، نہ اب ہے نہ ہو گا میسّر
شریکِ خدا اور جوابِ محمّدؐ

## اللہ تعالیٰ کی ہستی پر دلیل :

دنیا میں جتنے بھی انبیاء اپنے اپنے زمانوں میں آتے رہے ہیں ان میں سے ہر ایک نے خدائے وحدہٗ لاشریک کی طرف سے لوگوں کو دعوت دی۔ گویا کہ آغاز میں ہی انسان کی فطرت میں ایک قادرِ مطلق، صانع کائنات کی ہستی کا اعتراف موجود تھا اور یہ عقیدہ دنیا کی قوموں میں ہمیشہ سے رہا ہے۔ کیا کائنات کے ربط و ضبط کا یہ سلسلہ محض اتفاق سے پیدا ہو گیا؟ صاحبو! یہ خیال ہرگز صحیح نہیں۔ اگر آپ بیس چھوٹے پیسے لے کر ان پر ا سے ۲۰ تک حسابی نشان لگا کر ایک تھیلی میں ڈال کر ہلائیں۔ پھر انہیں بغیر دیکھے ایک ایک کر کے باری باری نکالیں تو یہ ہرگز نمبروار نہ نکلیں گے پھر اس موجودات کا نظم و نسق کیسے ترتیب وار بن گیا اور کیسے بنا اور کیوں ہے اور یہ خود بخود تو پیدا ہو سکتا ہی نہیں۔ دوستو! اس عالم کا بے مثل نظم و ضبط ایک علیم و حکیم کی حکمت کا کرشمہ ہے اور اس کائنات کا وجود ایک عظیم خالق کی کاریگری پر دلیل ہے صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۔ خدا کی کاریگری ہے جس نے ہر شے کو خوب پختہ طور پر بنایا۔ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ

... ری میں گم کر کہیں فرق نظر نہیں آتا۔ وہ مادہ پرست فلسفی جس نے حضور نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و اتباع کا سرمہ چشم بصیرت میں نہ ڈالا ہو وہ اس کی حقیقت کیسے معلوم کر سکتا ہے۔ فلسفی تو فی الکائنات میں نظم ونسق اور صناعت کا تو مشاہدہ کرتا ہے لیکن ناظم اور صانع کا تصور ... نہیں رکھتا کہ کس بڑے انجنیئر نے ہماری کائنات کی تشکیل ... تعمیر کی۔ گویا کہ یہ فلسفی ... تو دیکھ رہا ہے مگر نقش گر کائنات کو نہیں پہچانتا یعنی وہ محل کو تو دیکھ کر حیران ہے مگر صاحب محل کو نہیں پہچانتا ... یا خود رو کارخانہ نہیں ہے۔ اس کو بنانے والا اور بنا کر رکھنے والا اللہ تعالیٰ ہے العالم مصنوعٌ۔ عالم ایک کاریگری کا نقشہ ہے۔ وَلِلْعَالَمِ صَانِعٌ دنیا کا بھی کوئی بنانے والا ہے۔ اس کا جواب وحی الٰہی نے دفعتہً دیا ھو اللہ الخالق الباری المصور له الاسماء الحسنیٰ وہی ایک ذات اللہ ہے جو خالق بھی ہے، باری بھی اور مصور بھی ہے اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سے پاک نام ہیں۔ غور کیجیے گھڑی تو خود بخود بن نہیں سکتی اور گھڑی کو بنانے والا ضرور ہے جس کو اس فن میں پوری مہارت ہے (۱) امام اعظم ابو حنیفہ رح کو ایک ملحد کے ساتھ مناظرہ میں بلایا گیا۔ وہ مناظرہ کرنے کے لیے دیر سے پہنچے۔ آپ سے تاخیر کی وجہ پوچھی گئی۔ آپ نے فرمایا میرا مکان دریائے دجلہ سے پار ہے۔ کشتی موجود نہ تھی۔ انتظار کیا۔ یہاں تک کہ درخت کٹ کر کشتی خود بخود بن گئی۔ پھر خود میرے پاس کنارے پہنچی۔ میں اس میں سوار ہوا تو خود بخود چلنے لگی اور میں نے دریا پار کیا۔ ملحد نے کہا کہ یہ پاگلوں جیسی باتیں ہیں۔ کشتی نہ تو خود بخود بن سکتی ہے اور نہ ملاح کے بغیر خود بخود چل سکتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ تیری عقل میں فتور ہے۔ امام اعظم رح نے فرمایا اس سے بڑا پاگل پن تم میں موجود ہے کہ جب چھوٹی سی کشتی کے لیے خود بخود بن جانا اور خود بخود چلنا ممکن نہیں تو کائنات کی یہ عظیم کشتی خود بخود کیسے چل سکتی ہے ملحد لاجواب ہوا اور اُسے خدا کی ہستی کا اقرار کرنا پڑا (۲)۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے توت کے پتا سے خدا تعالیٰ کو پہچانا۔ توت کا پتا اگر اونٹ کھائے تو مینگنیاں کرتا ہے اور اگر ہرن کھائے تو اس سے مشک پیدا ہوتا ہے۔ اگر ریشم کا کیڑا کھائے تو ریشم بنتا ہے اور اگر بکری کھائے تو دودھ دیتی ہے۔ دوستو! متاعِ عمر کو ضائع نہ کرو۔ یہ ریزہ الماس اور جواہرات سے گراں قدر لمحات ہیں۔ اس دُنیا کی رنگینیوں میں مست نہ ہو جاؤ۔ صانع کو پہچانو اور مصنوع کے گرویدہ ہو کر گمراہ نہ ہو جاؤ۔ یہ صحیفہ کائنات خدا کو جاننے کے لیے ایک کھلی ہوئی کتاب ہے اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (الجاثیہ،

بلاشبہ زمین و آسمانوں میں اہلِ ایمان کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ یہ کائنات زبان حال سے شہادت دیتی ہے کہ پس پردہ کوئی علیم و حکیم ہستی موجود ہے۔ اگر ایک جہاز بغیر ناخدا کے چل نہیں سکتا تو اس کائنات کا جہاز بغیر اللہ تعالیٰ کے کیسے چل سکتا ہے۔ مصنوعات عالم پر نظر ڈالنے سے ان کی صنعت کاری کی صحت اور سقم سے فوراً ان کے بنانے والے کی قابلیت و عدم قابلیت کی طرف خیال منتقل ہو جاتا ہے، جس طرح روضہ تاج محل کی نزاکت اور خوشنمائی کو دیکھ کر شاہجہان اور اس کے معماروں کی لیاقت کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے وللہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ ان اللہ واسعٌ علیم مشرق اور مغرب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ اس لیے تم جس طرف بھی رُخ کرو اُدھر تم کو اللہ تعالیٰ کی ذات مقدمہ (ابتدا) ملے گی۔ بے شک اللہ تعالیٰ فراخی اور جاننے والا ہے۔

## رویت خدائے کائنات

اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے لیے ان آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا جو مادی اجسام کو دیکھنے کا ایک ذریعہ بنائی گئی ہیں۔ بلکہ مومن جب خلوص کے ساتھ اچھے اعمال اور اپنی قوت ایمانی اور اللہ تعالیٰ کی کمال محبت سے ایک انتہائی منزل پر پہنچ جاتا ہے تو اس کا قلب روشن ہو جاتا ہے اور مومن کے دل میں مظاہرہ جمال سے حق تعالیٰ کے اوصاف کی محبت درجہ حد پہنچ جاتی ہے تو ذکر و فکر کے دوران میں مومن کی ساری توجہ اُن اوصافِ الٰہیہ پر مرکوز ہو جاتی ہے اور وہ اوصاف اس کے شعور پر چھا جاتے ہیں اور ان کا علم اس کے شعور پر پوری طرح حاوی ہو جاتا ہے۔ اس وقت مومن کا شعور حق تعالیٰ کو بالکل اس طرح دیکھتا ہے جیسے دنیا کی کسی اور چیز کو دیکھنا۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ ایسے نماز پڑھ گویا تو خدا کو دیکھ رہا ہے۔ یعنی وہ دیکھتا تو ہے لیکن ان مادی آنکھوں سے نہیں کیونکہ انسان کی ان ظاہری آنکھوں کے سامنے ہزاروں حجاب حائل ہیں۔ ہاں قیامت کے دن یہ تمام موانعات اور حجابات دور ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ایک ایسا حاسہ پیدا فرمائے گا جس سے اس کا دیدار ہو سکے گا مگر اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے لیے حواس اس جہان میں عبادت و ریاضت سے پیدا ہوتے ہیں، جو ایسے حواس یہاں سے مرنے کے بعد ساتھ نہ لے جائے گا۔ وہ آخرت میں بھی وہاں اندھا اُٹھے گا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے جو شخص اس دنیا میں اندھا ہو گا وہ دوسرے جہان میں بھی اندھا اٹھایا جائے گا۔ انسان اچھے اور بُرے اعمالوں کی مشین ہے۔ ان اعمالوں سے دنیا اور آخرت، اچھی اور بُری، بنتی اور

بگڑتی ہے۔ رہا ان ظاہری اور مادی آنکھوں سے مالک کائنات کو دیکھنا۔ ان آنکھوں میں اس قدر طاقت نہیں کہ حق تعالیٰ کا دیدار کرسکیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے آفتاب کو بھی اچھی طرح نہیں دیکھ سکتیں۔ جیسے شپر (چمگادڑ) کی آنکھ آفتاب کی روشنی اور تیزی وصفائی کو دیکھنے کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ جب شپر کی بصارت کا ضعف اور اضمحلال مانع رویت آفتاب پُرانوار ہے، تو خدائے ذوالجلال کا کمال اور صفائے جمال کو انسانی آنکھ کیونکر تاب نظارہ کرسکتی ہے پھر کس طرح انسان کی بینائی پر نور جمال خداوندی کا ادراک ہو جس سے بڑھ کر کوئی نور نہیں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ بشری آنکھ ہر چیز کو دیکھ سکے دن کو سورج کی روشنی میں ستارے نظر نہیں آتے۔ منوّر اشیا میں آفتاب کا کوئی ثانی نہیں ایسے ہی موجودات میں اللہ تعالیٰ کا کوئی ثانی نہیں وہ بے مثل ہے۔ آفتاب اس کی مخلوق ہے اور شپر کو آفتاب سے یہ نسبت ہے کہ اس کی بصارت عارضی اور مستعار ہے تو آفتاب کا نور بھی عارضی ومستعار ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فیض ہے جیسے آئینہ میں عکس نور آفتاب یا عکس نگاہ۔

عزیز دوستو! لطیف شے جتنی لطیف اتنی ہی نظر سے غائب ہوگی اور جو ہوئی غیب وہ نظر کب آئیگی۔ جو غیب ہے وہ غیب ہے لیکن غیب سے انکار نہیں ہوسکتا۔ دیکھیے رُوح کا تعلق جسم سے ہے لیکن یہاں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ بدن میں درد ہورہا ہے مگر دوسروں کو کچھ نظر نہیں آتا۔ فضا میں ایتھر موجود ہے جن کی لہروں کے ذریعہ سے آواز اور عکسی تصویریں ٹیلی ویژن میں آتی ہیں مگر فضا میں ان آنکھوں سے وہ نظر نہیں آتیں۔ ہمارے بدن کی قوت غاذیہ ونموّ اپنا کام کررہی اور ہمارا جسم بڑھ رہا ہے مگر ان آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ اسی طرح شجر بڑھ رہے ہیں لیکن ہماری آنکھیں ان کا ادراک نہیں کرتیں۔ تاروں میں برقی رَو اپنا کام کرتی ہے لیکن ہماری نظر سے اوجھل ہے۔ اچھا طبیب نبض اور قارورہ دیکھ کر حمل کا اندازہ کرسکتا ہے مگر دوسرے فن والا شخص اس راز کو نہیں سمجھ سکتا۔ دوستو! دنیا میں سب سے بڑا مرض خدا پہ بے یقینی ہے اللہ تعالیٰ پر یقین محکم پیدا کرو اور اس کے سچے نبی فخر دوعالم آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فرمان کو برحق سمجھو۔ علامہ اقبال سے کسی غیر مسلم نے پوچھا تھا کہ "آپ نے خدا کو کبھی دیکھا بھی ہے جس پر آپ کا یقین ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "خدا کو تو میں نے دیکھا نہیں لیکن دنیا میں صرف ایک ہی ہستی ایسی ہے جس کی ذات پر مجھے پُورا پورا اعتماد ہے اور میرا دل اس ذات مقدس کے ہر فرمان پر اور ان کے رب پر محکم یقین وایمان رکھتا ہے اور میں

ان کے ارشاد پر عمل کرنے کو ذریعہ نجات سمجھتا ہوں وہ ہستی آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے۔

پھولوں کے تبسم پہ نہ تاروں کی ضیا پر   رحمت میرا ایماں ہے محمدؐ کے خدا پر

یہ بھی غور فرمائیں کہ انسان کو اپنے حقیقی باپ کی پہچان اپنی ماں کے کہنے اور یقین پر ہوتی ہے اور اس کی بنیاد مشاہدے پر نہیں ہوتی۔ اگر کوئی ملحد (دہریہ) اپنی ماں کے کہنے پر یقین نہ کرے تو اس کے پاگل پن کا کیا علاج ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ انسانی حواس و عقل محدود ہیں۔ یہ خدائے کائنات کا ادراک نہیں کر سکتے۔ لیکن خدا کو ان سب کا ادراک ہے۔ خدا کے وجود کی دلیل خود اور تنہا ذات باری ہے اور اس میں عقل کا صرف دخل ہے جس قدر کوئی عقل مند اپنی ضرورت کے لیے رہنما کا محتاج ہو کیونکہ عقل مخلوق ہے عقل عبودیت کے لیے ایک آلہ ہے یہ اس لیے نہیں ہے کہ ذات خداوندی کی طرف جھانک کر دیکھ سکے عقل تو (صرف) دنیا کے گرد چکر لگا سکتی ہے مگر جب خالق دنیا کی طرف نگاہ اٹھاتی ہے تو پگھل جاتی ہے۔ جب خدا نے عقل کو پیدا کیا تو فرمایا میں کون ہوں؟ عقل خاموش رہی اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے وحدانیت کا سُرمہ لگایا۔ تب جا کر عقل نے آنکھیں کھولیں اور کہا تو خدا ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ عقل میں اس قدر طاقت نہیں کہ اللہ کی مدد کے بغیر اسے پہچان سکے۔ بس وہی شخص اللہ کو پہچان سکتا ہے جسے خود اللہ جل جلالہٗ اپنی معرفت عطا کر دے۔

من رامہ بالعقل مُسترشدًا   سرّحہ فی حیرۃٍ یلھو

جس کسی نے عقل کی رہنمائی کے ذریعہ اللہ تک پہنچنے کا قصد کیا تو عقل اسے حیرت میں سرگرداں کر دے گی

وشاب بالتلبیس اسرارہٗ   یقول فی حیرتہ ھل ھُو

یہ عقل اسرار خداوندی کو خلط ملط کر کے مشتبہ بنا دے یہاں تک کہ انسان حیرت زدہ ہو کر کہہ اُٹھے گا کیا خدا موجود بھی ہے؟ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تفکروا فی خلق اللہ ولا تفکروا فی اللہ فانکم لن تقدروا قدرہ۔ خدا کے بنائے ہوئے عالم فطرت پر غور کرو۔ مگر ذات باری میں فکر نہ کرو تم کو یہ قدرت نہیں کہ اُس کی قدرت کا اندازہ کر سکو۔ مشفق من۔ ہدایت ان لوگوں کے لیے ہے جن کے دل شک وشبہ سے پاک وصاف ہوں جو صدق دل سے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوں۔ بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ ہم بن دیکھے بغیر کسی شے کو کیسے مانیں

حالانکہ اللہ تعالیٰ کی شان ایک ذرے سے لے کر آفتاب تک جلوہ گر ہے صرف غور کرنے کی ضرورت ہے ایٹم ایک معمولی ذرہ ہے لیکن اس میں بھی بے پناہ قوت ہے اور ایٹم کا نظام کسی قاعدہ وکلیہ کے تحت میں ہے اور سائنس کا ہر نظریہ قیاس اور قیافے پر استوار کیا جاتا ہے اور سائنس تو پردہ غیب کے راز ہائے بستہ ظاہر کرتی ہے اور سائنس بھی غیب پر یقین رکھ کر آگے قدم بڑھاتی ہے اور سائنس نے بجلی پر کنٹرول حاصل کر لیا لیکن الیکٹرون اور نیوٹران کی حقیقت کو نہیں جان سکی۔ بجلی بذاتِ خود کیا ہے کسی کو بھی معلوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی پردہ غیب میں ہے لیکن غور کرنے اور دیکھنے والی آنکھ کو ایک ایک ذرّے اور ایک ایک پتّے میں اس کی جھلک نظر آتی ہے ؎

آتی ہے پھول پھول سے نکہت غفور کی — ہے ذرّہ ذرّہ میں اس کی ہستی کا سراغ

## پُر اسرار کائنات

جہاں تک وجود ذات باری تعالیٰ کے موجود ہونے کا تعلق ہے اس کا سب سے پہلا ثبوت نظام کائنات میں ہی ملتا ہے۔ ایک ایسی کائنات جس میں مختلف فطرتی قوتیں ایک ضابطہ کے تحت کام کر رہی ہیں۔ ہر چیز میں ایسا نظم وضبط اور باقاعدگی ہے اس کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کہ نظم وضبط کسی ناظم کے بغیر بھی مکمل ہو سکتا ہے جس کائنات میں ہم رہتے ہیں اور جو چیزیں اس میں پیدا کی گئی ہیں جمادات، نباتات، حیوانات اور تمام کائنات کی اشیا جو ہیں۔ ان کا مادہ متحدالاصل ہے اور ہر شے کی خاصیّت یعنی فطرت اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون قدرت کے مطابق ان میں ودیعت کی ہے۔ ان موالید ثلاثہ میں مالک حقیقی نے اپنے ضابطہ کے مطابق مختلف شکلیں وخاصیتیں اور قوتیں عطا کیں اور ان کے وجود بقا ترقی اور تنزلی کے اسباب پیدا فرمائے۔ جن کو علل کہتے ہیں ان علتوں میں ربِ ذوالجلال نے ایک خاص ترتیب اور سلسلہ رکھا ہوا ہے۔ دنیا کی کوئی چیز اور کوئی واقعہ بغیر علت یعنی سبب کے وجود میں نہیں آتا۔ اور جو چیز کسی سبب سے ظہور میں آتی ہے اس کو معلول کہتے ہیں۔ اس علت ومعلول کا سلسلہ انتظام کو جس پر تمام مادی اور غیر مادی چیزوں کا وجود مبنی ہے اُن کو قدرت یا سُنّت اللہ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اس قانون میں کسی قسم کا کبھی تغیر وتبدل نہیں ہوتا لَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَحوِیلاً اور انسان کو تمام چیزوں پر برتری دی۔ یہ شرف وامتیاز انسان کو اُس کی عقلی واخلاقی قوت کے سبب سے حاصل ہوا۔ اور اسکی ذات میں اس امر کی استعداد اور قابلیت رکھی ہے کہ وہ اس عالم کے واقعات

کیفیات پر غور و تامل کر کے قوانین قدرت کا سراغ لگائے اور جو قوتیں ظاہری و باطنی اس کو فطرت سے ملی ہیں اُن کو قدرت کے مطابق کام میں لاکر انسانی کمالات کے اعلیٰ مدارج پر پہنچنے کی کوشش کرے۔ دوستو! اس کائنات کی مثال اس طرح ہے کہ یہ کائنات ایک ایسے شیش محل کی طرح ہے جس کی زمین کا فرش نہایت مصفیٰ شیشوں سے بنایا گیا اور پھر ان شیشوں کے نیچے پانی چھوڑ گیا جو نہایت تیزی سے چل رہا ہے۔ جب ہر ایک کی نظر ان شیشوں پر پڑتی ہے تو غلطی سے ان شیشوں کو بھی پانی سمجھ لیتی ہے اور پھر انسان ان شیشوں پر چلنے سے ڈرتا ہے جس طرح وہ پانی سے ڈرتا ہے۔ حالانکہ وہ درحقیقت شیشے ہیں مگر بلور کی طرح صاف اور شفاف۔ عزیزو! یہ تمہارے سامنے بڑے اجرام جو نظر آتے ہیں۔ آفتاب سے ذرہ ایٹم تک اور کل مخلوقات، سورج، چاند، ستارے، زمین۔ ان کے نیچے ایک اعلیٰ طاقت کام کر رہی ہے اور مخلوق پرستوں کی نظر کی غلطی ہے کہ ان ہی شیشوں کی طرف اس کام کو منسوب کرتے ہیں یہ گوناگوں عالم یہ رنگا رنگ کائنات یہ نیلگوں آسمان کی چھت۔ یہ تاروں بھری رات۔ یہ سورج اور چاند کی حسین و دلآویز روشنی۔ یہ رات اور دن کا اُلٹ پھیر اور اُن کی مقررہ رفتار اور کائنات کا نظم اور اس کے ذرہ ذرہ کا قاعدہ و قانون جو ایک قادر مطلق خالق عالم کی ہستی کا پتہ دیتا ہے۔ وہ کون ہے جس نے آفتاب کو تنور بنایا۔ وہ کون ہے جو سورج کو وقت کی پابندی سے حرکت میں لا رہا ہے۔ وہ کون ہے جس نے زمین کی ساری حرکت میں بندش رکھی ہے کہ ایک سیکنڈ کا فرق بھی پیدا نہیں ہوتا۔ صدیوں میں سیکنڈ کے کروڑویں حصے کے برابر بھی زمین کی محوری حرکت میں فرق نہیں آتا ہے۔ نہ ہی مداری حرکت میں۔ کائنات کا یہ منظم کارخانہ خداوند عظیم الخبیر کی کمال علم و حکمت کی نشان دہی کر رہا ہے اور یہ سب حق تعالےٰ کی صناعی کے کرشمے ہیں۔ یہ لاکھوں قسم کے جراثیم اور ہزاروں قسم کی گیسیں اور بے شمار سمعی و بصری ایتھر ریڈیو۔ ٹیلی ویژن جیسی لہریں اس فضا میں موجود ہیں جو ظاہری حواس سے محسوس اور معلوم نہیں ہوتیں۔ ارض و سماء کی یہ لامحدود عجیب و غریب صنعت اپنے معمار ازل صانع حقیقی کا پتہ دے رہی ہے۔ یہ قمر جس کا جسم کروی۔ کثیف اور اس کی سطح چکنی و چمک دار اور غیر روشن و تاریک ہے اور یہ چاند اپنی روشنی کا اکتساب سورج سے کرتا ہے۔ آئینہ کی طرح جب چاند پر آفتاب کی شعاع پڑتی ہے تو منعکس ہو کر زمین تک پہنچتی تو دنیا کو بقعۂ نور بنا دیتی ہے۔ کیا یہ سب کچھ اتفاق سے پیدا ہو گیا۔ ہرگز نہیں، دوستو، یہ تمام کائنات کی عظیم الشان مشین اور اس کے تمام پرزے کسی ایک زبردست مدبر و دانا ہستی کے

قبضہ و اقتدار میں اپنا اپنا کام کر رہے ہیں جس نے ہر پُرزے کو ٹھیک بنایا اور یہ تمام چیزیں اپنے خالق کی موجودگی کی علامت ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات کا خالق و مالک ہے اور وہ واحد الصمد ہے۔ اسی طرح ستاروں کا پورا نظام گردش بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اس زمین کو دیکھو اس کی سطح پھولوں اور پھلوں سے لدی ہے اور اس کی تہہ میں آب شیریں کی سوتیں بہہ رہی ہیں اور گز بھر زمین کے نیچے شیریں و کھارے اور تلخ پانی کے علیحدہ علیحدہ سوت جمع ہیں۔ اور زمین کی گہرائی سے سونا، چاندی۔ ہیرے جواہرات نکل رہے ہیں۔ وہ اپنی جسامت میں اگرچہ مُدوّر ہے لیکن اس کا ہر حصہ اس طرح واقع ہوا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ سطح پر فرش بچھا دیا گیا ہے۔ جس میں انگور کے باغ۔ غلے کی کھیتیاں۔ گُل ریز کیاریاں۔ کھجوروں کے جھنڈ پیدا ہو گئے ہیں۔ نباتات کو ملاحظہ فرمائیے، پتے پتے میں اللہ تعالیٰ کی نقش کاری۔ کلی کلی میں رنگ آمیزی کے جوہر دکھائی دیتے ہیں۔ پھر ان سبزیوں میں خواص کیونکر پیدا ہو گئے۔ حالانکہ ایک پانی ایک آفتاب و مہتاب اور موسم کے اثرات بھی ایک ہیں۔ پھر یہ کیا وجہ ہے کہ ہر بوٹی اور ہر سبزی کے مختلف رنگ و بُو۔ مختلف تاثیرات کی حامل ہیں۔ پھر وہ قیامت تک اسی نوعیت وحقیقت پر قائم رہیں گی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر یہ مادے کا ہی اثر ہوتا تو حنظل اور تربوز پر یکساں اثر ہوتا اور یہ زمین جس پر آتش فشاں پہاڑ اور اُبلتے ہوئے گرم پانی کے چشمے۔ پُرشور حسین آبشاریں جاری ہیں اور رنگ رنگ کے پہاڑ قائم ہیں جنھیں دیکھ کر رب ذوالجلال کی شان نظر آتی ہے۔ یہ سیب جو رُخ خوباں کی طرح چمک دمک رہا ہے اور انار کو کاٹ کر دیکھیے کس طرح ریزہ ہائے یاقوت کی طرح دانے ترتیب وار جڑے معلوم ہوتے ہیں غور فرمائیں کہ مختلف رنگ و ذائقہ اور بے مثل خوشبودار آم اور اناس و نارنج اور خربوزہ و تربوز جن کو بنظرِ امعان دیکھ کر خدائے حکیم الخبیر کی شان نظر آتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی صناعی ملاحظہ فرمائیں کہ اخروٹ کو سخت قسم کا پوست اور انسانی دماغ کی شکل کا نرم مغز عطا کیا اور کروندہ کو کنار کبیر جیسی شکل اور خوشنما دمکتے ہوئے یاقوتی رنگ سے مزین کیا اور پھر شانِ ربی دیکھیے۔ بیر اور عناب، چیکو اور آلو، ٹماٹر اور جاپانی پھل کی ایک جیسی شکل بنائی لیکن تاثیر الگ الگ بخشی۔ اور رس بھری۔ لیچی۔ پکودرا اور کیلے کی شکل جُدا جُدا پیدا کی۔ یہ بھی شانِ خداوندی ہے کہ بعض پھلوں کا مغز کام آتا ہے جیسا کہ بادام اور بعض اس کے برعکس جیسے کہ خرما۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون کے مطابق ہر ایک کی نوعی صورت علیحدہ علیحدہ مقرر فرمائی۔ نارنگی کا درخت خاص شکل اور ذائقہ و خاصیت

رکھتا ہے۔ اس کے برخلاف انجیر کا درخت صورت. مزہ اور افعال خواص اس سے جُدا. پھر ہر زمانے ہر دور میں مدار کے پودے میں آک کے ڈوڈے ہی لگتے ہیں آم کبھی نہیں لگتے اور سیب کے درخت میں سیب ہی لگتے ہیں نہ کہ زیتون. گندم سے گندم ہی پیدا ہوتی ہے. بعض درخت تو بڑے تناور ہوتے ہیں لیکن پھل بہت چھوٹا جیسے جامن اس کے برخلاف درخت چھوٹا مگر پھل بڑا جیسا کہ تربوز۔ اللہ تعالےٰ نے ان میں باہمی فرق و مراتب رکھا اور ہر نوع میں اُس کی استعداد کے موافق جُدا جُدا اور فطری خواص و قویٰ ودیعت کی اور پھر اللہ کی قدرت کا کمال مُلاحظہ فرمائیں کہ ہر ایک پھل کی ایک ظاہری شکل پھر اندرونی ساخت جو دیکھنے سے نظر آتی ہے پھر اس کے افعال و خواص کی تاثیر جو نظر نہیں آتی کہ وہ کس طرح اپنا عمل بدن میں کرتی ہے اور پھر اللہ کی کبریائی کا حیرت انگیز نمونہ دیکھیے کہ چھوٹے سے خشک مردا بیج (برگد پیپل) جو درخت کے اجزائے متفرقہ کا خاصہ و مجموعہ ہے اس سے بہت بڑا درخت جو اپنی موروثی نوع کے ساتھ کس طرح ظاہر ہوتا ہے اور حیرت کا مقام ہے کہ ایک پودے کو ایک ہی پانی دیا جاتا ہے . اور ایک ہی ہوائیں چلتی ہیں جس سے مختلف نوع کے درختوں میں پھل پھول اور پتّوں و شاخوں کی نمو ہوتی ہے اور جب درخت کی جڑ میں پانی دیا جاتا ہے تو کس طرح یہ پانی درخت (نارجیل) کی چوٹی تک پہنچ کر جمع ہو جاتا ہے. عزیزو! کیا یہ سب مادے کے ذاتی فعل ہیں؟ ہرگز نہیں. آپ غور و فکر کی عینک لگا کر کائنات کی فطرت کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا کہ یہ سلسلہ نظام عالم ایک قانون کلّی کے ماتحت چل رہا ہے اور ذرہ ذرہ میں خدائے قادر مطلق کی حکمت کاملہ اور حکمرانی نظر آئے گی. مقام حیرت ہے کہ سُورج مکھی کا پھول کیوں سورج کی طرف پھرتا ہے اور یہ لاجونتی کی پتّی کیوں مردانہ ہاتھ لگنے سے مرجھا جاتی ہے اور یہ بے برگ و بے اصل گیاہ آکاس بیل جس کی کوئی جڑ نہیں ہوتی. پھر وہ کس طرح اپنی نوع کو بڑھتی اور درخت سے اپنی غذا حاصل کرتی ہے. پھر خالق کی کمال قدرت ملاحظہ فرمایئے کہ یہ انگور اور کھجور جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ نباتاتی ارتقاء کی آخری منزلیں ہیں جس کے ڈانڈے گویا کہ حیوانی زندگی سے ملے ہوئے ہیں. یعنی کھجور کے درخت کو انسان سے خاص مناسبت ہے. جس طرح انسان مرد و عورت میں منقسم ہے اسی طرح یہ بھی نر و مادہ میں منقسم ہے اور اس کا تنا انسان کے قد کی طرح سیدھا ہوتا ہے اور انسانی سر کی مانند کھجور کا بھی سر ہوتا ہے. انسان کا بلند اگر کاٹ دیا جائے تو دوسرا پیدا نہیں ہوتا. کھجور کا بھی یہی حال ہے. اس

کے درخت کی کوئی شاخ کاٹ دی جائے تو دوبارہ نہیں نکلتی۔ اور جس طرح انسان کے سر میں مغز ہوتا ہے اسی طرح کھجور کا اُوپر کا حصّہ کاٹ دیا جائے تو درخت مرجاتا ہے اور انسانی نسل جس طرح قدرتی طریقہ سے پیدا ہوتی ہے اسی طرح کھجور پیدا ہوتی ہے کہ ہوا کے ذریعہ سے نر درختوں کا دھول اڑ کر مادہ درختوں پر پڑتا ہے تو مادہ درخت حاملہ ہو کر پھل دینے لگتا ہے اور نر درخت سے نر کھجور اور مادہ درخت سے مادہ کھجور پیدا ہوتی ہے اور شکر و نشاستہ یہ ہر دو اجزاء کھجور میں بہ درجہ کمال یعنی خشک میں پچاس فی صد تر میں ساٹھ فی صد شکر ہوتی ہے۔ سُبحان اللہ! یہ سب خدائے عظیم و جلیل کی صناعی کے کرشمے ہیں۔ اور پھر عزیزو اللہ تعالےٰ کی حکمت کو دیکھو کہ کسی ایک درخت کے ہی دو پتّوں کو اگر خوردبین سے دیکھا جائے تو ان کی ساخت جُدا جدا ہوگی۔ اور اللہ واحد کی شان ہے کہ صحرا کی ریت کے ذرّے ایک جیسے دکھائی دیتے ہیں لیکن خوردبین سے دیکھو تو ہر ذرہ کی حیثیت منفرد معلوم ہوگی۔ دوستو! یہ سب امور حق تعالیٰ کی غیر محدود علم و حکمت سے ناشی ہوتے ہیں اور اسی نے ہی ہر شے کے مناسب حال اور اس کی پیدائش بخشی پھر بتدریج اس شے کو اپنے کمالات مطلوبہ حاصل کرنے کے لیے راہ دکھائی۔ عزیزو! انسان سے لے کر تمام بحری و بری جانوروں اور پرندوں کی بناوٹ دیکھ کر خدائے خالق العلیم کی قدرت یاد آتی ہے۔ سمندر پر نظر ڈالو کہ اُس میں عظیم الجثّہ اور صغیر عجیب و غریب جانور اور جواہرات اور عنبر اشہب۔ مروارید۔ مرجان اور حیرت انگیز شکل کے حلزون پیدا فرمائے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی بلیغ حکمت پر نظر کرو کہ بیش قیمت موتی جس کو اللہ خالق حقیقی نے بڑی حکمت سے صدف کے اندر محفوظ طریقہ سے پانی میں رکھا اور اس کی حفاظت فرمائی اور حجریات و نباتات کے واسطے کی درمیانی کڑی مرجان کو پانی کے اندر پتھر کی چٹان کی تہ میں کس طرح پیدا فرمایا اور اس کی نگہداشت کا انتظام کیا۔ یہ سمندر اور دریا۔ ندی و نالے جن میں رنگ برنگی لاکھوں قسم کی مچھلیاں ہیں۔ کوئی چاندی کی طرح سفید براق، کوئی یاقوت کی مانند سُرخ۔ کوئی سونے کی طرح زرد۔ کسی کا قوس قزح جیسا خوشنما رنگ۔ بعض تو سمندر کی تاریک تہ میں ایسی نورانی مچھلیاں ہیں جن کے جسم سے روشنی نکلتی ہے وہ اپنی راہ کے لیے آپ روشنی کی مشعل ہیں۔ بعض مچھلیاں اللہ تعالےٰ نے ایسی بنائی ہیں جو سطح سمندر پر کافی دُور اڑ کر جا سکتی ہیں اور عنبری مچھلی جس سے عنبر اشہب جیسی بیش قیمت چیز حاصل ہوتی ہے اور یہ عجیب ترین جیلی فیش۔ ڈولفن

وہیل۔ صلور، جھینگا اور بام مختلف شکل و صورت کی مچھلیاں جن کو دیکھ کر رب العزّت کی حکمت و قدرت کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور یہ خوفناک سمندری تندوے اور خون خوار مگرمچھ اور دریائی گھڑیال وغیرہ اور دیگر عجیب و غریب و حیرت انگیز شکل کے آبی جانور جن کے مشاہدے اور غور و فکر سے صانع حکیم کی کاریگری کی داد دینا پڑتی ہے کہ اس نے کمال قدرت سے کیا کیا عجیبہ مخلوق پیدا فرمائی۔ پھر اللہ تعالےٰ نے سمندر کے مختلف حصوں کے پانی کا جدا جدا رنگ اور پھر یہ پانی کہیں کھارا کہیں تلخ اور کہیں شیریں پیدا کیا۔ پھر غور کریں کہ یہ پانی آپس میں مل نہیں سکتے۔ اور پھر قابل غور امر یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے سمندر کے کھارے پانی میں یہ حکمت رکھی ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کا پانی ضرور متعفن ہو جاتا اور زراعت کو نقصان پہنچتا اور سمندر میں رہنے والے جانور ہلاک ہو جاتے۔ دوستو! ذرا سوچو کہ قادر مطلق نے کس طرح عمل تبخیر سے سمندر کے پانی کو بھاپ کی شکل میں تبدیل کر کے بارش کی صورت پیدا کی پھر کس طرح بارش سے زمین میں نباتات کا سبزہ زار زمردیں فرش بنایا اور مٹی و پودے کے باہمی تعلقات سے حیات کی نمو ظاہر کی اور خاک کو پانی کے ذریعے سے چوسا کر پیچ دار پیچ نازک شاخیں سبز برگ اور جا بجا سرخ، گلابی، نیلے اور زرد۔ فیروزی، ارغوانی حسین کلھائے رنگا رنگ پیدا کیے اور پھر غور فرمایئے کہ کس طرح یہ نباتات اپنی مدت معین میں پھل پھول لاتے ہیں اور ہر ایک اپنی نوع کے مطابق پتے۔ صورت اور دل کش رنگت و لکیریں اور ریشے بن جاتے ہیں اور پھولوں میں رنگ آمیزی اور حسین و دلربا پنکھڑیاں، روح پرور خوشبو پیدا ہو جاتی ہے۔ اور پھر پودے کی ابتدائی زندگی سے انتہائی زندگی کے تغیرات بچپن، جوانی، بڑھاپا۔ پھر پک کر فنا ہو جانا یہ سب اللہ جل جلالہٗ کی گل کاری کی مصوری کے باکمال عجوبے ہیں جن کو دیکھ کر عقل حیران اور ایک خالق، صانع کے اعتراف پر مجبور ہو جاتی ہے اور اس عالم میں جو کچھ بھی ظاہر ہوتا ہے وہ سب رب قدیر کی مشیت ایزدی اور حکمت و مصلحت کے مطابق ظہور میں آتا ہے۔

برگِ درختاں سبز در نظر ہوشیار — ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

اور سمندر کے عجائب مد و جزر، سطحی اور زیریں ابال، پہاڑوں سی لہریں۔ برفانی پہاڑ جو قطب شمالی کے نزدیک تیرتے رہتے ہیں جن کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ دنیا ایک ایسے مدبّر کے زیر تدبیر ہے جو کمال قدرت اور علم و رحمت کے ساتھ متصف ہے۔

پرندوں کی خلقت پر غور کرو۔ ان کے پروں کو خدا نے لیے بانس کی طرح خول دار ہلکا بنایا تاکہ اڑنے میں آسانی رہے اور خدا نے ان کو اڑنے کی طاقت اور قدرت دی۔ اگر کوئی پکڑنا چاہے تو وہ اس کے ہاتھ نہیں آتے تیزی سے اڑ جاتے ہیں اور ان کے پنجوں میں قوت، چونچ میں تیزی اور ناخنوں میں نوک دی یہ ان کو چھری کا کام دیتے ہیں اور پوٹوں میں شدید حرارت پیدا فرمائی تاکہ سخت سے سخت چیز کو گلا کر ہضم کر دے اور عقاب کو حیرت انگیز قوت پرواز دی۔ اور دیکھنے اور سننے کے لیے اللہ نے ایسے بے مثل حواس عطا کیے کہ میلوں بلندیوں پر اپنے شکار کو دیکھ سکتا ہے اور اپنے جسم کا توازن قائم رکھ سکتا ہے اور ہوا کی موجوں کو چیرتے ہوئے شکار پر جھپٹتا ہے اور اس میں اُنس کا بھی اور ساتھ ہی اس کے برخلاف جذبہ غضب بھی ہے اور مالک کی فرمانبرداری اور اطاعت کی خُو غالب بھی ہوتی ہے اور حسب ہدایت کام کرتا ہے۔ باز کو دیکھیے جب شکار نظر آتا ہے تو شکاری اس کی پٹی کھول کر اسے اڑا دیتے ہیں۔ باز پہلے ہوا میں سیدھا اُوپر جاتا ہے اور پھر شکار پر سیدھا اس طرح لپکتا ہے جس طرح جیٹ طیارہ لپکتا ہے۔ یہ اللہ کی شان ہے کہ زاغ اور زغن کو نہایت تیز اور قوی قوت باصرہ عطا کی اور اس کے برخلاف چمگادڑ اور بوم راتوں کو مدھم روشنی اور ضعف بصر کی کیفیت دی۔ پھر چمگادڑ کو ملاحظہ فرمائیں کہ قدرت نے اس کو بے بال و بے پر بنایا لیکن پرندوں کی طرح اُڑتی ہے اور اس کا منہ بھی ہوتا ہے اور دانت بھی ہوتے ہیں اور یہ حیض لاتی ہے اور حاملہ ہوتی ہے اور دُودھ دیتی ہے اور اس کے بازو اور انڈے نہیں ہوتے پھر چمگادڑ، اُلّو، ابابیل صرف رات کو ہی نکلتے ہیں دن کو قطعاً نہیں نکلتے اور اللہ تعالےٰ نے بلبل کو خوشنوا اور قمری کو سوز و ساز کا نغمہ دیا اور مینا و طوطے کی منقار اور گلے کی نے کا محو کر دینے والا آوازوں کا سحر بخشا اور یہ مرغابی کے پروں کی نقاشی اور چکور کو چاندنی راتوں میں چاند سے محبت کی صفت سے نوازا۔ اور خدا نے نامہ بر کبوتر کو یہ صفت دی کہ سینکڑوں میل سے اسکو چھوڑیں تو فضا میں اُڑے گا اور اپنے مقام کا جائزہ لے گا اور پھر جلد ہی اپنے وطن واپس آجائے گا۔ اور چھوٹے سے بیا کو دیکھیں کہ اس کو عجیب و غریب کاری گری یعنی ریاضی کے قاعدہ سے گھونسلہ بنانے کی سوجھ عطا کی ہے۔

دوستو سوچو! کہ کیا یہ سب چیزیں خود بخود پیدا ہو گئیں اور ان میں جو طاقت اور اثر یا خوبی

کی صفت ہے وہ ان کی اپنی ذاتی ہے اگر بہ نگاہِ عمیق اور بہ نظر دیانت دیکھا جائے تو یقیناً آپ کو ماننا ہی پڑے گا کہ ان کو پیدا کرنے والا ہے اور وہ وہی ہو سکتا ہے جس کی طاقت و قدرت کی کوئی انتہا نہ ہو۔ گرگٹ کو دیکھو کہ ہر موسم میں اپنا رنگ بدلتا ہے اور کئی کئی ماہ تک خوراک کے بغیر زندہ رہتا ہے۔ مکڑی کے جالے کو ملاحظہ فرمائیں جس کی ایک تار درحقیقت ۴ ہزار تار کا مجموعہ ہوتی ہے اور جس مسالے سے مکڑیاں جالا بُنتی ہیں وہ لیس دار گوند کی مانند ہوتا ہے جو مکڑی کے پچھلے اعضاء کے غدودوں سے خارج ہوتا ہے۔ پھر جالے کو دیکھیں، پہلے مرکز میں اس لیسدار مادہ سے ایک چھوٹا سا دائرہ بناتی ہے اور پھر اس کے گرد اور دیگر دائرے بناتی جاتی ہے اور اس مکڑی کی آٹھ ٹانگیں اور آٹھ ہی آنکھیں ہوتی ہیں اور جالے والی مکڑیاں بہت زیادہ انڈے دیتی ہیں، جن کی تعداد سات یا آٹھ ہزار ہوتی ہے۔ شہد کی مکھی کو دیکھو جس میں تعمیر و تجسّس کی منظم قوت حیرت انگیز موجود ہے جس سے حکمتِ بالغہ کا پتہ چلتا ہے کہ کس طرح یہ مکھی لاکھوں پھولوں، پھلوں اور پودوں سے رس چوس کر بڑی محنت سے کیمیاوی طریق پر شہد بناتی ہے جس میں بہت سی بڑی بوٹیوں کا اثر بھی شامل ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے شہد میں بیماریوں کے لیے شفا رکھی ہے۔ شہد کو حاصل کرنے کے لیے مکھیوں کو میلوں دُور پھولوں کی تلاش میں سفر کرنا پڑتا ہے۔ پھر شہد کے چھتّہ میں تین طرح کی عملی اعتبار سے مکھیاں ہوتی ہیں۔ ملکہ، کارکن اور نکھٹو۔ پھر ان کے علیحدہ علیحدہ فرائض ہوتے ہیں۔ ملکہ کا کام صرف انڈے دینا اور کارکن کا کام چھتّہ بنانا اور شہد جمع کرنا۔ نکھٹو نر ہوتے ہیں۔ سبحان اللہ کیا نظم ہے اور یہ حکمت و دانشمندی سوائے خدا کے کون ان کو دیتا ہے۔ اور اس چھ پایہ ہوائی جہاز ٹڈی کو ملاحظہ فرمائیں کہ کس طرح چند منٹوں میں ہرے بھرے اور لہلہاتے ہوئے سبز کھیتوں کو چٹ کر جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی صفات کمال کی شان دیکھیے کہ بیر بہوٹی کو ملائم مخمل جیسا بدن دیا اور عمدہ سُرخ نیشاپوری لعل کی مانند رنگ بخشا اور ذرا چیونٹی کو ملاحظہ فرمائیں کہ اس کے دماغ کا حجم سُوئی کی نوک سے بھی کم ہوتا ہے لیکن مادے کے اس چھوٹے سے عصبی ذرّے میں احساس و ادراک، محنت و استقلال، ترتیب و تناسب، نظم و ضبط صنعت و اختراع کی ساری قوتیں مخفی ہوتی ہیں۔ عزیزو! خدا کی صنّاعی کی تخلیق پر غور کرو کہ یہ کتنے تعجب کی بات ہے کہ دانا خشخاش سے بھی بہت چھوٹا ننھا سا کاغذی کیڑا جس کا سر، دہن، آنکھیں اور پیٹ، پاؤں اور

تمام اعضا رکھی ہوتے ہیں وہ کیسے تیزی سے بھاگتا ہے اور اسے خالق کُل نے کیسا بنایا اور خدائے لطیف الحکیم کی نہ نظر آنے والی یہ ننھی سی زندہ مخلوق جراثیم جو ایک قطرۂ آب میں ایک ارب کے برابر سما سکتے ہیں اور اگر یہ چھوٹے چھوٹے جراثیم بیس ارب کے برابر باہم ملا کر وزن کریں تو تقریباً ایک دانہ خشخاش کے برابر ہوتے ہیں۔ دوستو! میں کیا کیا عرض کروں ہم خود ان چیزوں کو روزانہ دیکھتے اور استعمال میں لاتے ہیں کبھی کبھی ان پر حیرت بھی ہوتی ہے لیکن شاید زندگی بھر میں ایک بار بھی ان پر غور کیا ہو کہ ان چیزوں کی ابتدا کیسے ہوئی اور کیوں ہوئی اور کب ہوئی۔ کیا یہ بزم عالم کی تمام آرائش کسی وقت محض بخت واتفاق سے ہوئی؟ بھائیو! یہ بات ہرگز نہیں یہ تو خدائے خالق العلیم کی حکیمانہ صنعت کا نتیجہ ہے جو تمام کائنات کا مالک وخالق ہے اور بے مثل ہے، اور اللہ تعالیٰ کے نور سے تمام موجودات کی نمود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں میں مختلف طبیعتیں اور مختلف حکمتیں اور صفتیں رکھی ہیں۔ گوشت خور جانوروں کی تخلیق پر غور کرو کہ ان کے دانت اور داڑھیں کیسی تیز اور دھار دار بنائی ہیں اور قدرت نے ان کا منہ کشادہ، اور ہاتھ پاؤں میں تیز قسم کے ناخن اور پنجے بنائے کہ موقع پر وہ شکار کو قابو میں لا سکیں اور ان کو چیر پھاڑ کر اپنی خوراک بنائیں۔ اور جن کی خوراک قدرت نے نباتات بنائی ان کے پاؤں میں سخت گول گڑھے دار کھر عطا کیے کہ زمین پر اپنے قدم پوری طرح جما سکیں، اور سواری اور بار برداری میں اپنے قدموں کو مضبوطی سے زمین پر قائم رکھ سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے شیر ببر کو جانوروں کا بادشاہ اور انتہائی درجے کا طاقت ور بنایا جو دریا میں سیدھا تیرتا ہے اور اس کے جسم کا اگلا حصّہ پچھلے حصہ سے زیادہ بھاری بنایا اور گردن کی ایال کے باعث بڑا خوفناک دکھائی دیتا ہے اور شکار کو پنجوں سے پکڑ کر تیز ناخنوں سے آنِ واحد میں چیر پھاڑ ڈالتا ہے اور آواز رعد کی طرح گرجدار ایسی کہ جس سے زلزلہ جیسی حالت پیدا ہو جاتی ہے یہ کبیر الجثہ فیل جس کو قدرت نے ہیبت ناک اور کوہ پیکر بنایا اور دو سنگ مرمر جیسے دانت اور اژدھا جیسی عجیب وغریب تیز قوت حس والی سونڈ عطا کی جس سے وہ ہاتھوں کا کام لیتا ہے یہاں تک کہ سوئی کو بھی اٹھا لیتا ہے اور اسی سے ہی کھاتا پیتا اور سانس لیتا ہے۔ ہاتھی کے اندر اللہ نے ایک اور صفت بھی رکھی ہے کہ اس میں نقالی کا مادہ ہے اور وہ مہاوت کے اشاروں پر حیرت انگیز کام کرتا ہے اور معرکہ جنگ میں اپنی ہیبت

آواز چنگھاڑ سے دشمن کے دل برداشتہ کرتا ہے۔ گینڈے کی ساخت پر غور فرمائیں ہم ہاتھی جیسا۔ پتھری چٹان جیسی کھال تہ در تہ۔ شکل خوفناک۔ ٹانگیں چھوٹی اور بھاری۔ نیچے سے چوڑی و نوک دار، آنکھیں اور دُم بہت چھوٹی ہوتی ہیں اور پیشانی کے اوپر ایک نوک دار سینگ ہوتا ہے جس سے دشمن کا مقابلہ کرتا ہے۔ یہ گھوڑے کے مثل حیوانی زیبرے کو اس کی پشت کے قالین نما خدوخال دیئے اور سب جانوروں سے زیادہ بلند لمبی گردن والا افریقی شتر نما زرافہ جس کو قدرت نے دھاری دار کھال سے نوازا۔ اونٹ کو دیکھیں جس میں اللہ تبارک تعالیٰ نے عجیب وغریب خوبیاں رکھ دی ہیں۔ اس کی پشت پر کوہان ایک بھی اور دو بھی ہوتے ہیں۔ جب سفر میں پانی نہیں ملتا تو یہ کوہان کی چربی کے ذخیرے کو کام میں لاتا ہے۔ اور اپنی پیاس بجھاتا ہے اور بغیر پانی پیئے کئی کئی دن زندگی گزار سکتا ہے اور جب پانی مل جاتا ہے تو اتنا پی جاتا ہے کہ کئی کئی روز کام دے سکے اور زبان ایسی سخت کہ کانٹے بڑی خوشی سے کھاجاتا ہے اور حافظہ اتنا اچھا کہ ایک دفعہ راہ دیکھ لے تو برسوں تک نہیں بھولتا۔ اور گھوڑے کو اللہ تعالےٰ نے حیوانیت کا مظہر اُتم بنایا اور زبردست قوت دی جو گھمسار معرکوں میں بے تکلّف گھس جاتاہے اور گولیوں، تلواروں، سنگینوں کے سامنے بھی سینہ نہیں پھیرتا اور وفادار اتنا کہ مالک پر جان دیتا ہے۔ خدائے کبیر و قدوس نے کتّے کو صبر اور وفاداری کا مادہ دیا کہ وہ کئی کئی وقت بھوکا و پیاسا رہ سکتا ہے مگر مالک سے جُدا ہونا پسند نہیں کرتا اور اُس کے اشارے پر بڑی جاں نثاری سے شکار کرتا ہے اور اس کو اپنے اور عزیزوں کو پہچاننے کی قوت دی اور اچھے اور جرائم پیشہ لوگوں میں فرق کرتا ہے کہ اللہ نے اسے سُراغ رسانی کی قوت عطا کی کہ راستے پر چلنے والے شخص کی بُو سونگھ کر جانے والے کا کھوج لگا لیتا ہے۔ رینڈیر کو برف پر دوڑنے کی قوت دی اور لُومڑی کو چالاکی اور مکر و فریب سے اپنا مقصد پورا کرنے کی فطرت عطا کی اور سانپ اور نیولے کی فطرت میں باہمی دشمنی کا مادہ ودیعت کیا۔ اس انسان نما بندر کو دیکھو جو باعتبار ارتقاء انسان سے صرف ایک درجہ پیچھے ہے جو انسان کی طرح ہنستا اور خوش ہوتا ہے۔ طرح طرح کی انسانی نقلیں کرتا ہے اور انسانی ہاتھ کی طرح اس کے ہاتھ کے جوڑ اور ناخن ہوتے ہیں جن سے وہ انسان کی طرح چیز کو ہاتھ سے پکڑتا ہے اور جو جو بات سکھاؤ سیکھ جاتا ہے۔ یہ دُم دار اور بے دُم

ہوتا ہے اور اس کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ بن مانس۔ لنگور۔ چمپانزی۔ گوریلا مشہور ہیں اور بندر کی غیرت کو ملاحظہ فرمائیں کہ بندر نہ تو اپنی مخصوص بیوی (بندریا) کے پاس دوسرے بندر کو آنے دیتا ہے اور نہ دوسرے بندر کی بیوی کے پاس خود جاتا اور نہ دوسری کی رغبت کرتا ہے مگر بتعجب کا مقام ہے کہ مریدان ڈارون اپنی کلبوں میں رقص و سرود کی محفلیں جماتے ہیں۔ اور مرد و زن مے نوشی کرتے ہیں جس سے ایک دوسرے کی کوئی تمیز نہیں رہتی۔ گویا کہ اتنے ترقی یافتہ ہو گئے ہیں کہ اپنے آباؤ اجداد کی غیرت کو بھی بھول گئے اس نئی تہذیب کو کیا کہا جائے جس نے انسان کو پھر سے بندر بنانا شروع کر دیا ہے۔ دوستو! اس کائنات کے مادے کا عمل ارتقائی اس کا ذاتی عمل نہیں ہے بلکہ یہ اشیاء میں عمل ارتقائی خدائی ہے اگر مادے کا اپنا ذاتی فعل ہوتا تو یہ بندر کب کا انسان بن گیا ہوتا۔ مگر یہ حیوان کا حیوان ہی رہا۔ کیونکہ مادہ تو ایک بے حس و حرکت اور بے شعور شے ہے۔ عزیزو! اس کائنات کا مالک و خالق اللہ جل جلالہٗ ہے جس نے مادے میں باقاعدہ نظم اور زندگی عطا کی اور وہ خالق ایک ہی ہے جو علم کُل رکھنے والا ہے اور وہ اپنی مخلوق کی ہر وقت نگہبانی کرتا ہے۔ جس کو الہامی کتابیں خدا کہتی ہیں۔ جو ربّ کائنات ہے۔ ہر مصنوع کی حالت صانع کی حالت کا آئینہ ہوتی ہے۔ یہ تمام عقل کو حیران کرنے والی صنعتیں و کمالات بدلیعہ ایک قادر و عظیم و خبیر کے وجود صفاتِ کمال پر روشن دلیل ہے۔ خود انسان خداوند کریم کی حیرت انگیز مشین ہے۔ دیکھیے! دنیا میں کروڑہا انسان بستے ہیں مگر سیرت و صورت اور صوت میں ایک دُوسرے سے نہیں ملتے اور انسان کی انگلیاں اور انگوٹھے کے خطوط جن سے ان کی شناخت ہوتی ہے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ مٹی سے انسان کی پیدائش پھر ان میں مرد و عورت کا ہونا اور ان کے درمیان مہر و محبت کے جذبات کا ہونا اور پھر انسان کے اعمال اور پھر منی کے ایک حقیر قطرہ کا اللہ کے حکم سے از خود تقسیم در تقسیم ہونا پھر مختلف رنگ، قوام اور شکل و شباہت کے اعضا میں ان کا تبدیل ہونا اور پھر مختلف اوقات میں کام کرنا کیا یہ مادے میں باقاعدگی اور نظم و زندگی خود بخود وجود میں آ گئی۔ ہرگز نہیں، بلکہ یہ ربّ ذوالجلال کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ دوستو! ذرا خیال تو کرو کہ کس طرح نطفہ سے علقہ (جونک نما)، بنایا اور علقہ سے مضغہ (گوشت کا پارہ)، پھر اس پر ہڈیوں کا ڈھانچہ پیدا کیا اور ڈھانچے پر گوشت کی تہ

چڑھادینا اور قوتِ مغیرہ اولی و قوت مصوّرہ کا نطفہ اور جنین میں اپنا کام کرنا اور پھر دفعتہً زندگی کی روح پیدا ہونا جس سے ایک مخلوق پیدا ہوئی۔ پھر اس میں علم و حواس کے حیرت انگیز آلات کا پیدا ہوجانا جس سے انسان کے دل و دماغ میں عقل اور علم و حکمت کے چراغ روشن ہوئے سبحان اللہ انسان صانع عالم کی کیا عمدہ احسن صنعت ہے۔

زابر افگند قطرہ سوئے یم　　　　زصُلب آورد نطفہ در شکم
ازاں قطرہ لؤلؤئے لالہ کند　　　　وزیں صورتے سرو بالا کند

ہرایک عضو جس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے اسی اعتبار سے اس کی شکل بھی دی گئی ہے اُس سے بہتر شکل ممکن نہ تھی جس جگہ فٹ کیا گیا ہے اس سے موزوں تر جگہ کا تصوّر بھی نہیں ہوسکتا۔ ڈھانچہ، دماغ، چشم، ناک، آواز کا آلہ، زبان، معدہ وجگر، لبلبہ دل، گُردے، غدود، جلد، اعصابی نظام، دورانِ خون ہرایک پُرزہ وہ حیرت انگیز کمالات دکھارہا ہے کہ عقل دنگ ہوکر رہ جاتی ہے۔ ہڈیاں گنی چُنی ہیں۔ ہرہڈی کا علیحدہ علیحدہ مقصد ہے۔ یہ دماغ جو حس وحرکت کا منبع ہے اور قوّت حافظہ اسی کا کرشمہ ہے۔ اسی کے نہاں خانہ میں ہزاروں شکلیں اور خاکے محفوظ ہیں۔ ذرا اشارے سے وہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتے ہیں۔ اور کیا کسی کے لیے ممکن ہے کہ وہ دماغ کی اس صلاحیت کی کوئی توجیہہ پیش کرسکے کہ وہ مشکل مسائل کی عقدہ کشائی کس طرح کرلیتا ہے۔ یہ آنکھیں جن کی بناوٹ بالکل کیمرے کی مانند ہوتی ہے۔ جس طرح کیمرے کے سامنے کی طرف ایک لینز اور پیچھے حساس پلیٹ ہوتی ہے آنکھ میں بھی سامنے ایک عدسہ اور پیچھے پردہ شبکیہ۔ پھر دیکھیے آنکھیں دو ہیں لیکن چیز ایک نظر آتی ہے

مبتلائے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ　　　　کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

یہ کان جس سے سننے کا یہ کام کتنی حکمتوں کے ساتھ ٹیلی فون کی مانند ترتیب دیا ہوا ہے اور یہ زبان جو لذّت کا مزہ چکھنے کے لیے بنائی گئی ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ بات کرنے میں دل کی ترجمان بھی ہے اور یہ حلق جس میں ہر قسم سازوں کے راگ اور آواز کے زیروبم کو محفوظ رکھنے والے تار سب اس میں موجود ہیں۔ آواز کی شیرینی اور گرمنگی کا پورا سامان بھی موجود ہے۔ ناک جو سُونگھنے کا آلہ ہے ہر قسم کے پھول گلاب۔ گل یاسمین، موتیا اور عطر حنا وغیرہ کا سب ہیں

جُداگانہ لذت کا احساس کرنا اسی عضو کا کرشمہ ہے۔ یہ دل جو قدرت کا عجیب وغریب پمپ کی طرح عضو ہے جو کبھی نہ تھکنے کا اور نہ رکھنے کا ارادہ کرتا ہے اور یہ مصروف ترین عضو اور نازک ترین جسم خون کو تیزی کے ساتھ حرکت میں رکھنا اسی عضو کا کام ہے اور زندگی کی پوری خوشیوں اور غموں کا منبع ہے اور تمام بدن کا بادشاہ اور زندگی کا برقی مرکز ہے، حسن آئینہ حق اور دل آئینہ حسن ہے، اور معدہ غذا کو ہضم کرتا ہے۔ جگر خون پیدا کرتا ہے۔ گردے فضلہ کو صاف کرنے والی چھلنیوں کا کام کرتے ہیں۔ لبلبہ جو ایک رطوبت پیدا کرتا ہے جس سے خون میں شکر کا توازن قائم رہتا ہے اور اس رطوبت کے نہ ہونے کی وجہ سے ذیابیطس کی بیماری پیدا ہوتی ہے اور یہ انسانی جسم کے غدد حیرت انگیز طریق پر اپنی خدمت سرانجام دے رہے ہیں دیکھیے اگر ابتدائی زندگی میں غدہ قشر فوق الکلیہ میں رسولی پیدا ہو جائے یا کسی وجہ سے بڑھ جائے تو غیر طبعی طور پر بچے جلد بالغ ہو جاتے ہیں اور جنسی افعال بہت تیز ہو جاتے ہیں۔ اگر لڑکیوں میں ایسا ہو تو وہ بہت جلد بالغ ہو کر ان کے چہرے پر داڑھی اور مونچھیں پیدا ہو جاتی ہیں اور ان کی آواز مردوں جیسی ہو جاتی ہے اور ان میں مردوں جیسے خصائل پیدا ہو جاتے ہیں اگر غدہ درقیہ کو بچوں میں سے نکال دیں یا وہ سکڑ کر چھوٹی ہو جائے تو ایسے بچوں کے دماغ اور جسم کا بڑھنا کم ہو جاتا ہے یا رک جاتا ہے اور اس کا سر چھوٹا، دماغی قویٰ ناقص اور تمام بدن کے اعضا اپنی طبعی مقدار سے کم رہ جاتے ہیں۔ ایسے بچوں کو پنجاب میں دولہ شاہ کا چوہا کہتے ہیں گویا کہ اس گلٹی کی رطوبت قوت غاذیہ اور قوتِ نامیہ پر اثر انداز ہوتی ہے اور یہ بھی خدائے حیّ وقیوم کی حکمت ہے کہ اگر وہ ان دونوں قوتوں کے عمل کو بدن انسانی سے روک لے اور حرارت غریزی کو بدن میں جاری رکھے تو انسان ہزاروں سال زندہ رہ سکتا ہے[1]۔ اگر ابتدائی عمر میں غدہ نخامیہ کے اگلے حصے کے لوتھڑے کی رطوبت زیادہ پیدا ہونے لگے تو ایسے انسان کا قد سات آٹھ فٹ لمبا ہو کر دیو ہیکل بن جاتا ہے۔ اگر بنظر عمیق دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ خدائے عظیم وبرتر کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ فعل الحکیم لا یخلوا عن الحکمۃ، اور کائنات میں سب سے بڑے جرم آفتاب سے لے کر سب سے چھوٹے ذرہ ایٹم تک اور جو کچھ بھی اس عالم میں ہے کسی کو بھی اللہ تعالیٰ نے بے مقصد پیدا نہیں فرمایا۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ۔

---

[1] اصحاب کہف وحضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ پر غور کریں۔

پھر انسانی جسم کی جلد کو ملاحظہ فرمائیں کہ اس پورے نظام کو جلد کے دوہرے غلاف میں ڈھانپا گیا ہے۔ اوپر کی تہ جسم کی حفاظت کرتی ہے اور اندرونی تہ میں خون کی نالیاں اور حسِ لامسہ کی تاریں ہیں اور جلد کے اوپر مسامات بنے ہوئے ہیں یہ چھوٹے چھوٹے سوراخ ایسی حکمت سے بنائے گئے ہیں کہ پانی میں ملی ہوئی جسم کی غلاظتیں پسینہ بن کر ان کے ذریعے سے باہر نکلتی ہیں مگر باہر سے ایک قطرہ آب کا اندر نہیں جا سکتا۔ گھنٹہ بھر پانی میں کھڑے رہیے مگر جلد پانی جذب نہیں کرے گی۔ پھر یہ اعصابی نظام کا عجیب و غریب جال جو اب تک انسانی فہم پوری طرح نہیں سمجھ سکا کہ کس صانع کی صنعت ہے کہ انسان میں قوتِ گویائی ہے مگر نوعِ حیوانی اس سے محروم ہے لیکن صوتی اعصابی آلات دونوں میں موجود ہیں پھر دونوں نوع کے اعصاب میں قوتِ سماعت و قوتِ احساسہ اور مدرکہ و محرکہ رکھی گئی ہے کیا یہ بنانے والے کا تدبر نہیں ہے؟

آپ بنظرِ عمیق دیکھیے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ قوانین ربی اور مشیت ایزدی کے تحت پابندِ تقدیر ہے وہ اپنے فطرتی اثر کے مطابق ہر ذرہ الگ الگ اپنا پُر حکمت کام سرانجام دے رہا ہے جمادات کو ملاحظہ کریں۔ مقناطیس میں لوہے کو اور کہربا شمعی میں گھاس کو کھینچنے کی قوت ہے۔ سفید سوہاگہ اور سم الفار ہم شکل ہیں مگر تاثیر علیحدہ علیحدہ۔ سوہاگہ تولہ بھر کھالو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ سفید سنکھیا دو رتی کھانے سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ نباتات میں سے گڑ مار بوٹی تھوڑی سی چبانے سے زبان کی مٹھاس کا مزہ زائل کر دیتی ہے سیروں گڑ کھانے سے بھی شیرینی کا ذائقہ معلوم نہیں ہوتا۔ پھر فطرت کا کمال مُلاحظہ فرمائیں۔ مرغی کا بچہ بیضے سے نکلتے ہی دانہ چُگتا ہے اور کبوتری کا بچہ ماں کا محتاج ہے مگر مکّہ میں چھوڑ دو تو بغداد پہنچ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے پُر حکمت رازوں کو سمجھنے کے لیے غور و فکر کی ضرورت ہے۔ دیکھیے، بچوں کے شیر خواری کے زمانہ میں دانتوں کا نہ ہونا (تاکہ دودھ بطور غذا استعمال ہو) اور پھر خام دانتوں کا نکلنا (تاکہ سخت غذا استعمال میں نہ آئے) اور جب معدہ سخت غذا ہضم کرنے کے قابل ہو جاتا ہے تو خام دانت آہستہ آہستہ گر کر مضبوط نکلنا اور پھر بڑھاپے میں جب کہ معدہ سخت غذا کو ہضم کرنے کے قابل نہیں رہتا تو دانت ایک ایک کر کے گر جاتے ہیں تاکہ انسان ہلکی غذا استعمال میں لائے اور غور فرمائیں کہ داڑھوں میں جو نشیب و فراز ہوتے ہیں وہ اُوپر کی داڑھوں میں نیچے کی داڑھوں

کے خلاف ہوتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم کسی چیز کو چبا نہیں سکتے تھے۔ کیا یہ عجیب و غریب صنعت کسی دانا کی تخلیق نہیں؟

آپ اپنی آنکھ کے بارے میں غور کیجیے جس کے ذریعہ سے زمین و آسمان کی ساری چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہ آنکھ ایک عجیب کیمرہ ہے۔ آنکھ کے بیچ ایک ننھا سا چھید ہے (مجوف عنبیہ) جس سے روشنی گزرتی ہے اس کے پیچھے محدب شیشہ سے ملتی جلتی ایک چھوٹی سی چیز ہے جس پر اشیا کا عکس پڑتا ہے۔ یہی وہ عکس ہے جس کے ذریعہ سے دماغ باہر کی چیزوں کو دیکھتا ہے۔ اس کے اندر ایک عجیب و غریب خاصیت ہے کہ پل بھر میں سکڑ کر موٹی اور آن واحد میں پھیل کر پتلی ہو جاتی ہے۔ اس کی اس خصوصیت کی بدولت نزدیک اور دُور کی چیزیں بلا تکلف دکھائی دیتی ہیں۔ اس طرح یہ عضو خوردبین، دُوربین، اور تصویر کش کیمرہ کے تین مختلف کام بیک وقت انجام دیتا ہے۔

عزیزِ من! غور کریں کہ آنکھ بذاتِ خود اس حقیقت پر شاہد ہے کہ یہ محض اتفاقیہ طور پر دیکھنے کا کام نہیں کرنے لگی۔ بلکہ اس کی ایک اپنی بناوٹ ہے جس میں اس سے دیکھے جا سکنے والی تمام رعنائیوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور اس کا مستقلاً دیکھنے کا کام کیے جانا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ دیکھنے کے لیے بن نہیں گئی بلکہ اس کام کے لیے بنائی گئی ہے اور اس کی پیدائش میں کسی دانا و حکیم کی دانش و بینش نے کام کیا ہے۔

کان مختلف آوازوں کو ایک نہایت حساس پردہ پر پہنچاتا ہے جو آوازوں کی لہروں سے کانپتا ہے۔ یہ تھرتھراہٹ ایک درمیانی راستہ طے کرتی ہوئی اعصاب میں تحریک پیدا کرتی ہے اس کے ذریعہ سے دماغ تمام آوازوں کو سنتا ہے۔ دماغ کا دیکھنے والا حصہ اس کے محسوس کرنے والے حصہ سے ملا ہوا ہے تاکہ آواز آتے ہی سب کچھ معلوم ہو جائے اسکی دانائی کے کرشمے ہر چہار طرف نظر آتے ہیں۔

کائنات میں ہر چیز کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہے آپ کسی چیز کو بھی بے مقصد قرار نہیں دے سکتے۔ کیا پیڑوں میں لگے ہوئے فواکہات کو دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کھانے کے لیے نہیں پیدا کیے گئے ہیں بلکہ وہ اتفاقی طور پر انسان کے لیے قابلِ انتفاع

ثابت ہو گئے ہیں۔ دوستو یہ زندگی محض ہمیں آخرت کی منزل تک لے جانے کیلیے دی گئی ہے۔ سچ ہے

وتزعم انک جرم صغیرۃ — وفیک انطوی العالم الاکبر

(تو اپنے آپ کو چھوٹا سا جسم خیال کرتا ہے حالانکہ تم میں بہت بڑا عالم سمایا ہوا ہے)

ایک ممتاز سائنس دان تو ذاتِ باری تعالےٰ کی ہستی پر پورا پورا یقین اور اسی کی ذاتِ واحد کو کائنات کا خالق و مالک اور مدبر و فرماں روا تسلیم کرتا ہے اور کائنات سے خدا کو جُدا نہیں سمجھتا اور وہ کائنات سے خدا کی ہستی کا پُورا پورا ثبوت مہیا کرتا ہے لیکن میں ان منکرانِ خدا فلسفی سائنسدانوں سے جو اپنی بے عقلی کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام کارخانۂ عالم مادہ اور اس کی طبیعت اور ایتھر کی حرکت سے چل رہا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا سائنس نے تمام کائنات کا معمہ حل کر لیا اور ہر شے کا مشاہدہ ہو چکا؟ یقیناً اس کا جواب نفی میں ہو گا۔ یہ تو ہو بھی نہیں سکتا۔ یہ ان کے دماغ میں ان کے ازلی دشمن شیطان نے غلط کلیہ کا نظریہ قائم کر دیا ہے۔ دیکھیے اگر کسی ناواقف کے سامنے مادہ منویہ کو رکھا جائے اور کہا جائے کہ یہ وہ چیز ہے جس سے ہم اور تم بنے ہیں۔ وہ کہے گا کہ اس میں نہ آنکھ ہے نہ کان اور نہ ہاتھ پاؤں۔ عقل نہیں مانتی کہ اس میں سے میں یا تم کیسے بنے ہو۔ بظاہر یہ اعتراض وزنی ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ اسی طرح منکر خدا مادہ پرست لوگ وزنی دلیل لائیں بھی تو وہ حقیقت پر مبنی نہ ہو گی۔ سوال یہ ہے کہ نُطفے کا ایک قطرہ جس میں تم زندگی کے بے شمار جراثیم دیکھتے ہو اور جو تمھارے نزدیک انسان کی تخلیق کا باعث ہیں۔ بتاؤ یہ جراثیم کہاں سے آ گئے۔ نطفہ میں قوت کہاں سے پیدا ہو گئی کہ ہوش و حواس رکھنے والا انسان اس سے وجود میں آ سکے۔ دوستو یہ خدائی نظام ہے وہی اس نظام کو جب چاہے بدل سکتا ہے۔ ایسے بے سمجھ سائنس دانوں کی مثال ایسی ہے کہ ایک سخی نے کسی بھوکے محتاج کو ایک بڑا منقش مکھن کیک کھانے کو دیا وہ اس کیک کی خوبصورتی اور شیرینی کو دیکھ کر اس کریم وسخی کو تو بھول گیا اور کیک کی تحقیق و جستجو میں پڑ گیا تاکہ کیمیاوی طریقہ پر اس کی شیرینی و لذت کی دریافت ہو سکے، تو دوستو۔ یہ تمام کائنات انسان کے لیے مسخر کر دی گئی ہے۔ ایسا سائنس دان نادان ہے جس نے اپنی ساری عمر عزیز تو دو چار مصنوعات کے پیچھے پڑ کر گنوا دی مگر صانع کا پتہ تک نہ چلایا! سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا۔ کہہ دو اگر میرے رب کی باتوں کو قلم بند کرنے کے لیے سمندر روشنائی بنا

دیے جائیں تو لکھتے لکھتے تمام سمندر خشک ہو جائیں گے مگر میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگرچہ اتنے ہی سمندر اور پیدا کر دیے جائیں۔

## علم و حکمت

سائنس قدرت کے نظام کی تفصیلات سے بحث کرتی ہے۔ مگر اس بات کو نظر انداز کر جاتی ہے کہ اس کائنات اور مادے کا خالق کون ہے اور یہ کائنات کیا ہے کس طرح وجود میں آئی اور اس عالم کے ابتدائی مادہ کے چھوٹے چھوٹے ذرات کہاں سے آئے اور ان میں حرکت و توانائی کیونکر پیدا ہوئی اور اس حرکت کا محرک کون ہے اور مادے میں مثبت و منفی برقی کہاں سے آئی اور پروٹون کے ساتھ نیوٹرون اور الیکٹرون کا تعلق کون سی قوت نے قائم کیا۔ مادہ تو کسی غیر مادی شے کو پیدا کر نہیں سکتا۔ کیونکہ مادہ تو بذات خود بے حیات اور بے شعور ہے اور انسان کیا اور اس کی تخلیق کا مقصد کیا ہے۔ مادہ پرست تو یہ بتاتے ہیں کہ مادہ حرکت میں ہے مگر یہ نہیں بتاتے کہ کیوں حرکت میں ہے۔ ابتدا میں یہ کہتے رہے کہ مفرد کا ذرہ لاتجزی بالحاظ جسم الگ الگ بھی ہے اور قابل فنا بھی لیکن اس پر بھی وہ قائم نہ رہ سکے اور پھر کہنے لگے جز ایٹم کا تجزیہ ہو گیا پھر مادہ اور برق کو ایک چیز کہنے لگے۔ لیکن جب برق کی ایک صفت کو مانا تو وہ غیر مادی نکلی یہاں پر ان کے ذہن رک گئے۔ کسی مسئلہ کے متعلق حکمائے یورپ نے جو رائے قائم کی ، آگے چل کر دوسروں نے اس رائے کو غلط قرار دیا۔ اختلاف کی اس دنیا میں عقل حیران ہے کہ کس کی رائے کو صحیح سمجھے۔ دوستو! سائنسدانوں اور فلسفیوں کی بات بدلتی رہتی ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کی باتیں بدلتی نہیں۔ یہ سب حضرت آدم ؑ سے لے کر آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مختلف زمانوں میں آکر اللہ تعالیٰ کی وحدیت اور اس کی عبودیت پر زور دیتے رہے۔ اہل فلسفہ کا یہ حال ہے کہ عقل کے اندھیروں میں کسی نے مادہ کو باشعور اور قدیم کہہ کر دل کو سکون اور مسئلہ کا حل کرنا چاہا لیکن نتیجہ ندارد۔ کسی نے ڈارون کے نظریہ ارتقاء کو روشنی کا مینار سمجھ لیا لیکن انسان فانی اور اس کے نظریات بھی فانی ہیں۔ ان نظریات سے نہ تو عقل کو سکون اور دل کو اطمینان ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس سے کچھ انسان کا شرف اور اعزاز سمجھ میں آتا ہے۔ دوستو! جو کچھ اس عالم کائنات میں ہے یہ سب خدائے خالق و

ناظم اور معمارِ ازل کی قدرت اور اس کے جمال وجلال کے کرشمے ہیں۔ آپ جتنا ہی زیادہ اس کائنات پر غور وفکر سے کام لیں گے اتنا ہی عقل آپ کو خدائے صانع مطلق کے ماننے پر مجبور کریگی ذات باری تعالیٰ کے متعلق مشہور نیوٹن سے کسی نے پوچھا کہ خدا کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا میں نے خدا کو نہیں دیکھا لیکن اگر انسان ساری کائنات اور اس کی بوقلمونیوں کو چھوڑ کر اپنے ہاتھ کے صرف ایک انگوٹھے کی طرف دیکھے تو خدا کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ آئن سٹائن اگرچہ یہودی تھا لیکن خدا کا منکر تھا اور نظریہ اضافیت اور ایٹم کا موجد تھا۔ اس نے کہا کہ میں خدا کو تو نہیں مانتا لیکن اس کا جواب تو میرے پاس بھی نہیں ہے کہ اتنی منظم اور حیرت انگیز کائنات وجود میں کیسے آگئی۔ اس یہودی سائنس دان کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ بصارت تو رکھتا تھا لیکن قدرت نے اسے بصیرت سے محروم رکھا اور ان ملحدین ڈاروِن کے ہم خیال بوزنہ زادوں سے ہم پوچھتے ہیں کہ دنیا کی تاریخ سے لے کر اس زمانے تک دنیا کے اسٹیج پر کوئی ایک ہی ناطق بندر پیش کریں جو انسانوں کی طرح گفتگو کرتا ہو اور جو انسانوں کی طرح دوسروں کے سوالوں کا جواب بھی دے سکے اور یہ بھی بتلایے کہ اب اس مادے کا ارتقائی عمل کیوں رُک گیا۔ اگر یہ سب کچھ مادے کے ارتقا ہی کا کرشمہ ہے تو اس عالم میں ہاتھی سے لے کر مچھر تک مادے میں حیات کے افزائش نسل کا نوعی نظم ونسق کیوں پایا جاتا ہے۔ بطخ کے بیضہ سے بطخ ہی پیدا ہوتی ہے مرغابی پیدا نہیں ہوتی اور طاؤس کے بیضے سے طلائی ونقرائی اور زمردیں رنگ کا عجیب وغریب نقش ونگار پروں والا مور ہی پیدا ہوتا ہے۔ کائنات کا یہ حیرت انگیز جامع نظام اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کارخانہ عالم کے نظم کو قائم ودائم رکھتا ہے جو حاضر وناظر ہے ہر جگہ موجود اور ہر چیز پر نگران ہے اگر یہ کائنات اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان نہ ہوتی تو ہزاروں بلکہ لاکھوں سیارے اور عالم کی تمام چیزیں اختلال کی ایک معمولی لہر سے تباہ وبرباد ہو جاتیں۔

عزیزو! ان ملحدین نے اپنے خالق ومالک خدائے عظیم القوی کو بھلا دیا جس کی سزا ان کو یہ ملی کہ وہ اپنے آپ کو بندر کی اولاد سمجھنے لگے۔ زمانہ حال کا ایک بہت بڑا برطانوی ریاضی دان فلسفی ملحد برٹرنیڈ رسل جس نے محض اس بنا پر خدا کا انکار کیا کہ مجھے اس سوال کا جواب نہیں ملتا کہ خدا اس کائنات کا خالق ہے تو (نعوذ باللہ) خدا کا خالق کون ہے۔ دوستو! شیطان ایسے فلسفیوں

کے دماغوں میں نئے نئے فلسفہ کے نام سے گمراہی کے سامان مرتب کرتا رہتا ہے ان فلسفہ دانوں نے اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے دائرہ میں شامل کر کے خود شیطان کے راستہ پر چل پڑے اور گمراہ ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیطان پہلے وہ دماغ میں سوالات کا ایک مرتب سلسلہ قائم کرتا ہے اور نہایت سادگی سے ایک غلط کلیہ ذہن نشین کر دیتا ہے جس میں بظاہر کوئی سقم نظر نہیں آتا۔ اس لیے شریعت نے راہ مختصر کر دی اور متنبہ کر دیا کہ اللہ تعالےٰ کی ذات کو عقل مشاہدہ نہیں کر سکتی اس کی ذات وصفات عقل سے بلند تر ہے (یہاں یقین کی راہ سے مقصود ملتا ہے) جہاں دعوت غور وفکر ہے وہ دائرہ مخلوق ہے خالق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا خالق ہونا بدیہی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اسی کو کہتے ہیں جو سب کا خالق ہو اور وہ کسی کی مخلوق نہ ہو پھر اس کے متعلق خالق کا سوال کرنا متناقص سوال ہے۔ مگر وسوسہ ایسی ہی باطل حقیقت کا نام ہوتا ہے۔ اس لیے معالج حقیقی نے مناظرہ کی راہ نہیں بتائی اور یہ شکوک وشبہات کی راہ ہے۔ جواب جاہلاں باشد خموشی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان تمھارے پاس آتا ہے اور کہتا ہے یہ چیز کس نے پیدا کی ہے اور یہ چیز کس نے بنائی ہے؟ یہاں تک کہ کہتا ہے اچھا تو تمھارے پروردگار کو کس نے پیدا کیا؟ جب یہاں تک نوبت پہنچے تو خدا کی پناہ لینا چاہیے اور اس کے ساتھ سوال وجواب کا سلسلہ ختم کر لینا چاہیے۔ دوستو! آج سائنسدانوں کے پاس بے شمار سوالوں کا کوئی جواب نہیں لیکن سائنس کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ مقام عبرت ہے کہ جب اس برطانوی ملحد کا حال ہی میں انتقال ہوا تو اس کی وصیّت کے مطابق اس کے گھر کے سامنے اس کی لاش کو جلایا گیا تو اس کے سوگوار اس وقت صرف آٹھ آدمی موجود تھے۔ یہ مادہ پرست جن کی نہ دنیا بنی نہ آخرت اور یہ مادہ پرست مادہ کی دلدلوں میں پھنس گئے۔ اللہ کے نیک بندوں کو دیکھو کہ ان کے مرنے کے بعد بھی ان کی مرقدوں پر رونق لگی رہتی ہے۔ ان ملحدین کے نزدیک نیک عمل کا کوئی صلہ نہیں اور وہ اس دنیا کی زندگی کو بے مقصد سمجھتے ہیں اللہ تعالےٰ اور آخرت کے منکر ہیں۔ ان کے نظریہ کے مطابق یہ کائنات اور جو کچھ بھی اس میں ہے مادہ وقوت خود بخود پیدا ہو گئے۔ ایک مسلمان کی ایک ملحد دہریہ سے بحث چھڑ گئی۔ ملحد نے کہا کہ دنیا خود بخود بن گئی اور آخرت کی زندگی اور خدا کچھ بھی نہیں۔ مسلمان نے کہا فرض کرو کہ ہم دونوں فوت ہو جائیں

تو تمہارے نظریہ کے مطابق ہم دونوں مٹی میں مل کر فنا ہو جائیں گے ہم تم دونوں برابر۔ لیکن اگر میرے عقائد کے مطابق سچ ہوا تو تیرا ٹھکانہ جہنم اور میری جگہ جنت الفردوس میں ہو گی۔ میں کامیاب ہوں گا تم ناکام۔ عزیزو! اسلام نے دین و دنیا کی صحیح رہنمائی کی۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ دنیا میں کروڑوں انسان ایسے بھی ہیں جن کے صرف خوف خدا کی وجہ سے نیک عمل اور بلند اخلاق ہیں اور ان کے وجود سے دنیا میں امن و سلامتی وابستہ ہے۔

دوستو! بھٹکنے والے بھٹکتے اور بھٹکتے رہے لیکن ڈھونڈنے والوں نے ڈھونڈا اور پانے والوں نے پالیا اور پاتے ہیں اور آج بھی پا رہے ہیں۔ کتنا سیدھا راستہ ہے نہ پیچ و خم نہ خار و خس نہ سنگلاخ چٹانوں کی بلندیاں جن پر چڑھنا مشکل ہو وہ راستہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والا راستہ ہے اور یہی دنیا اور آخرت کی زندگی کا کامیاب راستہ ہے۔ عزیزو! کائنات کے رازوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اگر عمر نوح بھی نصیب ہو تو اور ہم تمام عالم کا گشت ان بھیدوں کے معلوم کرنے کے لیے لگائیں تو بھی ہمیں اس جاہل عورت سے زیادہ علم نہیں ہو سکتا جس نے گھر کی چار دیواری سے کبھی قدم باہر نہیں رکھا۔ اور الف کے نام بے نہیں جانتی۔ اور بے سمجھ بچے کو خالقِ کائنات کے بارے میں کیا معلومات ہو سکتی ہیں۔ بھائیو! بن دیکھے اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر دوزخ و جنت اور غیب کی چیزوں پر ایمان لاؤ۔ یہ دنیا آزمائش گاہ ہے، عیش گاہ نہیں۔ خدا کو یہ آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ ان آنکھوں کا انتظار کرو جو مرنے کے بعد ملیں گی جس سے ہر غیب چیز کا پتہ چل جائیگا۔ فی الحال اللہ تعالیٰ کی ذات اور اللہ کی ماہیت کو سمجھنے کے چکر میں مت پڑو، اس کی صفات کو سمجھو اور وہ صفات اپنے اندر پیدا کرو۔ جہاں تک ممکن ہے۔ دوستو! سائنس کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ خدا کے مظاہرے قدرت کے مطالعے اور مشاہدے کا دوسرا نام ہے اور سائنس دانوں نے یہ کبھی دعوےٰ نہیں کیا کہ ہم نے ہر چیز کا علم کلی حاصل کر لیا۔ اور نہ وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ پھر کیوں برٹرینڈ رسل نے صرف ایک سوال کا جواب عقل میں نہ آنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ہستی کا انکار کر دیا۔ عقل تو معرفت توحید و معرفت حق کے لیے بعینہٖ اس چراغ کی طرح ہے جس پر آفتاب طلوع ہو کر اپنی روشنی ڈالے۔ معرفت تو اس بندے کو ہوتی ہے جس پر رب ذوالجلال کی عنایت ہو وہی دل کھولتا ہے اور وہی بند کرتا ہے۔ میرے

فیقو! سائنس کے پاس ان باتوں کا کوئی معقول جواب نہیں ہے کہ (۱) یہ جیتا جاگتا پمپ "دل" جو
جسم کا سب سے پہلے پیدا ہونے والا انتھک محرک پُرزہ ہے اور تا حیات اپنی ذاتی حرکت سے
بدن کو زندگی بخشتا ہے اور جو ایک انسانی سینے سے کاٹ کر دوسرے انسانی سینہ میں منتقل
کرنے اور اپنے اعصابی رشتے منقطع ہونے کے باوجود بھی زندہ اور حرکت کرتا رہتا ہے اس
کے محرک ہونے کا کیا سبب ہے۔ سائنس تو ابھی تک ایسا کوئی کھلونا نہ بنا سکی جو بغیر سبب کے
ہمیشہ حرکت کرتا رہے (۲) ایکس ریز کے ذریعہ سے بچے کے اعضاء سر، ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان،
ناک دیکھ سکتے ہیں مگر یہ نہیں بتا سکتے کہ ماں کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی۔ یہاں تک کہ انڈے کے
جوہر تناسلیہ کو کسی طرح دیکھ کر یہ حکم نہیں لگا سکتے کہ اس سے مرغا پیدا ہوگا یا مرغی (۳) خود انسان
اپنی جان ہی کو بتا نہیں سکتا کہ وہ کیا شے ہے۔ اگر انسان محض مادہ ہی ہے تو اس میں محبت و
شعور اور حافظہ کہاں سے آیا۔ اگر نفس مدرک کی خصوصیت علم ہے تو کیا مادہ یا اس کا کوئی حصہ
ٹکڑا بھی عالم ہو سکتا ہے (۴) مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے اور مقناطیس سے توت دیا ہوا لوہا
اکمپاس، ستارہ قطب کی طرف توجہ کرتا ہے مگر اس حقیقت اور تہ کو کوئی بتا نہ سکا کہ اس خاکی
اور اس ستارہ افلاک کی جو کروڑوں میل دور ہے باہم کیا الفت ہے اور کیونکر اسے اس کی جہت
کا شعور ہے۔ میرے عزیزو! اس طلسم کی کنجی سائنس دانوں کے ہاتھ نہیں لگی۔ یہ ایک کرشمہ ایزدی
ہے جس کو سمجھنے کے لیے توفیقِ ایزدی ہی رہبری کر سکتی ہے۔ صرف اگر ہم گلاب کو جڑ پیڑ سے
اکھاڑ کر دیکھیں تو ہم اس کی ہستی پر محو حیرت ہوں گے۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ گلاب زندہ شے
ہے اور حیات عموماً یکساں ہے خواہ وہ حیات انسانی ہو یا نباتاتی، تو اگر ہم کو گلاب کی ہستی کا
علم ہو جائے تو اپنی ہستی سے بھی آگاہ ہو سکتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سائنس نے
شعوری طور پر کچھ ترقی کر لی لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ یہی سائنس ہی سب
کچھ ہے۔ سائنس تو اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت کو نظرِ بصیرت سے جاننے کا نام ہے۔ سائنسدانوں
نے اللہ تعالیٰ کی کچھ قوتیں لے لیں جن سے کچھ کارخانے اور ورکشاپ بن گئے اور کچھ مادی چیزیں ا
کر لیں جن کو ناپا تولا جا رہا ہے اور زمانے میں سرعت پیدا کر دی۔ مہینوں کا کام گھنٹوں میں
لگا۔ ضروریاتِ زندگی میں اضافہ کر دیا۔ سائنس بذاتِ خود بری چیز نہیں ہے۔ وہ تو خدا

لطیف الخبیر کے نفیس علم و حکمت پر غور و فکر کر کے اس سے خیر کثیر کا کام لینا ہے۔ مسلمانوں کو اس میں ضرور حصہ لینا چاہیے تاکہ آلاتِ حرب میں دشمن کے مقابلہ میں ترقی سے کر سکیں لیکن اس میں اتنا منہمک نہ ہوا جائے کہ خدا پر بے یقینی اور دین سے دوری پیدا ہو جائے۔ بھائیو! اس کائنات کا ذرہ ذرہ زندانی تقدیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ذات میں اس امر کی استعداد و قابلیت رکھی ہے کہ اس عالم کے واقعات اور کیفیات پر غور کر کے پرحکمت قوانین ربّی کا سراغ لگائے اور اس سے استفادہ کرے اور سائنس تو تلوار کی مانند ہے اس سے اچھا کام بھی لیا جا سکتا ہے اور برا بھی۔ افسوس کہ قصور تو ان ظالم اور خود غرض سرمایہ داروں اور جوع الارض کے اقوام کا ہے جنھوں نے اس علم کو غلط اور برے راستہ میں استعمال کیا۔ بجائے خدمت و آسائش خلق کے ایسے کمزور مظلوم اور بے گناہ مخلوق کی غلامی و افلاس۔ تباہی۔ بربادی اور ہلاکت کے لیے زمین پاش۔ کوہ شکن و مہلک آلات پیدا کیے اور دنیا کی سلامتی و امن کو برباد و تباہ کر دیا میرے عزیزو! اللہ تعالیٰ پر یقین رکھو۔ جہاد کے لیے جدید آلاتِ حرب خوب تیار کرو اور یاد رہے کہ تمام کائنات اللہ تعالیٰ کے امر کی مسخر ہے اور اس کے قبضہ اور اس کی گرفت میں ہے اور اس کے قوانین میں جکڑی ہوئی اور یہ ہمارے لیے اس حد تک ذریعہ افادیت ہوتی ہے جس حد تک ہم کو ان پُرحکمت قوانین ربّی کا علم حاصل ہوتا ہے اس کے مطابق ہم اس سے استفادہ کی کوشش کر سکتے ہیں

**حاصل:** دوستو! یہ کائنات کسی اتفاقی حادثہ سے پیدا شدہ نہیں ہے بلکہ اس کا خدائے واحد، خالق و حاکم ہے جس نے اس کائنات کی ہر شے کی تخلیق کی ہے اور اس کائنات کا نظام (سنت اللہ) خدا کے تعین کردہ اصول کے مطابق چل رہا ہے اور یہ خالق و حاکم ایک اور صرف ایک ہے۔ انسان خدا کی مخلوق اور اس دنیا میں خدا کا نائب اور اشرف المخلوقات ہے اور اس کی زندگی خدا کی عبادت کے لیے ہے اور موجودہ زندگی کے بعد ایک اور زندگی آنے والی ہے جس میں موجودہ زندگی کے اعمال کا حساب دینا ہوگا اور ان اعمالوں کے مطابق انسان کو جزا و سزا دی جائے گی اور یہ دنیا انسان کے استعمال اور تصرف کے لیے پیدا کی گئی ہے اور اس طرح انسان کے لیے یہ دنیا آزمائش کا سامان بھی بہم پہنچاتی ہے۔ پس

جو اس کائنات میں مادہ ہے اور اس مادے میں نظم و نسق پایا جاتا ہے اس کو اور ساری کائنات کے مکمل نظام کو چلانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

## شش گروہ

کیا یہ کائنات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی یا یہ پیدا کی گئی ہے اور فنا ہو جائے گی۔ اگر پیدا کی گئی ہے تو اس کا پیدا کرنے والا کون ہے۔ کہاں ہے اور اس کا اس کائنات کے ساتھ کیا رابطہ اور تعلق ہے؟ جب سے انسان کا دماغ علم کی روشنی سے منور ہوا اور اس کو تفکر و تحقیق کی عادت پڑی اس روز سے یہ سوال اس کے غور و فکر کی جولانگاہ بنا رہا ہے اور ہزاروں مفکرین نے اپنے اپنے علم اور عقل کے مطابق اس کے جواب دیے ہیں۔

ا :- ایک گروہ (دہریہ) نے کہا ہے کہ یہ ساری کائنات جو مادہ ہے اور مادہ ازلی و ابدی ہے یہ نہ کبھی ہوا نہ کبھی فنا ہو گا۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ مادہ تو ایک جامد اور بے شعور چیز ہے پھر اس میں یہ تغیر و تبدل کیوں ہوتا ہے اور یہ مختلف صورتیں کیسے اختیار کر لیتا ہے۔ اس کا وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ مادے کی خاصیت ہے جس طرح پانی کبھی برف بن جاتا ہے کبھی بھاپ بن کر نظر سے غائب ہو جاتا ہے حالانکہ وہ فضا میں موجود رہتا ہے۔ یہی حال دوسری مادی چیزوں کا ہے۔ وہ صورتیں بدلتی رہتی ہیں حتیٰ کہ چھوٹے چھوٹے ذرّوں بلکہ ایٹموں میں تبدیل ہو کر آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہیں مگر فنا نہیں ہوتیں۔ اگر ان سے سوال کیا جاتا ہے کہ جان اور حرکت کیا چیز ہے۔ تو وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ بھی مادہ کی ایک عادت اور فطرت ہے۔ مادہ میں بہت سے عناصر موجود ہیں۔ جب کچھ عناصر کسی خاص تناسب سے مل کر ایک جسم بن جاتے ہیں اور اس کو ایک خاص ماحول میں ایک خاص درجہ کی حرارت اور نمی پہنچتی ہے تو اس میں ایک خاص کی حرارت پیدا ہو جاتی ہے جس کو ہم "جان" کہتے ہیں۔ یہی حرارت اس مادی جسم کو متحرک بھی کرتی ہے۔ یہاں تک بات کچھ سمجھ میں بھی آتی ہے لیکن جب ہم ان سے یہ دریافت کرتے ہیں کہ خواہش، عقل، جذبات اور وجدان کیا شے ہیں۔ یہ مادہ میں کس طرح پیدا ہو جاتی ہیں۔ تو حضرات کوئی معقول جواب نہیں دیتے اور یہ کہتے ہیں کہ یہ بھی مادے ہی کی خواص ہیں۔ ناظر دیکھ لیا آپ نے مادہ پرستوں کو صرف مادہ ہی نظر آتا ہے۔ مادہ کے اندر یا فضا و خلا میں جو غیر ما

چیزیں ہیں مثلاً مقناطیس۔ برقی رو۔ ایثر کشش ثقل، ان کا انھیں کچھ علم نہ ہوا اس لیے انھوں نے نہایت آسانی سے کہہ دیا کہ یہ مادہ ہی اصل وجود ہے۔ مگر بے جان مادہ میں غیر مادی رُوح۔ عقل۔ نفس اور جذبات کیونکر پیدا ہوئے۔ کیا عقل اس بات کو ماننے کے لیے تیار ہے کہ یہ کائنات محض ایک حادثہ اور اتفاق کی بنا پر پیدا ہو گئی۔ کیا کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے، کہ الف سے یے تک حروف کو ایک ڈبہ میں ڈال کر ہلا دیں۔ دوبارہ زمین پر ڈالا گیا ہو تو ان سے ایک مربوط عبارت بن گئی ہو۔ یا کوئی شخص عمر خیام، غالب یا اکبر الہ آبادی کے کسی شعر کے الفاظ الٹ پلٹ کر کسی جاہل کو دیے گئے ہوں اور وہ الفاظ کو آگے پیچھے رکھ کر ترتیب دے اور پھر وہ اکبر یا غالب کا شعر بن گیا ہو۔ حالانکہ حروف، الفاظ، ترکیبیں اور استعارے سب وہی ہوں۔ اس طرح ایک شعر نہیں بن سکتا تو یہ پوری کائنات اور جو کچھ اس میں ہے کس طرح بن سکتے ہیں بے شک یہ اللہ تعالیٰ کی صناعی ہے اور اس نے ہی تمام کائنات کی تخلیق کی ہے۔

۲:- دوسرا گروہ (ہندو) یہ کہتا ہے کہ یہ مادہ، روح، خدا تینوں قدیم ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ مادہ تو خود اپنی شکل و صورت نہیں بدل سکتا بلکہ خدا اس کو جس شکل میں ڈھالنا چاہے ڈھال سکتا ہے۔ رُوح کے خواص یہ ہیں کہ وہ خدا کے بنائے ہوئے مادی اجسام میں حلول کر جاتی ہے اور ان کو حرکت دیتی ہے مختلف اعمال و افعال بھی روح سے صادر ہوتے ہیں خدا کا کام صرف اتنا ہے کہ جب روح کی ایک زندگی ختم ہو جائے تو ان کے اپنے اپنے اعمال کے مطابق کسی دوسرے مادی قالب میں ڈال کر پھر پیدا کر دے اور یہ بھی وہ ایک خاص قانون کے مطابق کرتا ہے۔ ناظرین یہ نظریہ ان کی اپنی عقل نے قائم کیا معلوم ہوتا ہے، کہ ویدوں میں جو توحید کی تعلیم ہے اس کی وجہ سے ان کی عقل میں یہ نہ آتا تھا کہ جب خدا کے سوا اور کچھ موجود نہ تھا تو خدا نے مخلوق کس طرح پیدا کی۔ انھوں نے مادہ کا وجود بھی خدا کے ساتھ قدیم مان لیا۔ پھر اُن کو خیال ہوا کہ مادہ تو جامد شے ہے جاندار شے میں کیوں حرکت ہے تو اُن کی عقل نے بتایا کہ مادہ کے علاوہ دوسرا وجود خدا ہے جو مادہ کو حرکت میں لاتا ہے پھر ان کے ذہن میں خیال پیدا ہوا کہ خدا تو صرف نیکیوں اور خوبیوں کا حامل ہونا چاہیے تھا پھر ان کی عقل نے بتایا کہ وہ کوئی دوسری شے ہے جس کا نام انھوں نے رُوح رکھا اس طرح یہ نظریہ

وجود میں آیا۔ اور یہ آواگون کا مسئلہ کئی وجوہ سے غلط ہے ملاحظہ فرمائیں۔ (۱) تناسخ کا یہ مسئلہ ایسا ہے جس کا کوئی وجود نہیں۔ انسان ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ پہلے نباتات یا جانور ہو اور نباتات و حیوانات ہونے کے لیے لازم ہے کہ اُن سے پہلے انسان ہو (۲) اگر تناسخ کا چکر ازلی و ابدی ہو تو ماننا پڑے گا کہ نہ صرف وہ ارواح جو بار بار قالب بدلتی ہیں بلکہ وہ مادہ بھی جو ان ارواح کو قالب بخشتا ہے وہ ازلی و ابدی ہے (۳) یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ نباتات و حیوانات اور انسانی نوع کی ساری تمیز کرنے والی خصوصیات ہیں وہ ساری درحقیقت ان اجسام کے خاصے ہیں نہ کہ نفوس کے۔ اس لیے جو نفس بشری قالب میں عقلی و فکری رکھتا تھا وہ حیوان کے جسم میں بے عقل ہو گیا اور نباتاتی قالب میں اس کی حرکت ارادی کی قوت بھی سلب ہو گئی (۴) اچھے اور بُرے کا اطلاق ان عملوں پر ہوتا ہے جو سوچ سمجھ کر ارادے سے کیے جائیں۔ اس لحاظ کے انسان کے اعمال تو نیک اور بد ہو سکتے ہیں اور ان کی پر جزا و سزا ہو بھی سکتی ہے۔ لیکن نباتات و حیوانات کے اعمال پر نہ تو نیکی اور بدی کا اطلاق جائز ہے اور نہ ان کے لیے جزا و سزا کی کوئی وجہ جواز ہے (۵) اگر بعد کی زندگی ہمارے موجودہ جنم کے اعمال کا ثمر ہے تو ظاہر ہے کہ برے اعمال کا بُرا ہی ہونا چاہیے، اور جب دوسرے جنم میں وہ بُرا پھل ہم کو ملا تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ اس بُرے پھل سے نیک اعمال صادر ہوں۔ اس سے تو بُرے اعمال ہی سرزد ہوں گے اور پھر ان کا پھل تیسرے جنم میں اور بھی زیادہ بُرا ہو گا (۳) تیسرا گروہ (اشراقی) جو یہ کہتا ہے کہ یہ کائنات حادث ہے یعنی پیدا کی گئی ہے اور فنا ہو جائیگی اور اس کا پیدا کرنے والا بھی ہے وہی اس کائنات کی چیزوں کی تخلیق کرتا ہے اور فنا کرتا ہے اس کا نام خدا ہے وہ قدیم ہے یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ یہ منکرین خدا کو ایک طاقت مانتے ہیں اور یہ بھی مانتے ہیں کہ وہ ایک مشین کی طرح ایک قاعدہ و قانون کے مطابق کام کرتا ہے یعنی وہ اپنی مرضی اور ارادہ سے جو چاہے وہ کرنے میں آزاد نہیں۔ بلکہ خود ایک قانون کا پابند ہے۔

ناظرین: اس گروہ نے بھی مادی اجسام کی بالارادہ حرکت اور انسان کے افعال ہونے کی صفت سے خدا کی ہستی پر استدلال کیا۔ لیکن ان کی نظر زیادہ تر اس قانونِ حرکت

پر ہے جس کے مطابق یہ نظام کائنات کام کر رہا ہے۔ انھوں نے مشاہدہ کیا کہ عناصر اربعہ
اپنے طبعی خواص کے خلاف کبھی کام نہیں کرتے۔ سورج، چاند، ستارے، سیارے ہمیشہ ایک
وقت مقررہ پر طلوع و غروب ہوتے ہیں اور دن رات مقررہ قاعدہ کے مطابق گھٹتے اور بڑھتے
ہیں۔ کائنات کا ذرّہ ایک خاص قانون اور قاعدے کا پابند ہے۔ لامحالہ انھوں نے یہ نتیجہ
نکالا کہ اس تمام نظام کے پیچھے کوئی خاص طاقت ہے جو اسے ایک خاص قانون کے مطابق
چلا رہی ہے اسی طاقت کو انھوں نے خدا مان لیا۔ لیکن انھوں نے اس واجب الوجود کو
بھی ایک قانون کا پابند اور ایک مشینی خدا سمجھ لیا۔ اس طرح ان کا نظریہ ظہور میں آیا۔ (۴)
چوتھا گروہ (پارسی) ہے جو یہ کہتا ہے کہ کائنات بلے شبہ حادث ہے لیکن اس کا پیدا کرنے
والا ایک خدا نہیں بلکہ دو خدا ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ کائنات میں نیک و بد خیر و شر پہلو بہ پہلو
پائے جاتے ہیں ہر ایک انسان میں نیکی و بدی دونوں طاقتیں موجود ہیں۔ یہ کس طرح ممکن
ہے کہ ایک خدا انسان کو نیکی کرنے کی ہدایت دے اور پھر خود ہی اس کو بدی پر بھی ابھارے
یہ گروہ خیر یا نیکی کے خدا کو یزداں اور بدی یا شر کے خدا کو اہرمن کے نام سے موسوم کرتا ہے۔

ناظرین! اس چوتھے گروہ نے بھی کسی نہ کسی طرح خدا کے وجود کو تسلیم کر لیا اور یہ بھی
مان لیا کہ اس تمام کائنات کا خالق ہے لیکن جب انھوں نے انسان کو ظلم اور بدی کرتے
دیکھا تو انھوں نے سوچا کہ خدا تو مجسم خوبی و نیکی ہے اور وہ اپنے بندوں کو بھی نیکی کرنے کا حکم
دیتا ہے تو پھر یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ وہی انسان میں بدی کی طاقت بھی پیدا کرے اور
اس کو بدی کرنے کی رغبت بھی دلائے۔ اس لیے انھوں نے نتیجہ نکالا کہ یقیناً خدا اور بھی
ہے جس نے بدی پیدا کی ہے اور انسان کو بدی پر اکساتا ہے نیکی کے خدا کو انھوں نے یزداں
کے نام سے موسوم کیا اور بدی کے خدا کو اہرمن کے نام سے پکارا اسی طرح یہ نظریہ ظہور میں
آیا (۵) پانچواں گروہ (فلاسفر) وہ ہے جو کائنات کو حادث اور خدا کو قدیم مانتا ہے ان کا نظریہ
قریباً وہی ہے جو الہامی مذاہب کا ہے۔ یہ لوگ خدا کو ایک مانتے ہیں مگر مخلوق کے ساتھ خدا
کا جو تعلق اور ربط ہے اس کی بابت ان میں بہت سے اختلافات ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ خدا
مستقر عرش پر ہے اور وہاں سے ہی اپنے علم و طاقت اور فرشتوں کے ذریعے تمام کائنات

پر حکمرانی کرتا ہے۔ کسی کا خیال ہے کہ ہر ذرّہ میں خدا موجود ہے اسی لیے حاضر و ناظر ہے بعض کا عقیدہ ہے کہ خدا کا علم اس کی ذات کے ساتھ قدیم ہے اور جو کچھ اس کائنات میں اب تک پیدا ہو چکا ہے یا آئندہ ہوگا وہ سب کچھ خدا نے اپنے علم کے مطابق پیدا کیا ہے اور آئندہ بھی کرے گا۔ وہ تجربہ کے طور پر رنگا رنگ مخلوقات پیدا کرتا ہے اور جس میں جو نقص دیکھتا ہے اس کو دور کر کے تخلیق کو بہتر سے بہتر بناتا رہتا ہے۔ جب تک تخلیق مکمل نہ ہوگی وہ یونہی کرتا رہے گا اسی کو قانون ارتقا کہتے ہیں۔

ناظرین! اس گروہ میں جتنے منہ اتنی باتیں ہیں۔ اپنی اپنی عقل اور علم کے مطابق جتنا اور جو کچھ بھی سمجھا ہے وہی اس نے کہہ دیا اور اس کو درست جانتا ہے اور کوئی کہتا ہے کہ خدا ذہن کل ہے یہی واجب الوجود ہے یہ ہمیشہ سے تھا اور ہمیشہ رہے گا اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اسی ذہن کل کے تصورات ہیں اور مخلوق کہلاتے ہیں (۶) یہ گروہ انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ کائنات حادث اور خدا قدیم ہے خدا ہی اس کائنات کا خالق و مالک ہے وہ اپنی مخلوق پر اختیار مطلق رکھتا ہے وہ ذات و صفات میں ہر لحاظ سے یکتا اور بے مثال ہے اور اس کو کائنات کے ایک ایک ذرہ کا ہر لحظہ مکمل علم ہوتا ہے وہ انسان کے وہم و گمان عقل و قیاس اور علم سے بالاتر ہے اس کی ماہیت و حقیقت کسی کی عقل میں نہیں آسکتی۔ انبیاء علیہم السلام کا علم وحی پر مبنی ہے اور آدمی وحی پر ایمان لاتا ہے اور اس کو سچ سمجھتا ہے وہ مسلمان کہلاتا ہے۔ ناظرین! ہم مسلمان خالق و مالک کائنات پر اور اس کے رسولوں پر قرآن اور دوسری الہامی کتابوں پر اور غیب و یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ خواہ مخواہ شک و شبہ اور بحث میں پڑ کر ایمان خراب کریں۔ جو کچھ ہے وہ کتاب و سنت میں ہے۔ دوستو! اللہ تعالیٰ وہ ہستی ہے جو اپنی ذات و صفات و افعال کونیہ میں وحدہٗ لاشریک ہے۔ وہی تمام کائنات کا واحد خالق و مالک اور متصرّف ہے اور وہی مخلوق کا ملجا و ماویٰ ہے اور ہر مشکل کا دُور کرنے والا اور کارساز حقیقی ہے اور وہی قابل عبادت اور لائق محبت ہے اور رکوع و سجود اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور دین اسلام ایک صراط مستقیم ہے اور اس کے تمام احکام کا سرچشمہ قرآن حکیم ہے اور اس کی عملی تفسیر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہے اور مجموعہ

قوانین اسلام کے اصولوں پر ایمان لانا اسلام کی کلید ہے جس پر ہمارا ایمان و یقین ہے۔

اب جب تب تجھ سا نہیں کوئی    تجھ سے ہیں سب تجھ سا نہیں کوئی

عزیز دوستو! اس کائنات میں تین چیزیں ہیں (۱) ایک تو مادہ ہے جس پر تمام کائنات کی مختلف چیزیں بنتی ہیں (۲) دوسرا وہ حیرت انگیز نظم و نسق اور بے عیب تسلسل جو مادہ کی ہر شے میں جلوہ گر ہے (۳) تیسرا تمام کائنات اور جو کچھ بھی اس میں ہے ان کا خالق و مالک جزو کل اور جو اس کائنات پر حاکم بلا شرکت غیرے وہ اللہ تعالےٰ ہے وہ واحد اور یکتا ہے۔ ان میں سے دو چیزیں آپ مادّہ اور نظم کا تو ان مادی آنکھوں سے مشاہدہ کر سکتے ہیں مگر مالک حقیقی کا مشاہدہ ان آنکھوں سے نہیں کر سکتے۔ اس کا تو چشم دل سے مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس کے لیے کتاب و سنّت مطہّرہ کا علم و عمل اور نصرت الٰہی درکار ہے جس سے دریچۂ قلب کھلتا ہے اور دل میں مشعل نورانی روشن ہو جاتی ہے اور بندہ تصفیۂ قلب کی وجہ سے مالک کائنات کو پہچان جاتا ہے اور کائنات کے ظاہری اور باطنی حقائق و اسرار اس پر کھلتے ہیں اور رضا الٰہی اور قرب خداوندی اس کو میسّر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وجود حسّی و مادی نہیں ہے بلکہ مابعد الطبیعی ہے۔ عام طور پر کسی چیز کے وجود کو ماننے کے لیے ہمارے پاس جو ذریعے ہیں وہ حواس ہیں۔ لیکن حواس سے علم حاصل ہوتا ہے وہ محض مادی حسّی دنیا تک محدود ہے جو چیزیں ان سے ماوراء ہیں ان کو جاننے کے لیے حواس ناکافی ہیں۔

عزیزو! اللہ تعالیٰ تمام کائنات پر محیط ہے کوئی چیز اس کے علم اور قدرت سے باہر نہیں وہ سب عیبوں سے پاک ہے اور سب کمال اس کو حاصل ہیں۔ بعض لوگوں کی عقل میں یہ بات نہیں آتی کہ جان جیسی غیر مادی چیز میں کوئی دوسری چیز اس طرح کیسے سما سکتی ہے کہ وہ اس کے اندر بھی ہو اور الگ بھی ہو۔ ہم ان کو سمجھنے کے لیے چند مثالیں پیش کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں کہ ایک درخت جس کا تنا خوب موٹا اور سخت ہو، پھر اس کے موٹے ٹہنوں، نرم شاخوں پتوں اور پھولوں پر نظر کریں اب سوچیے کہ اس سارے درخت میں کوئی جگہ ایسی بھی ہے جس میں پانی نہ ہو۔ آپ کی عقل بتائے گی کہ ایک انچ برابر جگہ بھی ایسی نہیں جہاں پانی نہ ہو۔ حتیٰ کہ نرم پتیوں اور پھولوں میں جو بال برابر رگیں نظر آتی ہیں ان میں پانی موجود ہے۔ اگرچہ نظر نہیں آتا۔ آپ ہی بتائیے کہ کیا یہ درخت اور پانی ایک ہی وجود ہیں۔ ہرگز نہیں۔ دونوں بالکل دو مختلف وجود ہیں۔ یوں سمجھیے کہ

پانی اس درخت کی جان ہے۔ درخت کے جس حصہ کو پانی سے محروم کر دیا جائے وہی حصہ سوکھ جائے گا پھر قدرت حقیقی کی قدرت دیکھیے کہ اگر آری سے درخت کو کاٹ کر خوردبین سے ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ عرض میں بنے ہوئے کپڑے کی مانند ایک جال دکھائی دے گا اور اگر طول میں کلہاڑی سے پھاڑ کر دیکھیے تو آپ کو لمبے لمبے ریشوں کا سلسلہ دکھائی دے گا۔ اور ان عریض و طویل ریشوں کے ذریعہ سے درخت کی جڑ سے اوپر کی طرف پانی چڑھتا ہے یعنی الٹی کشش ثقل ہے حالانکہ کشش ارضی کے تحت پانی ہمیشہ نیچے کی طرف جایا کرتا ہے۔ یہ تو فرمائیں کہ خدا اگرچہ اپنی مخلوق کے ظاہر و باطن میں ہے بلکہ ایک ایک ذرہ ذرہ میں موجود ہے لیکن باوجود اس کے وہ سب سے الگ ہے اور اپنا علیحدہ وجود رکھتا ہے یا یوں سمجھیے کہ گلاب کے پھول کے فنا ہونے کے بعد بھی اس کے عطر کی خوشبو کپڑوں میں رہتی ہے یا جس طرح آفتاب کا تعلق منسوب سے ہوتا ہے یا خوشبودار پانی میں نبات گل جانے سے شربت کا ایک وجود نہیں رہتا۔ خوشبو، مٹھاس، پانی علیحدہ علیحدہ وجود ہیں۔ فضا کو دیکھو جس میں بے شمار چیزیں ہیں۔ بھاپ کو دیکھیے جس میں پانی گھسا ہوا ہے یا ہوا پانی کے اندر موجود ہے یہ دونوں چیزیں ایک وجود معلوم ہوتی ہیں مگر یہ دو مختلف وجود ہیں اور اپنا الگ الگ کام کرتے ہیں۔ ہوا اور پانی کے علاوہ فضا میں برقی قوت، ریڈیائی لہریں، قوت کشش، قسم قسم کی گیسیں و شعاعیں ہیں اور ایتھر ہے اور ریڈیو کی آواز اور ٹیلی ویژن کی تصویریں فضا میں سے گزر کر مختلف ریڈیو اور ٹیلی ویژنوں میں پہنچ جاتی ہیں نہ تصویر کے لیے آواز رکاوٹ بنتی ہے اور نہ تصویریں آواز کے لیے رکاوٹ بنتی ہیں۔ اَللّٰہُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ اللہ ہی نے تمام چیزوں کو پیدا کیا اور وہ (ہر لحاظ سے) واحد ہے اور سب پر غالب ہے۔

دُرِ شہوار بحر کو بخشا     کوہ کو لعل شب چراغ دیا
زندگی کی راہ تھی تاریک     اس لیے عقل کا چراغ دیا
ہے تعجب کہ دے دیا سب کچھ     لیکن اپنا نہ کچھ سُراغ دیا

# تخلیقِ کائنات

(۱) سائنس دانوں کے نظریہ کے مُطابق پہلے صرف مادہ ہی مادہ تھا اور وہ بھی منتشر تھا نہ آکسیجن کا وجود تھا نہ ہائیڈروجن کا قیام نہ نباتات کی کوئی شکل تھی نہ حیوانات کا کوئی نقشہ صرف مادے کے ابتدائی ذرات تھے جو کائنات میں پھیلے ہوئے تھے ان ذرات میں کسی وجہ سے اختلال پیدا ہُوا یعنی مادے میں حرکت پیدا ہوئی۔ جیسے زلزلہ سے زمین ہل جاتی ہے۔ یہ حرکت اتنی زبردست تھی جس نے ایک ایک ذرے کو اس طرح ہلا ڈالا جس طرح آندھی گرد، غبار اور ریت کے ذرات کو اڑا کر کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے اور یہی کیفیت ابتدائی زمانہ میں پیدا ہوئی جس نے ان تمام ذرات کو دور دور جا پھینکا اور آپس میں ایک دوسرے سے اس طرح ملا دیا کہ کائنات کی ہر شے وجود میں آگئی۔ اس ہلچل میں پانی بھی بن گیا ہائیڈروجن بھی اور آکسیجن بھی پیدا ہو گئی۔ بعض سائنس دانوں کا خیال ہے کہ پہلے ساری کائنات مادی ذرات (نیبولا) کا مجموعہ تھی جس میں کوئی حرکت نہیں پائی جاتی تھی کائنات کی ہر دو اندرونی قوتیں یعنی کشش اور مدافعت جو آئن سٹائن کے نظریے کے مطابق ہر ایک سدیم (دخان) میں موجود تھیں اور ایک دوسرے کے برابر تھیں اس طریقے سے کائنات کی شکل ہمیشہ ایک لطیف منتشر مادے کی مانند رہنی چاہیے تھی۔ لیکن اس منتشر مادے میں ایک اختلال پیدا ہوا جس نے بچھے ہوئے مادے میں ایک حرکت پیدا کی اور اس وقت سے انجماد ہونے لگا اس طرح سب سے پہلے سدیم پیدا ہوئے پھر ستارے۔ ستاروں میں مقامی کشش مدافعت کی بنا پر دو سے چار تک مختلف مرکز پیدا ہوئے (۲) دوسرا نظریہ، ۱۷۹۶ء میں فرانس کے سائنس دان لاپلاس نے پیش کیا۔ نظام شمسی سدیم الاصل ہے۔ اور کسی زمانہ میں ایک ہلکی رفتار سے گردش کرنے والا گیسی مادہ تھا ہلکے ہلکے سرد ہوتا گیا اور تمازت کے اثر کے تحت سکڑتا گیا۔ جُوں جُوں یہ سکڑنے لگا اس کی محوری رفتار بڑھتی گئی اور اس کی مرکز گریز قوت جس کی تعداد رفتار کے مربعے کی تناسب ہوتی ہے۔ زیادہ ہونے لگی۔ بالآخر یہ قوت اس قدر بڑھ گئی کہ گیسی مادے کا کچھ حصہ ٹوٹ کر اس خطۂ استوا پر ایک مادی حلقہ بن گیا اور اسی طرح اور حلقے رفتہ رفتہ بنتے چلے گئے۔ پھر ہر ایک حلقہ باری

باری سکڑ کر ایک سیارہ بن گیا اور باقی حصّہ درمیان میں رہ گیا جو سُورج کی شکل میں نمایاں ہُوا۔ یہ سدیمی، مفروضہ کہلاتا ہے۔ عزیزو! سائنس دان کہتے ہیں کہ سب سے پہلے یہ مادّہ سدیم کہر جیسا دھواں یا بادل تھا۔ پھر اس میں حرکت پیدا ہوئی پھر اس سے سُورج۔ چاند، ستارے۔ زمین اور دیگر چیزیں پیدا ہوئیں اور زندگی کی ابتدا سمندر کے پانی میں سے ایک غیر مرئی ذرّے بدلو (ایمیبا) سے ہوئی پھر اس ایمی بامیں ارتقائی صورت پیدا ہوئی تو نباتات کا ظہور ہوا پھر جاندار مخلوق کیڑے۔ کیچوے وغیرہ پیدا ہوئے پھر ان سے حیوانات اور آخری ارتقائی شکل بنظریہ ڈارون بندر بتایا جاتا ہے۔ پھر بندر سے ترقی کر کے انسان بنا۔ ناظرین! سوال تو یہ ہے کہ یہ ابتدائی مادہ کہاں سے آیا اور اس میں حرکت اوّل کیوں پیدا ہوئی کیوں کہ مادہ بے جان شے ہے۔ اور غور طلب امر یہ بھی ہے کہ ارتقائی عمل میں تین مقام ایسے بھی آتے ہیں جس میں یہ ماننا ہی پڑتا ہے کہ ان مقامات پر کسی نئی طاقت یا علّت کی مداخلت لازمی ہے (۱) وہ وقت جب اول جاندار خلیہ کی تشکیل ہوئی (۲) دوم وہ مقام جہاں سے نباتاتی اور حیوانی زندگی جدا ہوئی (۳) سوم وہ وقت جب انسان عالم وجُود میں آیا۔ ہم ارتقائی سائنسدانوں سے پوچھتے ہیں کہ وہ کون سی زبردست قوت تھی جس نے ان مقام پر مداخلت کی۔ دوستو! ان منکرین کو ماننا ہی پڑے گا کہ اس کائنات میں ایک عظیم اور ہمہ گیر حکمت درپردہ کام کر رہی ہے۔

عزیزو! سچی بات تو یہ ہے کہ انسان کا علم اکتسابی اور سطحی ہے یہ ارتقائی عمل مادے کا اپنا ذاتی نہیں یہ تو امر ربیّ ہے یہ کائنات کی حیرت انگیز ترتیب و نظم و ضابطہ مادہ تو خود بخود پیدا نہیں کر سکتا اور کہا جاتا ہے کہ حیات کی ابتدا ایک نہ نظر آنے والی مخلوق بدلو (AMOEBA) سے ہوئی اور تمام نباتات و حیوانات کی ابتدا اسی امیبا سے ہوئی۔ اگر عمیق مشاہدہ سے دیکھا جائے تو امی با ایک سوئی کے نوک کے برابر جیلی نما سیاہی مائل ایک خانہ دار ذی حیات سفید نقطہ کی طرح ہوتا ہے جو نمکین پانی یا مٹی میں رہتا ہے وہ انڈے، بچے دینے کی بجائے اپنے جسم کو دو حصّوں میں تقسیم کر لیتا ہے اور اس طرح ہر حصّہ ایک علیحدہ امی با بن جاتا ہے اور ایمبا تالاب یا جوہڑ کی تہہ میں سبزی مائل گادمیں کاہی کی شکل میں پایا جاتا ہے۔ اگر امیبا کو ایک دو منٹ تک خوردبین سے دیکھا جائے تو اس کے اندر بے ڈول ابھار نکلتے ہوئے اور غائب ہوتے ہوئے دکھائی دیں گے یہ اُبھار کسی ایک ہی مقام پر مستقل طور پر نہیں پیدا ہوتے۔ بلکہ ایک مقام کے اُبھار جب غائب ہو جاتے ہیں تو دوسرے مقام سے نکلنے

لگتے ہیں۔ عزیزو! حیات کے متعلق ہمیں پوری طرح پر علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ دنیا ایک خوشنما چیز ہے جو ذی حیات سے معمور ہے۔ کوئی شخص نہیں بتا سکتا کہ ہم کیوں حرکت کرتے سانس لیتے یا کسی چیز کا احساس کرتے ہیں۔ حرکت تنفس واحساس اور دل میں خیال کیسے پیدا ہوتے ہیں اور محبت ونفرت کیوں کر جاگزیں ہوئی اور اظہار عبودیت کا باعث کیا ہے۔ موت اور حیات ان سب بھیدوں کو پروردگار عالم کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جدید ماہرین علم الحیات نے تحقیق کی ہے کہ جاندار کی ترکیب میں اصلی عنصر مادہ حیات (پروٹوپلازم) ہے جو ذی حیات شے ہے جو ہر جاندار میں پایا جاتا ہے خواہ وہ زمین پر ہو یا پانی میں یا ہوا میں ہو اور انسان یا جراثیم اور نباتات میں ہو۔ یہی مبتدا۔ حیات ہے۔ اور مادہ حیات کے درمیان ایک بڑا نقطہ جس کو جوہر حیات (نیوکلی آس) کہتے ہیں اور اس کے اندر ایک اور نقطہ ہوتا ہے جس کو نقطہ جرثومہ (جرمینل سپاٹ) کہتے ہیں۔ خوردبین سے دیکھا جائے تو مادہ حیات وجوہر حیات ان دونوں میں نازک عصبی ریشوں کا ایک جال دکھائی دے گا جس میں نہایت چھوٹے چھوٹے ذرات یا نقطے ہوتے ہیں جن کو ماہرین کروموشومز کہتے ہیں۔ ان کے ذریعہ سے ہی والدین کے شمائل وخصائل بچہ میں منتقل ہوتے ہیں یعنی انھیں کے سبب بچے صورت وسیرت میں ماں باپ کے مشابہ پیدا ہوتے ہیں۔ اور مادہ حیات کی ترکیب میں دو قسم کی چیزیں پائی جاتی ہیں۔ ایک شبکہ جو جالیدار اور دوسرا رطوبت مائیہ یعنی پانی جیسی رطوبت۔ قرآن کریم میں سورۃ انبیاء میں ارشاد باری ہے۔ ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے بنایا ہے۔ کیا پھر بھی یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔ پانی سے مراد اگر بارش ہو تو بارش سے ہر جاندار چیز کا براہ راست یا بالواسطہ مستفید ہونا ظاہر ہے اگر نطفہ حیوانی مراد ہے تو اس سے بھی ہر جاندار کا وجود میں آنا ثابت ہے۔ نطفہ کے مادہ حیات میں بھی حصہ غالب پانی ہوتا ہے۔ بجائے یہ کہنے کے کہ مادہ حیات میں پانی موجود ہوتا ہے۔ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ پانی میں مادہ حیات کا وجود ہے۔ جاندار اشیاء بغیر پانی کے زندہ نہیں رہ سکتیں اس عجیب و پُراسرار رواں دواں کائنات میں خدائے جلیل متواتر اپنے وجود کی تجلی جمادات ونباتات اور حیوانات کی حیرت انگیز زندگی اور ان کے اسرار اور ناقابل تغیّر قوانین کی صورت میں جلوہ گری کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کاملہ اور رحمت تامہ کے فیضان اور احسان کو دیکھو کس طرح چونا اور چکنی مٹی ریت اور کھاد کے اعتدال سے زمین کی روئیدگی کی صلاحیت کو برقرار رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے

ننھے سے بیج کے اندر کس طرح نباتاتی حیات کے لیے بنیادی دو گرہیں چھپا کر رکھی ہیں۔ جو ایک جڑ بن کر زمین میں پیوست ہو جاتی ہے اور دوسری گرہ شاخ بن کر زمین سے ابھر آتی ہے اور ان کے علاوہ بیج میں دو جڑے ہوئے مخفی پتے بھی ہوتے ہیں اور اس میں زمین میں جمنے سے پہلے چند روز کے لیے غذا بھی جمع کر دی گئی ہے اور یہ چھوٹے سے چھوٹے برگد کے بیج سے لے کر بڑے سے بڑے بیج تک ہر ایک میں یہ چیزیں موجود ہوتی ہیں۔ جب بیج زمین میں جاتا ہے اور تشنہ زمین کو پانی کی شادابی ملتی ہے تو بیج میں اہتزاز پیدا ہوتا ہے، اور رنگ ریز مادہ (CHLOROPHYLL) سورج کی روشنی سے اثر لیتا ہے اور قدرت الٰہی کے خزانہ سے سبز مسکراتا ہوا پودا لہلہاتی ہوئی پتیاں اور خوشنما پھول اور لذیذ پھل ہماری دنیا کو حسن و جمال سے مالا مال کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کرشمہ سازیاں ملاحظہ فرمائیں کہ اس نے مادہ حیات اور جوہر حیات کو زندگی کا مرکز بنایا اور ان کے جالیدار اور نازک عصبی ریشوں اور ان کے نقاط کو ہر نوع اور نسل کے تحفظ کے لیے منتخب فرمایا۔ دیکھیے لاکھوں ذی روح ہیں سے طوطے کو لے لیں جو ایک طوطے میں اوصاف پائے جاتے ہیں وہی سارے جہاں کے طوطے ان اوصاف کے حامل ہوں گے آپ غور فرمائیں کہ عمل حیات اس مادہ رقیق (مادہ حیات) کی موجودگی کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا غور طلب مسئلہ تو یہ ہے کہ اس مادہ حیات کو کون سی قوتیں حرکت دیتی ہیں۔ کسی بھی سائنس دان کے پاس اس کا جواب نہیں۔ کچھ ماہرین کا خیال ہے کہ عمل حیات کے لیے کچھ کاربن۔ آکسیجن، ہائیڈروجن نائٹروجن۔ فاسفورس۔ غالباً سلفر کے کیمیاوی امتزاج سے مادہ حیات کا عمل جاری ہے ہم ان حضرات سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ ان مادی عناصر کا خالق کون ہے۔ کون سی طاقت نے ان میں مختلف تاثیریں پیدا کیں اور ان کو باہم ملا کر عناصر کی مقدار کا توازن قائم رکھا ہے جو قرنہا قرن سے موجود ہے جس سے زندگی کی حرکت جاری و ساری ہے اور وہ کون ہے جو مادہ حیات جیسی ذی حیات پیچیدہ مشین کو کمال حکمت و دانائی سے چلا رہا ہے اور وہ کون ہے جو اس میں نمو و ارتقاء کے منظم بہ ترتیب قوانین نافذ کرتا ہے جو محض بخت و اتفاق کا نتیجہ نہیں ہو سکتے۔ سائنسدان اس کے جواب میں خاموش ہیں۔ دوستو! قرآن حکیم پر غور کرو صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ (نمل ۸۸) اس اللہ کی صنعت ہے جس نے ہر شے کو مضبوط نظام پر بنایا۔ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضِ ۔ ۷، وہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (زمر) آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی اُس کی ہے۔ عزیزو! یہ سب رُوحِ ربّی کی گلکاریاں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں موت و حیات ہے وہی رحم مادر میں جنین کی صُورتگری کرتا ہے اور تمام کائنات میں اسی کا تصرف ہے۔

دوستو! یہ تمام کائنات وجُودِ باری تعالےٰ پر گواہی دیتی ہے۔ خدائے قادرِ مطلق کی شان دیکھو۔ آدم علیہ السلام کو بن ماں باپ کے پیدا فرمایا اور پھر بغیر ماں کے حوّا کو آدمؑ کی پسلی سے نکالا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بن باپ کے پیدا کیا اور افزائش نسل کے منظم اور حیرت ناک طریق کو ملاحظہ فرمائیں کہ کس حکمت سے افزائش نسل کے تنوع کو پھیلایا بعض تو وضع حمل کے ذریعہ سے، مثلاً انسان۔ گائے۔ اُونٹ۔ گھوڑا اور دیگر دُودھ پلانے والے جانور پیدا فرمائے (۲) بعض بیضہ کی صورت میں جیسے مرغی۔ بطخ۔ طاؤس۔ کبوتر۔ بُلبل اور دیگر پرندوں کی شکل (۳) اور بعض نباتات کو بیج کے ذریعہ سے جس طرح گندم۔ نخود۔ باجرہ۔ مسور وغیرہ اور (۴) بعض کا کلمر سے پھیلاؤ ہوا۔ جیسے گنّا۔ آلو۔ اورک۔ اروی۔ گیاہ اور خودرو جڑی بوٹیاں اور تارہ مچھلی وغیرہ (۵) اسی طرح بعض کی پیدائش دھُول کے ذریعہ سے جیسے پھولوں کی پیدائش اور کھجور وغیرہ۔ ان ہی طریق سے دنیا میں آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ یہ سب خدا کے دست کی گلکاریاں ہیں اور اس سے ہی دنیا کی آرائش ہے۔ عزیزو! کائنات کے نظم و نسق کو دیکھ کر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا بنانے والا کوئی نہیں ایک شخص غور و بین نہیں رکھتا وہ ہٹ دھرمی سے کہتا ہے کہ ایسا کائنات میں موجود ہی نہیں، تو اس کا کہنا درست و صحیح نہیں وہ ضدی بچے کی طرح حقیقت کو جھٹلانے کا ارتکاب کرتا ہے اور ہمیں اللہ تعالیٰ کے کرشموں کے متعلق پوری طرح پر علم حاصل نہیں ہو سکتا جس طرح نابالغ بچہ بغیر مباشرت کے پوری طرح جماع کے علم کی لذت سے آشنا نہیں ہو سکتا۔ ہماری تحقیقات کا بعینہٖ وہی نتیجہ ہو سکتا ہے جو ایک ناسمجھ بچے کے پھول کے توڑنے مروڑنے سے اُس کی ماہیت سے وہ آگاہ ہو مگر وہ بچہ پھول کی ماہیت سے تو واقف نہ ہُوا لیکن پھول کی ہستی مٹ گئی۔ دوستو! اللہ تعالیٰ نے یہ ساری کائنات پیدا کی اور وہی ابدالآباد تک اس کا نگران و ناظم و محافظ ہے اور تمام عالم میں جو کچھ بھی موجود ہے وہ اسی کا ہے اور اس کی ہی اُس پر حکمرانی ہے وہ اپنی مخلوق پر ہر

لحاظ سے قادر اور مختار ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ ذات و صفات میں ہر لحاظ سے بے مثل ہے۔ عزیزو! اللہ تعالیٰ پر یقین محکم پیدا کرو اور اللہ تعالیٰ کی رضا والی زندگی بسر کرو۔ تم دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب ہو جاؤ گے۔

آفرینش عالم قبل آدمؑ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ : اَیْنَ کَانَ رَبُّنَا قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ قَالَ کَانَ فِیْ عَمَآءٍ ۔ مَا تَحْتَہٗ ھَوَآءٌ وَّ مَا فَوْقَہٗ ھَوَآءٌ وَّ خَلَقَ عَرْشَہٗ عَلَی الْمَآءِ۔ ترمذی

مرحلہ اوّل۔ ابو رزین العقیلی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحابہ کرام نے دریافت فرمایا۔ یا رسول اللہ! ہمارا پروردگار اپنی مخلوقات کے پیدا کرنے سے قبل کہاں تھے؟ آپ نے فرمایا۔ عما میں تھا کہ نہ اس کے نیچے ہوا تھی نہ اُس کے اُوپر ہوا تھی اور اس نے پانی پر اپنا عرش پیدا کیا۔ (رواہ الترمذی) موجودہ تورات۔ ابتدا میں خدا نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔ زمین ویران اور سنسان تھی اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا تھا اور خدا کی رُوح پانیوں پر جنبش کرتی تھی اور خدا نے کہا کہ اُجالا ہو اور اُجالا ہو گیا۔ خدا نے اُجالے کو دیکھا کہ اچھا ہے اور خدا نے اُجالے کو اندھیرے سے جدا کیا۔ اور خدا نے اُجالے کو دن کہا اور اندھیرے کو رات سو شام اور صبح پہلا دن ہُوا۔ اور خدا نے کہا کہ پانیوں کے بیچ فضا ہووے اور پانیوں کو پانی سے جدا کرے۔ تب خدا نے فضا کو بنایا اور فضا کے نیچے کے پانیوں کو فضا کے اوپر کے پانیوں سے جدا کیا اور ایسا ہی ہو گیا۔ (پیدائش آیات ۱-۷)

اُوپر والی حدیث شریف میں مرتبہ عماء کو اہل اللہ کی اصطلاح میں مرتبہ احدیت کہتے ہیں۔ اس میں حضورؐ نے تین باتیں فرمائیں۔ ایک یہ کہ مخلوق کی پیدائش سے پہلے صرف اللہ کی ایک اکیلی ذات تھی اور کچھ نہ تھا۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ نے ذرا اور وضاحت سے یوں فرمایا ہے کہ کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ مَّعَہٗ شَیْءٌ وَّھُوَ کَانَ الْاٰنَ کَمَا کَانَ یعنی پہلے بس اللہ تعالیٰ کی ایک اکیلی ذات تھی اس کی ذات کے ساتھ کوئی شَے نہیں تھی وہ تھا۔ اب بھی ویسا ہے جیسا اس وقت تھا۔ اور جب کائنات پیدا نہیں ہوئی تھی اور اب جبکہ کائنات پیدا ہوئی ہے اس کی ذات میں کوئی تغیر نہیں آیا۔ ذات باری تعالیٰ کی صفت اس وقت بھی قدیم تھی اور اب بھی قدیم ہے۔ دُوسری بات یہ فرمائی کہ خدا عما میں تھا۔ عما کی تفصیل ذرا غور طلب ہے۔ اس کا مفہوم بعض کے نزدیک بادل اور بعض کے نزدیک خلا۔ عدم۔ نیز اندھیرا کے ہیں۔ مگر اندھیرے کے معنی زیادہ مناسب ہیں۔ یعنی عماء

سے ایسی منظری کیفیت مراد ہے کہ خلوت اور تنہائی بھی ہو کہ دوسرا موجود نہ ہو اور وقت بھی کچھ ایسا ہو جیسا صبح کے اندھیرے اور جھٹ پٹے کا وقت کہ نہ اندھیرا ہی ہو اور نہ تیز روشنی۔ اندھیرا تو اس لیے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات نور ہی نور ہے، جہاں وہ ہوں وہاں اندھیرے کا کیا ذکر۔ اور تیز روشنی اس لیے نہیں کہ روشنی کی ضرورت تو اشیاء کو دیکھنے اور پہچاننے کے لیے ہوتی ہے اور جب وہاں غیر خدا کچھ تھا ہی نہیں تو تیز روشنی بے ضرورت ہوتی اسی مفہوم کو اندھیرے سے تعبیر کیا گیا ہے اس تعبیر میں اہلِ ہنود کا منوشاستر اور تورات بھی متفق ہیں اگر عما کا مطلب خفا لیا تو اس صورت میں عما کی تفسیر ایک دوسری حدیث کُنْتُ کَنْزاً مَخْفِیاً یعنی قبل تخلیق مخلوقات حق تعالےٰ ایک خزانہ تھے جو خفا میں تھا بہرحال اللہ تعالےٰ کے عما میں ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ مخلوقات کی پیدائش سے پہلے حق تعالےٰ کی ذات بالکل اکیلی اور دوسری کوئی چیز نہ تھی۔ عرش بھی نہ تھا، پانی بھی نہ تھا۔ اللہ تعالےٰ کی جملہ صفات کمال بھی خفا میں تھیں جس طرح گٹھلی درخت میں یا گٹھلی میں درخت کی پوشیدگی کی صورت ہوتی ہے اور عالم یا اشیاء وغیرہ کے بجائے خلا و عدم تھا مگر چونکہ انسانوں کے لیے خلا کا تصوّر دشوار تھا حتیٰ کہ بعض نے خلا کو محال کہہ دیا۔ اس لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ توضیح بھی فرما دی کہ نہ اس کے اُوپر ہوا تھی اور نہ اس کے نیچے ہوا تھی بس خلا ہی خلا۔ خفا ہی خفا اور عدم ہی عدم تھا چونکہ عقل انسانی اس سے زیادہ حق تعالیٰ کی ذات کو سمجھنے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی اس لیے حضرت شارعؑ نے اتنی اطلاع دے کر مستقل طور پر ممانعت فرما دی۔ لَاتَفَکَّرُوْا فِی ذَاتِ اللّٰہِ۔ اللہ کی ذات پاک کے بارے میں زیادہ غور و فکر ہرگز نہ کرنا تیسری بات یہ فرمائی کہ خدا نے اپنا عرش (تخت) پانی پر پیدا کیا۔ اس میں جس پانی کا ذکر فرمایا ہے وہ کوئی خاص پانی تھا یہ آج کا مادی پانی نہ تھا وہی پانی اس وقت کی کائنات اور سلطنت تھا۔ بہرحال یہ عما بادل، کہر، دھند لکے، خلا۔ عدم غیرا کی کیفیت پہلی شان تھی۔ یہ شان نہ معلوم کب سے چلی آتی تھی اور نہ معلوم کتنی مدت تک رہی اس وقت حق تعالیٰ کو یہی محبوب تھا کہ تنہا رہیں ایک زمانہ تک عما اور خفا کی شان رہی پھر شان بدلی اور ایک خاص پانی اور عرش پیدا ہُوا۔ ہم اس کو شانِ اوّل میں داخل سمجھتے ہیں۔ بہرحال اس شان (مرحلہ) کے اندازہ کے لیے ہزار اور لاکھ برس کے قیاسات محض فضول ہیں اس کی صحیح ایمانی تعبیر یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیش اور

اور ازل سے موجود ہے عدم نہ اس پر طاری ہوا اور نہ اس پر سابق ہُوا۔ جل جلالہٗ وعزّ شانہٗ

دوسرا مرحلہ :- اب اللہ تعالےٰ کی تجلیاتِ جمال اور تعلیاتِ کمال نے ظہور کا اور پہچانے جانے کا خُود تقاضہ کیا اور حق تعالےٰ کو منظور ہوا کہ شان تبدیل ہو۔ یہ پہلا تقاضائے ظہور تھا۔ اس کا ذکر اس حدیث قدسی میں ہے کہ۔ کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق۔ یعنی میں پہلے ایک خزانہ کثیر المنفعت تھا مگر وہ سارا نفع بالکل پردہ خفا میں تھا کیونکہ میرے سوا کسی کا وجود ہی نہ تھا۔ تو میں نے خود ہی چاہا کہ کوئی دوسرا ہو جو مجھے پہچانے اور میرے منافع گوناگوں سے مستفید ہو تب میں نے تمام مخلوقات کو اپنی قدرت سے اپنی حکمت کے مطابق درجہ بدرجہ ترتیب وار پیدا کیا۔ گویا حق تعالیٰ کے حسن وجمال۔ جود وبخشش۔ وکرم وکمال نے مزید خفا اور عما کی حالت میں رہنا خود گوارہ نہ کیا اور ظہور ونمود کے لیے تقاضا کرنا شروع کیا اس مرحلہ پر حق تعالیٰ نے چاہا کہ نور بڑھے اور پہچاننے والے بھی موجود ہوں اور وہ پردہ نشین ازل۔ وہ خلوت گزین عما۔ اور وہ قدیم کنزِ مخفی پہچانا جائے تو حبّ ذاتی کا تقاضا ہوا تو حق تعالیٰ نے اپنے نورِ مطلق سے پہلے نورِ محمدیؐ کو پیدا فرمایا۔ حدیث میں وارد ہے اول ما خلق اللہ نوری۔ قادرِ مطلق خدائے برتر کی قدرت وصنعت کا یہ پہلا نمونہ تھا اس لیے وہ شاہکار قابل حمد تھا۔ بے مثل تھا اور بے نظیر تھا۔ وہ نور تھا جامع۔ کامل اور محمود۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت کو ظاہر کرنا چاہا تو پوری قدرت اور پوری حکمت پورے اتقان اور پورے اطمینان سے اپنے پہلے ہی نمونہ کو اپنا شاہکار بنایا۔ پھر چونکہ اللہ تعالیٰ کو منظور یہ تھا کہ بہ لحاظ کمال معرفت حق اور بہ لحاظ کمال حُسنِ خُلق غرض کہ ہر طرح سے کامل ترین اور ہر لحاظ سے سب سے زیادہ قابل تعریف بشر صرف ایک ہی ہستی کو بنایا جائے جو عرب کے ہاشمی گھرانہ میں پیدا ہوا اس لیے اللہ تعالےٰ نے اپنی صفت محمدیت کے اندر جمع اشیاء واعیان کی پیدائش سے بہت قبل بلکہ ارواح انبیاء کی تخلیق سے قبل حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی کی تجویز وتعین فرمائی اور اسی مرتبہ جمع میں اس ہستی مجوّزہ کو دیکھ لیا اور ان کو مخاطب بنا کر فرمایا لولاک لما خلقت الدنیا (ابن عساکر) یعنی اللہ تعالےٰ نے فرمایا اے ہستیِ محمدیؐ چونکہ میں اپنی صفت محمدیؐ کا سب سے بڑا مظہر اور اپنی جامعیت کا سب سے بہتر نمونہ آپ کو بنانا چاہتا ہوں اس لیے اگر آپ نہ ہوتے تو میں اس دنیا کو پیدا نہ کرتا۔ بس دوستو! یہ یاد رکھو کہ نورِ حق سے جلنے والا پہلا چراغ مخلوقات میں سب

سے اوّل مخلوق نورِ محمدیؐ ہے اور اللہ کا نور قدیم غیر مخلوق ہے اور نورِ محمدیؐ مخلوق ہے اور بغیر نورِ محمدیؐ کے اللہ تعالےٰ کی معرفت نہیں ہوسکتی۔

تیسرا مرحلہ:۔ اس کے بعد اللہ تعالےٰ کی شان نے پھر تبدیل ہونا چاہا اور اس کی تجلیات جمال اور تعیّات کمال نے مزید ظہور کا تقاضا کیا (اور یہ دوسرا تقاضا تھا) توحق تعالیٰ نے اس نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک جوہر (اور بروایت دیگر ایک سبز یاقوت) پیدا فرمایا اور اس پر ہیبت و جلال کی ایک نظر ڈالی جس سے وہ پگھلنے لگا پھر حق تعالیٰ نے اُس سے دس حصّے فرمائے ایک حصہ سے قلم دوسرے سے لوحِ محفوظ تیسرے سے کُرسی چوتھے سے ملاءِ اعلیٰ کے فرشتے حضرت جبرائیل۔ میکائیل۔ عزرائیل۔ اسرافیل اور دیگر ان کے محکموں کے بے شمار فرشتے پانچویں سے ارواحِ انسانی چھٹے سے جنّت ساتویں سے دوزخ آٹھویں سے موالید ثلثہ۔ نویں سے ارواح عناصر اربعہ۔ دسویں سے ملاءِ اسفل کے فرشتے اور ارواحِ جن۔ مادہ اسی مرحلہ پر پیدا ہُوا اس مرحلہ سے قبل کی چیزیں مادہ نہ تھا اور نہ اس وقت تک زمین و آسمان، چاند۔ سُورج۔ پہاڑ اور دریا بنے تھے۔ اس مرحلے پر آکر جنّ و انس کی توصرف ارواح اور عناصر و موالید کی ارواح پیدا ہوئیں اور ملاءِ اعلیٰ کے فرشتے پیدا کیے گئے (جو رُوح بلا مادہ ہیں) اس پُوری جماعت کو قرآن نے الروح کہا۔ پس یہی وُ مرحلہ ہے جو مدعیان عقل اور پرستاران مادہ کے لیے پھسلنے کی جگہ اور وبال جان اور خطرہ ایمان بن گیا۔ اس لیے اسی مرحلہ پر حق تعالیٰ نے ایک جوہر کو پیدا کیا جو اشیاءِ عشر کا گویا مادہ تھا اور اُن اشیاءِ عشر میں موالیدُ عناصر کو پیدا فرمایا جو گویا زمین و آسمان کا اور ان کے متعلقات چاند۔ سُورج۔ پہاڑ۔ دریا وغیرہ کا مادہ بنے یہ مادہ جو مخلوق تھا عقل کے بندوں اور رُوح کے اندھوں کی نظر میں خالق بن گیا۔ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالیٰ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ۔ فلاسفہ کے نزدیک یہ ہے کہ خدا نے پہلے عقل اوّل کو پیدا کیا۔ پھر اسی کے توسط سے عقل دوم کو پھر اس سے عقل سوم کو اسی طرح عقول عشرہ کو پیدا کیا۔ شاید وہ یہی دس چیزیں ہوں جن کا منبع و مصدر وہی جوہر اور سبز یاقوت نکلتا ہے جو حق تعالیٰ کی نظر ہیبت سے پگھل کر کئی حصّے ہوگیا۔ واللہ اعلم۔

چوتھا مرحلہ: اس مرحلہ پر حق تعالےٰ نے جن چیزوں کو چاہا پیدا کیا۔ انھیں کے ساتھ ارواح انبیاء علیہم السلام کو بھی پیدا فرمایا۔ لوحِ محفوظ پر تقادیر خلق لکھیں اس موقع پر دوام واقعات

پیش آئے ۔ ایک یہ کہ لوح محفوظ پر انبیا علیہم السلام کی ارواح کے متعلق یہ فیصلہ تحریر فرمایا کہ آئندہ مخلوق کی ہدایت کے لیے دنیا میں پیغمبر بھیجے جایا کریں گے اور سلسلہ ختم رسالت پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام رسالتوں کے یکجا مجموعہ کے ساتھ سب کا خازن امین بنا کر بھیجا جائے گا۔ اس طرح اسی وقت جب کہ آدم علیہ السلام کا پتلا بھی نہیں بنا تھا۔ حضور نبی اکرمؐ کی روح پاک کو اس بزم رسالت کی صدارت اور کاروانِ انبیاء علیہم السلام کی قیادت حاصل اور متعین ہو گئی۔ دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی تمام ارواح کو جمع فرما کر اُن سے یہ میثاق لیا کہ جب میں تم کو دنیا میں بھیج دوں تو تم اور تمہاری اُمت پر یہ ذمہ داری ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور عہد کریں چنانچہ ارواح انبیائے اکرام نے اقرار کیا اور اس عہد پر آپس میں ایک دوسرے کے گواہ بنے اس واقعہ سے حضور کے رُتبہ عالی کی پہچان اور آپ کی روحِ پاک کی عظمت معلوم ہوتی ہے یہ تو عالم ارواح میں ہوا دوسری بار عالم ناسوت اور اجسام میں بھی انبیاء کو موقع دیا گیا۔ شب معراج میں مسجد اقصیٰ میں سب نے حضور سے ملاقات کی اور آپ کی اقتداء کی ان کی امتوں کے لیے قیامت تک موقع دیا گیا ہے۔

پانچواں مرحلہ:۔ اس کے بعد حق تعالیٰ کی تجلیاتِ جمال اور تعلیات کمال نے مزید ظہور کا تقاضا کیا اور یہ تیسرا تقاضا تھا تو اللہ تعالیٰ نے عناصر اربعہ کی ارواح کی طرف توجہ فرمائی اور اُن میں سے سب سے پہلے پانی کو پیدا فرمایا وہ پانی یہی آج کا مادی پانی ہے۔ چونکہ بقیہ اشیاء بلکہ خود تینوں عناصر بھی اسی پانی سے پیدا کیے گئے اس لیے فرمایا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (انبیاء) یعنی ہم نے ہر ذی حیات کو پانی سے پیدا کیا۔ غرض نہ معلوم کتنی مدت تک دنیا میں صرف ایک ہی عنصر رہا اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہُوا تو کچھ پانی کو ہلکا اور لطیف بنا کر ہوا کو پیدا کیا نہ معلوم کتنی مدّت تک دنیا میں صرف یہی دو عنصر پانی اور ہوا رہے تورات اور اہلِ ہنود کا منو شاشتر کی مذکورہ عبارتوں میں اسی مرحلہ کا ذکر ہے۔ اس کے بعد جب خدا کو منظور ہوا اس وقت آگ اس طرح پیدا ہوئی کہ ہوا عرصہ تک پانی میں تموّج ہیجان پیدا کرتی رہی۔ لہروں کے تصادم سے رفتہ رفتہ حرارت پیدا ہوئی اور پھر بعد میں چل کر آگ بنی اس حرارت سے دھوئیں (نیبولا) اور انجرے بنتے اور اٹھتے رہے پھر جب اللہ کو منظور ہُوا اس وقت خاک اور مٹی اس طرح پیدا ہوئی کہ پانی

کے نیچے گاد اور تلچھٹ بنتی اور اکٹھی ہوتی رہی (تفسیر حقانی جلد دوم ص۱۴۴)۔ سائنس کے ماہرین کہتے ہیں کہ پانی دو ہواؤں (آکسیجن۔ ہائیڈروجن) سے بنا مگر مذہب سے حاصل شدہ اطلاعات اس کی تردید کرتی ہیں۔ تورات کی عبارت یہ ہے۔ پانیوں کے بیچ میں ہوا بنانا چاہا۔ اہل ہنود کے شاستر میں ہے کہ اوّل جل کو پیدا کیا۔ قرآن حکیم میں ہے کَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ اور جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ۔ غرض تینوں مذاہب میں یہی اطلاع ہے۔ اس کے اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ سائنس کے ہاں چار سے زیادہ عناصر مانے جاتے ہیں اور یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے، کہ مسئلہ چار عناصر میں پہلے کون سا عنصر پیدا ہوا۔ اہل سائنس کے قول میں سخت اختلاف ہے ان کے ہاں اس مسئلہ کے نظریات مغز سر کا آماس تو بن سکتے ہیں مگر نہ سکونِ قلب کی آس بن سکتے ہیں اور نہ علم و تحقیق کی پیاس بجھا سکتے ہیں۔ مذہب ہی اطمینان کا ضامن ہے۔ غرضیکہ نہ جانے کب تک دنیا میں یہ چاروں عناصر اپنی سادہ ابتدائی شکلوں میں رہے پھر جب اللہ کو منظور ہوا۔ پہلے زمین کے مادّے کی طرف توجہ فرمائی اور اسے حکم دیا کہ ائْتِیَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا۔ اے زمین تو اس طرح بنکر پیدا ہونے اور اُبھرنے کو تیار ہو جا، چاہے خوشی سے چاہے ناخوشی سے تجھے اس اس انتظام کے ساتھ بننا پڑے گا۔ تو اس نے عرض کیا۔ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ۔ حضور! جی بچا ہنے کا کیا ذکر! میں بخوشی حسب الحکم بننے اور ابھرنے کو حاضر ہوں۔ چنانچہ وہ ایک خاص مدت میں جیسے قرآن حکیم نے فِیْ یَوْمَیْنِ (۲ دن میں) فرمایا ہے اس طرح بنی کہ خدا نے پانی کے نیچے کی گاد اور تلچھٹ کو ٹھوس بنا کر پانی سطح سے اُوپر اُبھارا۔ آج جس جگہ خانہ کعبہ ہے اس جگہ پہلے اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا جس کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانے۔ بہرحال عرش کو اسی کی سیدھ میں بہت بلندی پر اوپر اٹھا لیا گیا۔ اور پانی کے نیچے سے سب سے پہلے اسی جگہ کی زمین اُبھر کر نمودار ہوئی اسی وجہ سے اسے کعبہ کہا گیا ہے جس کے لغوی معنی ابھری ہوئی چیز کے ہیں۔ غرض کہ زمین اُبھری، اور سوکھتی اور ٹھوس بنتی رہی۔ یہ ہے زمین کی پیدائش کا حال جو مذہبی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پانی سے بنی۔ لیکن اس کے مقابلہ میں اب سائنس کا دعوےٰ ملاحظہ فرمائیں کہ زمین سورج کا ایک ٹکڑا ہے جو بہت پہلے سورج سے ٹوٹ کر گر پڑا پھر سینکڑوں برس میں وہ ٹھنڈا ہوا وغیرہ وغیرہ اس سے سورج کا زمین سے پہلے بننا ثابت ہوا ہے جو مذہبی روایات کے خلاف ہے اور اس

سے زمین کی اصل کا گرم ہونا معلوم ہوتا ہے۔ یہ بھی مذہب کی معلومات کے خلاف ہے۔ مذہب تو زمین کا اصل پانی کو بتاتا ہے جو ٹھنڈا ہوتا ہے۔ زمین کو اسی حال میں چھوڑ کر حق تعالےٰ نے آسمان بنانا چاہا۔ وہ دھوئیں اور انجرے جو پانی، ہوا اور حرارت سے اٹھتے تھے اور ہوا پر بے ترتیب جمع تھے ان کو بھی حق تعالیٰ نے وہی حکم دیا کونی وائیتی طوعاً او کرھاً۔ تو وہ بھی ایک خاص مدت میں جسے قرآن نے فی یومین (دو دن میں) فرمایا۔ ان تمام لوازم کے ساتھ جن کا حکم ہوا تھا مکمل بن کر حاضر ہو گیا۔ یعنی سات جداگانہ بلند ٹھوس دلدار تہیں ان میں حسب منصوبہ ازلی۔ ملاء اعلےٰ کے فرشتے جن کی تعداد بجز خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ سات ستارے شمس، قمر، مریخ، عطارد، زہرہ، مشتری اور زحل ہر ایک کا جداگانہ محور۔ تاریک رات، روشن دن۔ بے انتہا چھوٹے بڑے ثوابت جو فضا میں کچھ غیر مرئی کارخانے۔ دوستو! ہم فضا میں اس طرح گھرے ہوئے ہیں جس طرح آبی جانور سمندر میں اور ہماری ہر حرکت اور صوتی تموج ہمارے احساس و خیال اس فضا میں قائم رہتے ہیں۔ خواہ ہم مر بھی جائیں یا زندہ رہیں جیسے کسی مرنے والے کی تصویر یا آواز کا ریکارڈ یا فلم۔ کیونکہ ہمارے اطراف میں جو فضا ہے وہ جذب و انعکاس کی زبردست قوت رکھتی ہے۔ اور کائنات میں ایتھری لہروں کا حیرت انگیز سلسلہ قائم ہے جس کی وساطت سے ہماری آہیں اور دعائیں حضور باری تک جاتی ہیں اور ایتھر میں لاتعداد مخفی طاقتیں غیر مرئی رہتی ہیں۔ جس میں سے ایک کارخانہ عکس پذیر ایتھر ہے وہ ہر انسان کے قول و عمل کو ریکارڈ کی طرح محفوظ کر رہا ہے اور دوسرا عالم مثال و برزخ کا کام کر رہا ہے جو خواب میں نظر آتا ہے۔ تیسرا کارخانہ آسمان سے بارش کی اوّلی پاکر خود اسے پیتا ہے پھر زمین پر بارش کرتا ہے۔ جن کو خداوند کریم نے السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کے ساتھ وَمَا بَيْنَهُمَا کے مبہم مگر شاندار لفظ میں فرمایا۔ غرض یہ کام تیسرے اور چوتھے دن یعنی اتوار اور پیر کے دن زمین کا مادہ بنا اور دو دن منگل۔ بدھ کو آسمان بنا پھر دو دنوں جمعرات، جمعہ میں زمین جب کہ حسبِ منشا سوکھ چکی اور اپنے اندر غذائی اور معدنی ذخائر امانت رکھنے کے قابل بن گئی تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو پھر حکم دیا کہ اب تو فلاں فلاں انتظام کے ساتھ بن کر تیار ہو جا۔ تو وہ ایک خاص مدت میں جس کی تعبیر قرآن حکیم نے "فی یومین" سے اور جس کی تعیین اہل سیر نے جمعرات اور جمعہ سے کی۔ حسبِ منشا خداوندی بن کر تیار ہو گئی۔ یعنی زمین کی سات جداگانہ مستقل تہیں، پہاڑ، دریا، سمندر

پانی کی سوتیں، دھات کی کانیں۔ طرح طرح کے کیڑے اور چوپائے۔ قسم قسم کی غذائیں، زمین کہیں کہیں زرخیز کہیں سبزہ زار و گلزار۔ کہیں جنگل و اشجار۔ کہیں ٹیلے کہیں غار وغیرہ۔ مگر یہ دو دن انسانی تقویم کے دو دن (۴۸ گھنٹے) نہ سمجھ لینا۔ بلکہ یہ دو دن خدائی تقویم کے ہیں۔ خدائی تقویم میں ایک دن انسانی کے ایک ہزار برس کے برابر ہے پس زمین و آسمان کی تخلیق جو چھ دنوں میں ہوئی وہ ہماری تقویم کے لحاظ سے چھ ہزار برس میں ہوئی اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ کُن کے لفظ میں سُرعت اور عجلت نہیں ہے بلکہ مطلب ہی یہ ہے کہ تو اپنے کل لوازم کے ساتھ اپنی معیاد مُقدرہ مدت میں بن کر تیار ہو۔ انسانی بچہ کی پیدائش بھی کُن سے ہوتی ہے مگر اس میں بھی نو ماہ عرصہ لگ جاتا ہے۔ غرض کہ جب اللہ تعالیٰ نے اتوار سے جمعہ تک چھ دنوں میں اپنی منشا و مشیت کے موافق سات آسمان سات زمینیں۔ سات سیارے بنا لیے تو ہر ایک کے متعلق الگ الگ مگر ضروری کام بھی مُقرر فرما دیے مثلاً سُورج کی اور زمین کی گردشوں سے متعلق تو یہ کام کیا کہ روشن دن اور تاریک رات ظاہر ہوا اور پھر دن میں صبح۔ دوپہر۔ سہ پہر۔ شام۔ رات کی ضروری اور ایک دوسرے سے ممتاز تعتیم اوقات کر دی اور چونکہ ان اوقات میں اللہ تعالیٰ شان ممتاز و محسوس طور پر بدل جاتی ہے اس لیے حق تعالیٰ کی کبریائی۔ ربوبیت۔ عظمت۔ علو اور الوہیت کا استحضار کر کے اپنی اپنی زبانوں میں تسبیح، تکبیر، تحمید اور استغفار کیا کریں۔ ان ہی اوقات میں تمام ہر جگہ زمین و آسمان میں تمام مخلوقات خدا کی حمد و تسبیح کر رہی ہیں۔ اس لیے تم بھی ان وقتوں میں خدا کی تسبیح و تحمید کیا کرو یعنی نماز پڑھا کرو۔ کیونکہ نماز تسبیح و تحمید و تکبیر پر مشتمل ہے۔

چھٹا مرحلہ: بہر حال جب زمین کا فرش۔ پہاڑوں کے میر فرش۔ آسمان کی چھت، سُورج کی مشعل، چاند کا چراغ، ستاروں کے قمقمے، درختوں کی چھتریاں، سمندروں کے حوض، دریاؤں کی نالیاں۔ ہوا کا پنکھا۔ ابر کا سقا۔ پھلوں کی غذا۔ پھولوں کا گلدستہ۔ کان کا خزانہ۔ جانوروں کا عجائب خانہ پُوری رونق کے ساتھ بن کر تیار ہو گیا تو حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اہل نظر آئیں اور اس نمائش کا افتتاح کیا جائے۔ حق تعالیٰ کی تجلیاتِ جمال کا ظہور و نمود کے لیے یہ سچا تقاضا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے خاک کی مخلوق (انسان) کی پیدائش سے قبل آگ کی مخلوق (جن) اس زمین پر بستی تھی۔ وَالْجَانَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ یعنی ہم نے آدم سے پہلے جان کو لُو کی آگ

دگرم ہوا سے پیدا کیا تھا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ آدم سے اس دنیا میں جان اور اس کی ذرّیت کو پیدا فرمایا۔ بہرحال جن نہ معلوم کتنے عرصہ تک اس فضا میں رہے۔ ان میں اچھے بھی تھے اور بُرے بھی۔ اللہ تعالیٰ نے غلط کار جنّوں کی ہدایت کے لیے انھوں میں سے اچھے جنّوں کو وقتاً فوقتاً پیغمبر بھیجتے رہتے تھے تاکہ اُن کی اصلاح ہو۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے ایک پیغمبر کا نام یوسف بھی تھا۔ سرکش جنّوں نے اسے قتل کر دیا تھا۔

سا تواں مرحلہ: جب جنّوں کی سرکشی اور نافرمانی بہت بڑھ گئی تو حق تعالےٰ کو منظور ہوا کہ عالمِ عنصری میں ایک شاہکار کی تخلیق فرمائیں۔ اس کے لیے تین حکم نامے جاری کیے۔ پہلا حکم فرشتوں کو ہُوا تم زمین پر جاؤ اور تمام مُفسد اور سرکش جنّوں کو قتل کر دو۔ اس لیے کہ انھوں نے زمین میں بہت اُدھم مچا رکھی ہے۔ دوسرا حکم فرشتوں کے نام یہ جاری ہُوا کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَہ یعنی اب مَیں زمین میں اپنا ایک خلیفہ نائب بنا کر بھیجنا چاہتا ہوں۔ یہ حکم نامہ سُن کر کچھ مقرب فرشتوں نے باادب عرض کیا۔ آپ کیا زمین میں پھر کسی ایسی مخلوق کو پیدا فرمائیں گے جو فساد کرے اور خون بہائے تو حق تعالےٰ نے فرمایا میں اس کا حال تم سے زیادہ جانتا ہوں تیسرا حکم فرشتوں کے نام یہ ہُوا۔ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ۔ فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ۔

## تخلیقِ آدم علیہ السّلام

گزشتہ مراحل کے بعد حق تعالیٰ کی تجلیات جمال و تعینات نے مزید نمود و ظہور کا تقاضا کیا۔ یہ پانچواں تقاضا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عزرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ تم جا کر زمین کے حصّوں سے ہر قسم کی تھوڑی سی مٹی لے کر آؤ۔ چنانچہ وہ سُرخ۔ سپید۔ کالی۔ بھُوری ہر قسم کی مٹی لے کر آئے حق تعالیٰ نے اپنے مبارک ید سے آدم کا پتلا بنایا اس پُتلے کو اپنی صُورت کا یعنی کمالات کا عکس و پرتو۔ اپنی صفات کا مظہر اور نمونہ تیار کیا یہ پُتلا دوسرے جانوروں کے جسم اور سانچوں سے الگ ایک جداگانہ سانچہ اور خاص نمونہ تھا۔ ساٹھ ہاتھ لمبا تھا۔ اسے خیر و شر کا مجمع البحرین۔ جلال و جمال کا سنگم اور معرفتِ نفس و معرفتِ حق دونوں کا ذوق شناس بنایا آدم کا پُتلا مکمل ہونے پر جو کچھ مٹی بچ رہی تھی اس سے کھجور کا درخت پیدا فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ اسے حدیث میں انسان کے مشابہ درخت فرمایا

گیا بلکہ ایک روایت کے الفاظ تو یہ ہیں کہ اکرموا عمتکم النخلة فانها من بقیة طینة آدم (جامع صغیر) یعنی اپنی پھوپھی یعنی کھجور کو عزت کی نگاہ سے دیکھو کیونکہ آدم سے بچی ہوئی مٹی سے وہ بنائی گئی ہے۔ بہرحال آدم کا پتلا بنا کر روح پھونکنے سے قبل اسے کچھ عرصہ تک پڑے رکھا۔ ابلیس اسے دیکھ دیکھ کر بہت گھبراتا تھا اس نے پتلے کو چاروں طرف سے گھوم کر دیکھا پھر بدن کے اندر گھس کر بھی دیکھا اس کے بعد فرشتوں سے کہا کہ میں نے اسے جانچ پرکھ کر دیکھ لیا ہے یہ تو اندر سے کھوکھلا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے گا۔ اگر یہ کبھی میرے پالے پڑ جائے گا تو میں خوب خوب اسے پچھاڑوں گا تم لوگ بھی اس سے دبنا نہیں (ابن کثیر) اس کے بعد حسب قول آدم جنت میں تنہا رہتے جہاں چاہتے گھومتے۔ مگر کچھ کھوئے کھوئے ہوئے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر کچھ غفلت طاری کر کے ان کے بائیں پہلو سے ایک ٹیڑھی پسلی نکال کر اپنی قدرت اور حکمت سے اس سے ایک حسین وجمیل عورت (حوا) کا قالب تیار کر کے اس میں جان ڈال دی اور عمدہ لباس سے آراستہ فرما کر آدم کے پاس بٹھا دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا تم کون ہو؟ جواب ملا "آپ کی بیوی"۔ پوچھا تمہارا نام۔ جواب ملا حوا۔ کہ آپ کے زندہ جسم سے میں پیدا کی گئی۔ پوچھا۔ آخر تمہارے آنے کا مقصد؟ جواب ملا "آپ کی دلبستگی"۔

## لا اِلٰہ اِلّا اللّٰہ محمّد رسول اللّٰہ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ کلمہ ایک اقرار نامہ ہے جو بندہ اپنے رب سے کرتا ہے کہ اے اللہ میں تیرا بندہ اور غلام ہوں۔ میں تیرے احکام کو دل وجان سے مانوں گا اور اس پر عمل کروں گا اور جن چیزوں سے تُو نے منع کیا ہے ان سے بچوں گا۔ یہ ایک عہدنامہ ہے جس طرح کوئی شخص فوج میں ملازمت کے لیے جاتا ہے تو اس کو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ میں حاکم کا حکم مانوں گا اور اس پر عمل کروں گا۔ دوستو اگر وہ اقرار کے بعد حاکم کا حکم نہ مانے تو آپ کو پتہ ہے کہ اس کی کیا سزا ہوتی ہے۔ کلمہ طیبّہ پڑھنے کے بعد بندہ کے ذمّہ خدا کے حکموں کو پورا کرنا، اور حرام کاموں کو چھوڑنا ضروری ہو جاتا ہے اگر زبانی رسمی کلمہ پڑھنا ہوتا تو کفار مکّہ بھی پڑھ لیتے۔ اور جس طرح پورے کلمہ طیبہ میں کوئی نقطہ نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق

نہیں اور جس طرح اللہ جل جلالہٗ عم نوالہٗ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا حق تعالےٰ کی خوشنودی اور ذریعہ نجات، دین و دنیا کی فلاحی زندگی بسر کرنے کا کوئی راستہ نہیں۔ یہ کلمہ طیبہ دین کی اصل ہے۔ ایمان کی جڑ ہے۔ جتنا بھی اس کا ذکر اور اس کے مقاصد کے لیے سعی کی جائے گی اتنا ہی ایمان کی جڑ مضبوط ہو گی۔ ایمان کا دارومدار اسی کلمہ طیبہ پر ہے اور کلمہ پڑھنے کے بعد بندہ کے ذمہ خدا کے احکام کو پورا کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ ان احکام میں سے پہلا حکم نماز ہے۔ نماز پڑھنا ایمان کی علامت ہے۔ نماز سب اعمال سے افضل ہے اور احادیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز ہی کا حساب لیا جائے گا۔ اگر نماز ٹھیک نکلی تو کامیاب اور بامراد ہو گا ورنہ آخرت کی نعمتوں سے محروم ہو گا۔ اسلام میں نماز دین و دنیا کی فلاح اور اتحاد و اخوت یکجہتی کا بہترین ذریعہ ہے۔ غور فرمائیں کہ شہر کے ایک محلہ میں دن رات پانچ مرتبہ نماز کے لیے جمع ہوتے ہیں اور اس موقع پر اہل محلہ اپنے ایک دوسرے کے دینی اور دنیوی مسائل اور دیگر محلہ کے فلاحی امور کے متعلق از روئے شریعت مطہرہ حل تلاش کر سکتے ہیں پھر آٹھ دن تک بعد نماز جمعہ کو سب محلے جمع ہو کر اپنے شہر کا حل سمجھنے اور باہمی تعاون سے اپنی مشکلات کو دور کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد سال میں دو مرتبہ نماز عید کے موقع پر اپنے ملک کی فلاح و ترقی کے مسائل سوچنے اور سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے بہترین مواقع ہیں اور سال میں ایک مرتبہ نماز حج کے موقع پر جبکہ دنیا کے تمام مسلم ممالک کے مفکرین جمع ہوتے ہیں اس موقع پر اپنے اپنے ملک کے مسائل اور ایک دوسرے کی ضروریات اور دین اسلام کی تبلیغ، فروغ اور مسلمانوں کی اصلاح کے لیے خالص دینی بنیاد پر مسلمان اکابرین کو کوشش کرنی چاہیے ان کے علاوہ نماز جنازہ کا اجتماع اور دیگر تہجد، اشراق، چاشت کی نمازیں بھی ہیں اگر حضور کی پوری امت اجتماعی طور پر نماز پر عملی رنگ کی صورت میں جمع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ خاص رحمتیں مسلمانوں پر نازل ہوں گی اور دین و دنیا کی کامیابی ان کے قدم چومے گی مگر آجکل نماز دوسری عبادات کی طرح ایک رسم سی بن کر رہ گئی ہے۔

## اللہ رؤف الرحیم ہے

اس کی رحمت اس کے غضب سے بڑھی ہوئی ہے یہ تحریر اس کے ساتھ عرش پر موجود ہے انسان کو خدائے پاک کی ذات کا تعارف ربوبیت کے ذریعہ سے ہوا مگر ربوبیت کی اصل روح رحمت

ہی ہے اس واسطے سورۃ فاتحہ میں ربّ العالمین کے بعد رحمٰن و رحیم کی صفت کا ذکر آیا اور قرآن حکیم میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا صدہا بار تکرار اور اللہ کے بعد رحمٰن، غفار، رؤف، ودود، حنّان جو لفظ ہیں وہ رحم و کرم، لطف و مہر کے معنی میں صفت مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اگر رحمت نہ ہوتی یہ تربیت نہ ہوتی۔ بلکہ کائنات کی پیدائش ہی اللہ کی رحمت کا ثمر ہے۔ رحمت ہی کا یہ جوش تھا کہ رحمٰن نے بالقصد نور و ظلمت سے ایک مرکب مخلوق انسان کو پیدا کیا تاکہ وہ گناہ کرے اور جب وہ بھولنے سے بھی استغفار کے لیے ہاتھ اٹھائے تو رحمت کو بخشش کا بہانہ مل جائے انسان گناہ کر کے شرمندہ ہوا کرے اللہ غفور الکریم اس کو معاف کر کے فخر کیا کرے۔ ؎

ہر حسن کو خواہش ہے طلب گار ہو کوئی — ہر جنس کی خواہش ہے خریدار ہو کوئی
یونہی تری رحمت بھی خداوند جہاں کے — اس فکر میں رہتی ہے گنہگار ہو کوئی

رحمت کی سبقت کا یہ مطلب ہے کہ نزول قہر کے لیے سبب درکار ہے مگر رحمت کو سبب کا انتظار نہیں اس لیے رحمت ہمیشہ غضب سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ کتبہ اس لیے عرش پر رکھا گیا ہے کہ اس کے نیچے بسنے والی مخلوق مطمئن رہے کہ اس کے مقدمہ کی سماعت آئین رحمت کے تحت ہو گی۔ صفت انتقام یا صرف صفت عدل کے تحت نہ ہو گی۔ ؎

تو اگر مجھے نوازے تو ترا کرم ہے ورنہ — تیری رحمتوں کا بدلہ میری بندگی نہیں ہے

اور بندہ جتنا اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس سے زیادہ اللہ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت بے حساب ہے۔ جو از خود اس میں نہ آئے یہ اس کا قصور ہے رحمت کی وسعت کا نہیں۔ اگر ایک مکان میں سو آدمیوں کی گنجائش ہے مگر اس مکان میں آنے والے صرف پچاس آدمی ہی ہوں تو اس میں مکان کی وسعت کا قصور نہیں یہ نہ آنے والوں کی کوتاہی ہے لہٰذا وہ خود ہی اگر نہ آئے تو یہ ان کی بدنصیبی ہے ؎

عصیاں سے کبھی ہم نے کنارہ نہ کیا — پر تو نے دل آزردہ ہمارا نہ کیا
ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر — لیکن تیری رحمت نے گوارا نہ کیا

(۱) حدیث قدسی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں بندہ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں

جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں بس اگر وہ اپنے دل میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ میرا ذکر مجمع میں کرتا ہے تو میں اس مجمع سے بہتر یعنی فرشتوں کے مجمع میں تذکرہ کرتا ہوں اگر بندہ میری طرف ایک بالشت متوجہ ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اگر وہ ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ متوجہ ہوتا ہوں۔ اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابو ہریرہ تم جانتے ہو کہ اللہ کا لوگوں پر کیا حق ہے۔ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتا ہے۔ فرمایا اللہ کا حق لوگوں پر یہ ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور جب وہ ایسا کریں تو اس پر یہ حق ہے کہ پھر ان کو عذاب نہ دے۔ بعض احادیث میں درج ہے کہ اصحاب نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ اجازت ہو تو یہ خوشخبری اور لوگوں کو بھی سنا دوں۔ فرمایا نہیں کہیں وہ اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ نہ رہیں۔

(۳) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی آئے ان میں ایک عورت نظر پڑی جو اپنا بچہ تلاش کرتی پھرتی تھی۔ جونہی اس کو بچہ ملا اسی وقت اس نے اٹھا کر سینے سے لگایا اور دودھ پلانے لگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا تمھارا کیا خیال ہے۔ کیا یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں ڈال سکتی ہے ہم نے عرض کیا خدا کی قسم نہیں بالخصوص جبکہ اس کو آگ میں ڈالنے کی کوئی مجبوری نہ ہو۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے زیادہ پیار ہے بہ نسبت اس عورت کے۔ بچہ پر دوسری حدیث میں ہے۔

(۴) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم ایک غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے آپ کا ایک قوم پر گزر ہوا تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کون لوگ ہو؟ وہ بولے مسلمان: ان میں ایک عورت اپنی ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہی تھی اس کے ساتھ اس کا بچہ تھا۔ جب آگ کا شعلہ اٹھتا وہ اپنے بچے کو ایک طرف ہٹا لیتی۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور بولی۔ رسول اللہ آپ ہی ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا میں ہی ہوں۔ وہ بولی میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ کیا خدا الرحمٰن الرحیم نہیں؟ آپ نے فرمایا بے شک ہے۔ اس نے کہا کیا خدا اپنے

بندوں پر زیادہ مہربان نہیں بہ نسبت ایک ماں باپ کے اپنے بچوں پر. فرمایا بے شک ہے۔ اس نے کہا ایک ماں تو اپنے بچّہ کو آگ میں نہیں ڈال سکتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا سر مُبارک جھکا لیا اور رو پڑے پھر سر اٹھایا اور فرمایا خدا اپنے بندوں میں سے کسی کو عذاب نہیں دیگا مگر صرف اس سرکش کو جس کی سرکشی خدا کے ساتھ بھی قائم ہے جو لا الہ اللہ کہنے کو تیار نہیں (ابن ماجہ)

## رحمتِ دو عالمؐ

حضور پُر نور وجہ تخلیق کائنات، محسنِ اعظم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے دین کی مثال اس طرح ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا میری مثل اس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی جب اس نے ارد گرد کو خوب روشن کر دیا تو پروانے اور کیڑے جو آگ میں گرا کرتے ہیں اس میں گرنے لگے وہ انھیں روک رہا ہے مگر پروانے اسے عاجز کر کے آگ میں گھسے جا رہے ہیں۔ اسی طرح میں بھی ہوں کہ تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تمھیں دوزخ سے بچا رہا ہوں اور تم ہو کہ اس میں گھسے جاتے ہو (بخاری) مسلم نے بھی اس کے ہم معنی روایت کی ہے اس کے آخر میں یہ لفظ ہیں۔ کہ میری اور تمھاری مثل یہ ہے میں تمھاری کمر پکڑے ہوئے (کہہ رہا) ہوں دوزخ سے بچو۔ دوزخ بچو۔ تم مجھے عاجز کر کے اس میں گھسے جاتے ہو۔ (متفق علیہ)

## محبتِ رسُولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معدن برکت امام اوّلین و آخرین کو تمام جہاں سے محبوب رکھنا مدار ایمان و مدار نجات ہے اور جب ایمان کا دار و مدار نجات ہوا تو جس مومن کے دل میں سرور دو عالم کی محبت کامل ہو گی اس ایمان بھی کامل ہو گا۔ ورنہ ناقص۔ اور اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مطلقاً نہ ہو گی تو وہ ایمان سے محروم ہو گا۔ محبت کوئی ایسی شئے نہیں جو ظاہر ہو اس کا تعلق دل سے ہے، اور ظاہر ہے کہ دلوں کا حال ہمیں معلوم نہیں ہو سکتا۔ ایسی صورت میں ہم کس کو اہل محبت قرار دے کر مومن سمجھیں اس الجھن کو دور کرنے کے لیے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ارشاد ربانی کو مشعل راہ بنائیں گے اس معیار سے جو بندہ متبع سُنّت اور پابند شریعت ہو گا وہی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا مُحب اور صحیح معنوں میں مومن ہو گا مگر شرط یہ ہے کہ یہ عمل اتباع محض نفاقی نہ ہو بلکہ مدعی کے دل میں آقا دو جہاں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک محبت ہر شئے سے بڑھ کر ہو تب ہی سچّا مومن بن

سکتا ہے (۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن آپ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا بے شک میرے نزدیک آپ سوائے اپنی جان کے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں حضور نبی اکرم صلعم نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ اپنی جان سے بھی زیادہ مجھے محبوب نہ جانے۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب قرآن نازل فرمایا یقیناً آپ میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عمر! اب تم کامل ایمان دار ہو گئے (بخاری کتاب ایمان) (۲) آنحضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی اس وقت تک ایمان میں کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے دل میں میری محبت اس کی اولاد، والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو (بخاری کتاب ایمان) (۳) صحیح بخاری و مسلم میں متعدد مقامات پر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک اصحابی نے حضور اکرم کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا۔ یا رسول اللہ قیامت کب آئے گی۔ فرمایا تم نے اس کے لیے کیا سامان کر رکھا ہے۔ انھوں نے نادم ہو کر شکستہ دلی سے عرض کی کہ یا رسول اللہ! میرے پاس نہ تو نمازوں کا ذخیرہ ہے نہ روزوں کا اور نہ صدقات و خیرات کا۔ جو کچھ سرمایہ ہے وہ صرف اللہ کی محبت اور رسول کی محبت ہے اور بس"! فرمایا۔ تو انسان جس سے محبت کرے گا اسی کے ساتھ رہے گا۔ اصحابہ نے اس بشارت کو سن کر اس دن بڑی خوشی منائی (مسلم کتاب الآداب) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث انس رضی اللہ عنہ میں فرمایا مَنْ اَحَبَّنِی کَانَ مَعِی فِی الْجَنَّۃ جو کوئی مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ دوسری حدیث میں اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ ہر شخص کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ دوستو! کمال محبت یہ ہے کہ محبوب کی رضا میں فنا ہو جائے اور ایمان کا مقصد دل کی اصلاح ہے اگر دل درست ہوگا تو سب درست ہو گیا۔ اسلام کا سب سے پہلا حکم ایمان ہے ایمان کی سب سے بڑی خاصیت اور علامت حُبِ الٰہی ہے اور محبت کے حصول کے دو ذریعے ہیں ایک ایمان دوسرا عمل صالح۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مومنوں میں اس کا ایمان سب سے زیادہ کامل ہے جس کے اخلاق سب سے زیادہ اچھے ہیں۔ حسن اخلاق کا اساسی مرکز اللہ کی محبت ہے اور اس کے بعد اسی محبت الٰہی کے ضمن اور اتباع میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم کی محبّت جس کی ہدایت اور تعلیم کے وسیلہ سے جوہر ایمان ہم کو ملا۔ آپ کی محبّت کے سامنے دوسری دُنیاوی محبتیں، قربت اور رشتہ داریاں سب ہیچ ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضُور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لوگو! خدا سے محبت کرو کہ وہ تمھیں اپنی نعمتیں عطا کرتا ہے اور اسی کی محبت کے سبب سے مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کے سبب سے میرے اہل بیت سے محبّت کرو (مشکوٰۃ مناقب اہل بیت) دوسری حدیث میں ہے کہ جب تک ایمان نہیں تب تک جنّت میں داخلہ نہ ہوگا۔ جب تک آپس کی محبّت نہیں تب تک ایمان نہیں اسی طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک مومن نہ ہو اور ایک دوسرے سے محبت نہ کرو میں تم کو ایسی چیز بتاتا ہوں کہ اگر اس پر عمل کروگے تو آپس میں محبت بڑھے گی۔ ایک دوسرے کو سلام کیا کرو (ابوداؤد کتاب الآداب)

## اسمِ مقدس

حضور پُر نور شمع کائنات آقائے دوجہاں کا اسم پاک محمدؐ ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) جس کے معنی ہیں بہت تعریف کیا گیا۔ مدح وثنا کیا گیا۔ خالق کل نے قرآن حکیم میں آنحضرت نُورِ مجسّم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا فرمائی اور غور کا مقام ہے کہ دُنیا میں حضور کا مبارک نام سب سے بڑھ کر اور سب سے زیادہ کروڑہا انسانوں کے دلوں اور زبانوں پر جاری وساری ہے۔ مساجد میں اذانوں اور نمازوں میں آپؐ پر درود وسلام کا ذکر رواں ہے اور اس کرّہ ارضی پر لیل ونہار ہر لمحہ ہر ساعت اور کائنات کا ذرّہ ذرّہ آپؐ کا ثنا گستر و مدح خواں ہے اور حضور کا مقدس اسم گرامی احمدؐ بھی ہے جس کے معنی حمد کرنے والا کے ہیں یہ بھی اسی سرچشمہ حمد سے نکلا ہے۔ دونوں میں منبع دماخذ کے اعتبار سے اتحاد تام ہے حمد کے معنی تعریف کرنے والا کے ہیں۔ کہ حضُور نے ریت کے ذرّات اور بارش کے قطروں سے بڑھ کر اپنے رب اور مالک وخالق اور رازق معطی کی حمد وثنا پھیلائی ہے۔ ؎

محمدؐ وہ ہے جس کی حمد و نعت کل جہاں نے سب سے بڑھ کر کی ہے
احمدؐ وہ ہے جس نے کل کائنات سے بڑھ کر اپنے رب کی حمدُ ثنا کی ہے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ نے اپنی پہچان کرائی۔ صنّاع کی کاری گری مصنوع سے پہچانی جاتی ہے۔ عالم کا زور علمی اس کے اعلیٰ شاگرد سے معلوم ہوتا ہے اسی

طرح خدائے عظیم الحکیم کا کمال محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال میں نظر آتا ہے۔ کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مظہر ذات وصفات ہیں اور اللہ تعالےٰ کی قدرت اور علم و سخاوت اور کرم غرضیکہ تمام صفات کا نظارہ کرنا ہو تو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لو اور حضور محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو معدن ذات احدیت کے وہ بے مثل اور بے مثال لعل درخشاں اور یاقوت تاباں ہیں، جس سے صفات ربانی کی روحانی شعاعیں چھن چھن کر کائنات کو منور کر رہی ہیں۔

مُحمد بشر لا کا البشر        بل مثل یاقوت بین الحجر

محمد صلعم انسان ہیں لیکن بشروں جیسے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ ایسے ہیں جیسے پتھروں کے درمیان یاقوت ہوتا ہے دنیا کا یہ سب سے بڑا ہادی اور خدا تعالےٰ کا سب سے بڑا برگزیدہ انسان جس کی جبین تابناک سے نور حقیقت کی کرنیں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہیں جس سے ہر مقابل چیز اپنی فطری استعداد اور صلاحیت کے مطابق ان نورانی کرنوں سے اکتساب فیض کر رہی ہے غرض کہ حضور نور مبین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کی زندگی کا ہر حصہ دنیا کے لیے راہنمائی اور رہبری کے لیے مشعل راہ اور ایک عظیم معجزہ ہے جس کی مثال ناممکن ہے۔ لہذا رب العالمین بے مثل اور رحمت العالمین بے مثل مخلوق ہیں اور رب العزت غفور الرحیم ہیں اور پیارے محمد مصطفےٰ رؤف الرحیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ الوہیت میں بے مثل و بے مثال ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسالت میں بے مثل و بے مثال ہیں۔

یارب تو کریمی و رسول تو کریم        صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

حضور شہنشاہ کونین کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا اور حضور سرور دو عالم ہادی کل کی اُمت كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ کے بہترین درجے میں ہے اور اسلام کی یک جہتی ساری دنیا کے لیے باعث رحمت ہے۔

## محبت اور فطرت

اللہ تعالےٰ کی ہستی کا اعتراف انسانی فطرت کی آواز ہے انسان کو چاہیے کہ رب جلیل کی ذات اور ربوبیت عامہ پر اعتقاد رکھے جو تمام ادیان سماویہ اور عقائد حقہ کی اصل بنیاد ہے اور اللہ تعالےٰ کا قرب حاصل کرنا ہی مقصود زندگی ہے۔ قرب کے لیے محبت ضروری ہے بغیر محبت کے قرب حاصل نہیں ہو سکتا۔ خدائے ودود کی محبت اور قرب کا ذریعہ نقش اول توحید و رسالت کا یقین کامل اور عقائد

کی پختگی وعمل صالحات کی مسلسل مشق ہے۔ پھر یقین کی پختگی قلب کو وہ شرف عطا کرتی ہے جو ارض و سما بھی اس کی قیمت نہیں ہو سکتے۔ نور ایمان و یقین کی خوبی مالک حقیقی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور عمل صالح ایمان کو تقویّت پہنچاتے ہیں اور اس کے ذریعہ سے انسان کو سربلندی حاصل ہوتی ہے۔ اور بندہ صراطِ مستقیم تلاش کر لیتا ہے۔ صراطِ مستقیم دکھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے دو نعمتیں نازل فرمائیں۔ ایک قرآن پاک کی تعلیم اور دوسری نعمت جو اپنی نوعیّت کے اعتبار سے بے مثل ہے وہ حضرت محمدؐ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ زندگی گزارنے کے طریقے اور ان طریقوں کو سمجھانے اور اس پر عمل کر کے دکھانے کے لیے ایسے شفیق اور رؤف الرحیم رسُول کو مبعوث فرمایا، جس کی زندگی خلق عظیم کی تفسیر تشریح ہو کر رہتی دُنیا تک راہ نُما بن کر پیش رہے گی۔ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مُبارک کو حکیم مطلق نے اُسوۂ حسنہ سے تعبیر فرمایا۔ حضور صلعم نے اپنی حیات طیبہ کا کوئی گوشہ ایسا نہ چھوڑا جو امّتِ مرحومہ کے لیے مشعلِ راہ نہ ہو۔ حضور اکرمؐ کی زندگی بندۂ مومن کے لیے اُسوۂ حسنہ ہے اور یہی نمونہ محبّت ہے اور حضورؐ کی محبت ہی سرمایہ حیات ہے اور مقصُودِ زندگی ہے اور یہی تخلیق کا منشا ہے اور یہی حیات اور لطفِ حیات ہے اگر محبّت نہیں تو حیات بھی نہیں۔

عطا کی گئی مجھ کو ہر چیز فانی ۔۔۔ مگر ایک محبّت ملی جاودانی

محبت رُوح کا ایک رُخ ہے۔ رُوح کو زوال نہیں لہٰذا محبّت کو بھی زوال نہیں۔ مادہ قوت ضعف جوانی و پیری کے رنگ بدلتا ہے مگر محبت ہمیشہ نشاط کے اعلیٰ اسباب پر رہتی ہے۔ عزیزو! میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اپنے خالق و رازق خدائے رحیم و رحمٰن کو پہچاننا انسان کی فطرت میں داخل ہے اللہ تعالیٰ نے ابتداء عالم ارواح میں تمام رُوحوں سے عہد اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی لیا تھا اس لیے بنی نوع کا ہر دور میں عقیدہ ربوبیت پر متفق ہونا اس بات کی کھلی شہادت ہے اور یہ ایک فطرتی تقاضا ہے اس امر کو ایک تاریخی مثال ناظرین کے سمجھنے کے لیے یہاں درج کر رہا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔ ہمایوں جب اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کے حاصل کرنے کے لیے مارا مارا پھر رہا تھا کبھی سندھ کے ریگستانوں میں، کبھی بیھون کے علاقہ پاتر میں کبھی ایران میں، انہی گردش ایام میں امرکوٹ میں حمیدہ بانو کے بطن سے ۱۵۴۲ء میں اکبر پیدا ہوا۔ ہمایوں ایران چلا گیا اور اکبر اپنے چچا عسکری کے ہاتھ آیا جس نے اس کی پرورش کی اور حمیدہ بانو اپنے شوہر کے ساتھ قسمت آزماتی پھرتی رہی۔ ایک لمبے عرصہ کے بعد جب

ہمایوں شاہ سوری کو شکست دے کر دوبارہ دہلی پر قابض ہوا تو ماں اور بیٹے کی ملاقات ہمایوں نے اس طرح کرائی کہ آزمائش کے طور پر حمیدہ بانو کو چند ہم شکل عورتوں کے ساتھ ایک جیسا لباس پہنا کر ایک کمرے میں بٹھا دیا اور اکبر کو کہا کہ اپنی والدہ کے پاس جا کر بیٹھ جا۔ چنانچہ اکبر کمرے داخل ہوا اور ہر ہر ایک عورت کو غور سے دیکھتا رہا پھر اپنی والدہ حمیدہ بانو کو پہچان کر اس کی گود میں جا کر بیٹھ گیا۔ جو تعلق بدن کا مادر مشفق سے ہوتا ہے بعینہٖ وہی تعلق روح کا اپنے خالق حقیقی سے ہوتا ہے اور یہ امر قابل ذکر ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ہر شے کی خلقت میں کچھ صلاحیتیں اور خاصیتیں ودیعت فرمائی ہیں دودھ پینے والے جانور پیدا ہوتے ہی ماں کے تھنوں کی طرف لپکتے ہیں اور وہ اپنے کھلانے پلانے والے سے لپٹے رہتے ہیں۔ انسان کا بچہ محبت مادر میں مستغرق رہتا ہے اور آغوش مادر کی جستجو کے لیے مجبور ہے۔ بکری گوشت نہیں کھاتی۔ بلی گھاس نہیں چباتی۔ خشکی کے جانور خشکی میں رہتے ہیں اور خشکی میں غذا تلاش کرتے ہیں اور پانی کے جانور پانی میں رہتے ہیں لیکن سب پر غالب آنے والی لافانی اور زبردست محبت ہی ایک عظیم قوت ہے جو فطرت کو بھی بدل دیتی ہے۔ انسان تو انسان حیوانات میں بھی محبت اثر کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔ یہاں پر دو تاریخی واقعات پیش خدمت کرتا ہوں۔

۱:۔ ایک بار پہلوان بہاء الدین برق انداز نے ایک لنگور کے بچے کو ایک بکری کے ساتھ پیش کر کے عرض کی کہ میرے ایک ترچی نے ایک لنگور کی مادہ کو جو سینے سے اپنے بچے کو لپٹائے ہوئے تھی بندوق کا نشانہ بنایا۔ بندوق چلنے کے ساتھ ہی اس نے بچے کو سینے سے الگ کر کے ایک شاخ پر چھوڑ دیا اور خود زمین پر گر کر مر گئی۔ اسی اثنا میں میں وہاں پہنچ گیا اور بچے کو شاخ سے اتار کر دودھ پلانے کے لیے ایک بکری کے پاس لے گیا۔ خدا نے بکری کو اس پر مہربان کر دیا اگرچہ دونوں کی جنس الگ الگ تھی باہم دونوں میں اس قدر محبت ہو گئی ہے کہ گویا یہ بچہ بکری کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ جہانگیر نے یہ سن کر حکم دیا کہ بکری کو بچے سے جدا کر لیں۔ بچے کے جدا ہونے کے ساتھ ہی بکری نے چلانا شروع کر دیا اور لنگور کا بچہ بھی بے قرار ہو گیا جہانگیر اس واقعے کے بعد لکھتا ہے کہ دودھ پینے کی غرض سے لنگور کے بچے کی محبت چنداں تعجب انگیز نہیں۔ البتہ بکری کی محبت بہت زیادہ حیرت انگیز ہے

(ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے ج ۱ ص ۱۸۲)

۲:۔ ایک بار شاہزادہ داور بخش نے اس کی خدمت میں ایک شیر نر پیش کیا، جو ایک

بکری کے ساتھ اس قدر مانوس ہوگیا کہ دونوں ایک پنجرے میں رہتے تھے جہانگیر نے حکم دیا کہ اس بکری کو چھپادیں، شیر نے چیخنا چلانا شروع کر دیا پھر حکم دیا کہ اسی رنگ روپ کی دوسری بکری پنجرے میں داخل کریں، شیر نے پہلے اس کو سونگھا، پھر اس کی کمر توڑ دی۔ اب حکم دیا کہ بھیڑ کو پنجرے میں ڈالیں، شیر نے اس کو بھی چیر پھاڑ ڈالا، پھر اس بکری کو لائے جو اس کے ساتھ رہتی تھی حسب دستور سابق شیر الفت و محبت کا اظہار کرنے لگا، چت لیٹ گیا اور بکری کو سینے سے چمٹا کر اس کا منہ چاٹنے لگا۔ ناظرین! دیکھا آپ نے محبت کے کرشمے۔

(ہندوستان کے مسلمان حکمران کے عہد کے تمدنی جلوے ج ۱ ص ۱۸۳)

صاحبو! قدرت نے ہر مخلوق کو کسی نہ کسی مقصد کے لیے پیدا کیا ہے۔ کسی کی تخلیق کا یہ مقصد نہیں کہ وہ کھاتا پیتا رہے۔ کھانا پینا تو زندگی کے قائم رکھنے کا ذریعہ اور سبب ہے۔ انسان کی زندگی کا مقصد اللہ کی عبادت ہے۔ عزیزو! یہ دنیا دارالعمل ہے دارالقیام نہیں یہ دنیوی نعمتیں دو گھڑی کی دھوپ اور چار دن کی چاندنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کی محبت کے لیے تمام اعمال میں سے بہترین عمل نماز پنجگانہ ہے بندہ پانچوں وقت خلوص نیت سے تزکیہ نفس کے لیے بارگاہ خداوندی میں صلحا کے ساتھ حاضر ہوتا رہے تو ضرور محبت کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے اور جذب و سرور کی منزل تک پہنچ جاتا ہے تو نماز قائم کرنا اور غور و فکر سے قرآن حکیم کی تلاوت کرنا صحبت صلحا اور نیک اعمال کی مشق کرنا اور اپنے دل کو بری خواہشات کی گندگی سے پاک و صاف رکھنا اور اپنے آپ کو شرع محمدی کے تابع کرنا اور اپنے آپ پر قابو پانا ہی کامیاب زندگی ہے۔

## عظیم معجزات

زمانہ اپنے وقت میں جس علوم و فنون میں انتہائی کمال و ترقی کر جاتا ہے تو اللہ قوی العظیم اس زمانے میں اس علم و فن کے مطابق ایک ایسا روشن حجۃ و برہان معجزہ کی صورت میں اپنے پیغمبر کو عطا فرماتے ہیں چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی ہدایت اور خدا پرستی کی تعلیم و تلقین کے لیے مبعوث فرمایا۔ اس زمانے میں ان کی قوم کواکب و نجوم کے اثرات کو ان کے ذاتی اثرات سمجھتی اور ان کو مؤثر حقیقی سمجھ کر اللہ واحد کی جگہ ان کی پرستش کرتی تھی اور ان کا سب سے بڑا دیوتا سورج تھا چونکہ وہ روشنی و حرارت کا منبع تھا اسی بنا پر کرہ ارض میں آگ کو اس کا مظہر مان کر اس کی پرستش کی جاتی تھی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم

ان کے دلائل وبراہان سے لاجواب ہوکر بت پرست حاکم ورعایا نے مادی طاقت کے گھمنڈ پر دہکتی آگ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جھونک دیا تو خالق اکبر نے کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا کہہ کر اپنی قدرت کا عظیم الشان معجزہ دکھایا جس سے باطل کے ایوان میں زلزلہ پیدا ہوگیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سحر مصری علوم وفنون میں زیادہ امتیازی شان رکھتے تھے۔ مصریوں کو فن سحر میں کمال حاصل تھا۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ کے ساتھ ید بیضا اور عصا جیسے معجزات دیے گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصری جادوگروں کے مقابلہ میں جب ان کا مظاہرہ کیا تو سحر کے تمام ارباب کمال اس کو دیکھ کر یک جان ہوکر پکار اٹھے بلاشبہ یہ سحر نہیں یہ تو اس سے جُدا اور انسانی طاقت سے بالا تر مظہرہ ہے۔ خدائے برحق نے اپنے سچے انبیائے کرام کی تائید کے لیے ان کے ہاتھوں برکر دیا ہے۔ کیونکہ ہم سحر کی حقیقت سے بخوبی واقف ہیں اور یہ کہہ کر انھوں نے فرعون اور قوم فرعون کے سامنے بے خوفی کے ساتھ اعلان کر دیا کہ ہم آج سے موسیٰ اور ہارون کے خدا قوی المتین ہی کے پرستار ہیں۔

اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں لوگوں میں آہنگیری کی صنعت اور خوش آوازی کے کمال میں ترقی کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو زبور کے ساتھ نبوت وحکومت دونوں سے نوازا تھا وہ علم وحکمت کے صفات سے متصف تھے اور جب خدائے ودود الجلیل کی تسبیح بڑی خوش الحانی سے پڑھتے تو ان کے وجد آفریں نغموں سے نہ صرف انسان بلکہ جانور اور پرندے بھی وجد میں آجاتے اور آپ کے ارد گرد جمع ہوکر حمد خدا کے ترانے گاتے اور سُریلی اور پُرکیف آوازوں سے تسبیح وتقدیس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی ہمنوائی کرتے اور شاہنشاہی کے باوجود اپنے اہل وعیال کی معاش کے لیے لوہے کی زرہیں بناتے اور خدائے عزیز الحکیم نے لوہے اور فولاد کو بغیر آگ میں رکھنے اور کوٹنے پیٹنے کے ان کے ہاتھ میں موم جیسا نرم ہوجاتا تھا اور حضرت داؤد علیہ السلام اس لوہے سے زرہیں بناتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں جابرین کو انتہائی عروج حاصل تھا۔ اللہ مالک الملک نے آپ کو ایک عظیم الشان حکومت عطا کی جو کائنات میں کسی کو نصیب نہیں ہوئی اور ان کے زیرنگیں صرف انسان ہی نہیں بلکہ جن، چرندے، پرندے، ہوا بحکم خداوند تعالےٰ اُن کے تابع ومطیع تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام منطق الطیر کہ چرندوں اور پرندوں کی بولیاں اس طرح سُنتے اور سمجھتے تھے جیسا کہ ہُدہُد کے واقعہ سے ظاہر ہے اور ہوا کو ان کے حق میں مسخر کر دیا تھا۔ ہوا ان کے حکم کے اس طرح تابع

تھی کہ شدید اور تیز ہونے کے باوجود اُن کے حکم سے نرم اور آہستہ روی کے باعث راحت ہو جاتی
تھی اور نرم رفتاری کے باوجود اس کی تیز روی کا یہ عالم تھا کہ حضرت سلیمان کا تخت ایک ماہ کے
شہسوار کا سفر چند گھنٹوں اور منٹوں میں طے کر لیتا تھا۔ گویا تخت سلیمان انجن اور مشین جیسے اسباب ظاہرہ
سے بالاتر صرف خداوند قادر مطلق کے حکم سے ایک بہت تیز رفتار ہوائی جہاز سے بھی زیادہ تیز مگر سبک
رفتاری کے ساتھ ہوا کے کاندھے پر اڑا چلا جاتا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد بیت المقدس
اور شہر کی تعمیر تجدید کرائی اور جنوں کی تسخیر کی وجہ سے یہ بے نظیر اور شاندار تعمیر ہوئی جس میں ایسے دیو ہیکر
بڑے بڑے بیش قیمت حسین پتھر دُور دُور سے منگوا کر ان کو بلندیوں پر پہنچا کر باہم اتصال پیدا کیا گیا جس سے
عقل حیران رہ جاتی ہے۔ بیضاوی نے اسرائیلی روایت کی نقل کی ہے کہ قوم جن نے تخت سلیمان کو اس
کاریگری سے بنایا تھا کہ تخت کے نیچے دو زبردست اور خونخوار شیر تھے اور دو گدھ معلّق تھے اور جب حضرت
سلیمان تختِ حکومت پر جلوہ افروز ہونے کے لیے تخت کے قریب تشریف لے جاتے تو دونوں شیر اپنے
بازو پھیلا کر بیٹھ جاتے اور تخت نیچے ہو جاتا اور وہ بیٹھ جاتے تو شیر پھر کھڑے ہو جاتے اور فوراً ہیبت ناک
گدھ اپنے پروں کو پھیلا کر سر مبارک پر سایہ فگن ہو جاتے تھے۔ غرض کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو خدا
تعالیٰ نے بہت بڑی عظیم الشان اور بے مثل سلطنت سے نوازا تھا ملکہ سبا جیسی شخصیت کو اس کے تابع
بنایا۔ ان تمام باتوں کے باوجود حضرت سلیمان علیہ السلام اس دولت و حکومت کو مخلوق خدا کی خدمت
کے لیے امانت الٰہی سمجھ کر ایک رتی اپنی ذات پر صرف نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی روزی ٹوکریاں بنا کر حاصل
کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت عیسٰے علیہ السلام کے زمانہ میں علم طب اور علم الطبیعات کا بہت چرچا تھا۔ یونان
کے اطباء اور فلاسفر جالینوس۔ ارسطو۔ افلاطون۔ سقراط۔ بقراط وغیرہ کی طب و حکمت کا دوسرے ممالک کے
طب کے اکابرین پر بہت زیادہ اثر انداز تھی کیونکہ صدیوں سے بڑے بڑے طبیب اور فلسفی اپنی حکمت و
دانش اور کمالاتِ طب کا مظاہرہ کر رہے تھے مگر وہ خدائے واحد القہار کی توحید اور دین قیّم کی تعلیم سے
محروم تھے۔ اللہ جل شانہٗ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو بن باپ پیدا فرمایا اور انجیل مقدس کے ساتھ
زمانہ حال کے مطابق اُن کو معجزات سے نوازا وہ خدائے محی المیت کے حکم سے مُردے زندہ کرتے، اور
اندھوں کو بینا کرتے اور جذامی کو جذام سے نجات دلاتے تھے اور مٹی کے پرندے بناتے جن میں اللہ

حیّ القیوم کے حکم سے جان پڑجاتی تھی اور وہ یہ بتادیا کرتے تھے کہ کس نے کیا کھایا اور اُن کے دست
سے مایوس مریض شفایاب ہو جاتے تھے۔ آخر میں آقائے نامدار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں
عرب میں علم الکلام کا خاص کمال عروج پر تھا۔ خدائے عظیم و برتر نے قرآن عزیز جیسا بے مثل زندہ ابدی
معجزہ حضور پُرنور نبی اُمّی کو عطا فرمایا کہ اس معجزے کی بنا پر دنیا کو ڈنکے کی چوٹ پر چیلنج دیا جو رہتی دنیا تک
چیلنج رہے گا کہ کوئی شخص چھوٹی سے چھوٹی ایک آیت ہی پیش کرے جو قرآن حکیم کی ایک آیت سے لگا
کھا سکے۔ اُس وقت ہزاروں فصحا و بلغا عرب میں موجود تھے جن کے نغمہ ہائے فصاحت و بلاغت سے
عرب کا ریگستان چمن زار بنا ہوا تھا اس زمانہ جاہلیت میں فصاحت و بلاغت میں عرب کا وہ پایا تھا
کہ دوسرے ملک کو نصیب نہیں ہُوا۔ ان کو فنِ شاعری میں کس قدر مزاولت تھی کہ مہمات امور میں وہ فن کے
عجائبات بداہتہً ظاہر کیا کرتے تھے۔ محافل و مجالس پر فی البدیہہ خُطبے پڑھ دیا کرتے اور گھمسان کے
معرکوں میں طعن و ضرب کے درمیان رجز پڑھا کرتے تھے اور مطالب عالیہ کے حصول میں بھی اپنی سحر بیانی
سے کام لیتے تھے۔ اس فن سے وہ بُزدل کو دلیر، بخیل کو سخی، ناقص کو کامل، گمنام کو نامور اور مشکل کو آسان
کر دیتے تھے۔ جسے چاہتے مدح سے شریف اور ہجو سے وضیع بنا دیتے اور اسی سے کینہ دیرینہ دلوں سے
دُور کر کے بیگانے کو اپنا بنا لیتے اور انھیں یقین تھا کہ اقلیم سخن کے مالک اور میدان فصاحتُ بلاغت
کے شہسوار ہم ہی ہیں اور وہ یہ سمجھے ہُوئے تھے کہ کوئی کلام ہمارے کلام سے سبقت نہیں لے جا
سکتا۔ اس مقام پر بغرض توضیح قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت کے متعلق شہادتیں پیش کی جاتی ہیں
حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لبیدہ عرب کے سب سے زیادہ فصیح و بلیغ اور شاعر اور
سبعہ معلقہ کی بزم مشاعرہ کے رُکن تھے اس کی نظم خانہ کعبہ کے دروازے پر لٹکائی گئی۔ نہایت بلند پایہ
نظم کے سوا کسی معمولی نظم کو یہ عزت نصیب نہیں ہوتی تھی۔ کوئی دُوسرا شاعر اس کے مقابلہ میں اپنی نظم
پیش نہ کر سکا۔ لیکن جب اس کے پاس ہی قرآن کریم کی ایک آیت لکھ کر لٹکائی گئی تو خود لبیدہ (جو
پہلے بت پرست تھا)، اس آیت کے ابتدائی الفاظ ہی پڑھ کر ہی انگشت بدنداں رہ گیا اور بے ساختہ
تعریفی کلمات اس کی زبان سے نکل گئے اور فی الفور مسلمان ہو گیا اور اسلام کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ
عنہ نے اُن سے چند اشعار کی فرمائش کی تو انھوں نے جواب دیا۔ جب خدا نے مجھ کو بقرہ اور آل
عمران سکھائی تو مجھے شعر کہنا زیب نہیں دیتا۔ اسی طرح حسان بن ثابتؓ۔ عامر بن اکوعؓ۔ طفیل بن

عمرؓ۔ زید الجلیل ۔ زبرقان۔ شماس ۔ اسود بن سریع ۔ کعب بن زبیرؓ ۔ عبداللہ بن رواحہ وغیرہ عرب کے مشہور زبان آور شاعر تھے۔ مگر قرآن عزیز کے سامنے ان سب کا سر نیاز خم کیا اور اللہ تعالےٰ نے قرآن میں اعلان عام کیا ہے کہ کوئی اس قرآن کی مثال پیش کرے اور پھر خود ہی پیش گوئی کر دی ہے کہ دنیا ہمیشہ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز اور درماندہ رہے گی۔ لوگ قرآن کریم کی آیتیں سُن کر متاثر ہو جاتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل ایک سُورۃ کی چند آیتیں پڑھ کر اور سُن کر پتھر سے موم ہو گیا۔ نجاشی کے دور میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جب سُورۂ مریم کی تلاوت کی تو اس پر رقت طاری ہو گئی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے پھر کہا کہ خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں۔ غرض کہ اللہ جل شانہٗ کے کلام کی شیرینی اور نمکینی یہ تاثیر یہ تسخیر جو دوست و دشمن، موافق و مخالف، شاہ و گدا، عالم و جاہل، پیغمبر و اُمت سب کو یکساں فریفتہ کرتی ہے۔ یہ اعجاز نہیں تو کیا ہے۔ قرآن حکیم ایک عظیم معجزہ ہے اور بعض کے نزدیک فصاحت و بلاغت معجزہ ہے۔ بعض علمار کرام کہتے ہیں کہ قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ اس کے ہوتے ہُوئے تمام بلغائے عرب و عجم کی زبانیں اس کے مقابلہ میں گُنگ ہو گئیں۔ کسی نے وجہِ اعجاز یہ بتائی کہ انسانوں کے کلام بلند و پست۔ کامل و ناقص۔ صحیح و غلط ہوتے ہیں لیکن قرآن مجید اول سے آخر بلندی و کمال اور صحت کے لحاظ سے ایک نوعیت کا ہے۔ بعض کے نزدیک معجزہ یہ ہے کہ یہ کلام ایک اُمّی کی زبان سے نکلا اور بعض کے نزدیک وجہ اعجاز اس کی خارقِ عادت تاثیر اور قلوب انسانی کی تسخیر ہے اور بعض نے اس کے احکام تعلیمات اور ارشادات سمجھے ہیں۔ درحقیقت قرآن عزیز کے وجوہ اعجاز اس قدر کثیر ہیں کہ اس کا احاطہ نہیں ہو سکتا سچ تو یہ ہے قرآن کریم ایک بے مثل ضابطہ حیات ہے جس پر عمل کرنے سے انسان بیک وقت روحانی اور دنیاوی ترقی کر سکتا ہے اور جس میں جملہ علوم و فنون کما حقہٗ موجُود ہیں جس پر عمل کرنے سے سارے جہاں کی حکمرانی مل سکتی ہے اور آخرت میں ذریعہ نجات بن سکتی ہے۔ گویا کہ قرآن کریم دین و دُنیا کے علوم کا گنجینہ ہے۔ اِس کے اصل علوم تین ہیں۔ اوّل ذات حق تعالےٰ کی معرفت، دوم رضائے حق کی صُورتیں، سوم انسان کا انجام۔ پہلے علم میں اللہ تعالےٰ کی اسماء صفات، افعال کا علم داخل ہے اور اسی سلسلہ میں نبوّت سے بھی بحث ہے اس لیے عبد و معبُود کے درمیان یہی واسطہ ہے، دوسرے علم میں مساوات۔ معاملات داخل ہیں تیسرے علم میں موت اور اس کا احوال۔ قیامت اور اس کے مشتملات

جنت و دوزخ کے احوال داخل ہیں اس قسم میں ترغیب و ترتیب کی آیات اور وہ آیتیں جن میں نیکوں کی نجات، بدوں کے انجام کے واقعات بیان کیے گئے ہیں اور قرآن حکیم میں (۱) عبرت کے لیے پچھلی گزری ہوئی قوموں کی بیان اور آثار قدیمہ کے مشاہدے کا حکم اور نور ایمان و یقین کی تقویت کے لیے قوم ثمود، لوط اور نوح وغیرہ کے قصص کا تذکرہ (۲) تزکیہ نفس اور شریعت کے احکام۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ امر معروف نہی منکر، حلال و حرام۔ معاملات و حقوق العباد وغیرہ کا ذکر ہے (۳) اللہ تعالیٰ کے اشیاء کی پُراسرار حکمت جاننے کے لیے کائنات کی چیزوں کی فطرت کا مطالعہ کرنے کا اور اُن سے مفید کام لینے کا حکم ہے (۴) اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے زبان، دل، رُوح سے ذکر کرنے کی تاکید ہے۔

عزیز دوستو! اللہ تعالیٰ نے بے آب و گیاہ اور بے ثمر غیر زرعی سطح والی ارض مقدس عرب کو چار لاثانی نعمتوں سے نوازا۔ (۱) قرآن حکیم۔ جو مومنین کے لیے دین و دنیا کا مکمل ترین دستور اور ہدایت ربانی رحمت، نور اور شفا ہے۔ (۲) دوسری نعمت قرآنِ کریم کی عملی صورت ایک بے مثل ہادی اور نبیٔ رحمت اور صاحب شفاعت رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ (۳) تیسری نعمت رحمتوں، برکتوں اور ہدایتوں والا۔ ام القریٰ، امن والا اور اپنا گھر بیت اللہ بخشا۔ جس میں حجرِ اسود، طواف، سعی اور آب زمزم جو غذا و شفا والا معجزہ نما پانی ہے۔ جس کو ہزاروں سالوں سے دنیا کے لکھوکھا انسان روزانہ پیتے اور تصرف میں لاتے ہیں۔ اور لاکھوں ٹن حجاج اپنے ساتھ اپنے اپنے وطن لے جاتے ہیں۔ مگر اس بابرکت چاہ کے پانی میں ذرا بھی کمی نہیں ہوتی۔ اگر حضرت ہاجرہؓ ابتدا میں اس چشمہ کو نہ روکتیں تو یہ پانی زمین پر پھیل جاتا۔ (۴) چوتھی نعمت یہ کہ ایک زندہ و کامل اور نہایت شیریں اور فصیح و بلیغ عربی زبان بخشی جو تمام دنیا کی زبانوں کی ام السنہ ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے آخری دین اسلام اور توحیدِ خالص کے لیے منتخب فرمایا۔

عزیزو! وحی الٰہی سے ہی صحیح علم حاصل ہو سکتا ہے۔ قرآن حکیم کے معجزۂ علمیہ کو ملاحظہ فرمائیں:۔

(۱) **کرم منی**: اہل علم اکابرین نے خوردبین کے ذریعہ مشاہدہ کیا کہ انسان کی پیدائش انسانی مادہ منویہ کے نہایت چھوٹے چھوٹے تقریباً ۵/۱ انچ کرم منی (حیوانات المنویہ) سے ہوتی ہے۔ ان کیڑوں کی رسم حرکت و شکل جونک (دودۃ العلق) کی مانند ہوتی ہے۔ جس کا سر چپٹا لیکن نیزہ کی طرح نوکدار ہوتا ہے جس کے ذریعہ وہ عورت کے بیضۂ انثیٰ کے غلاف میں چھید کر کے اس کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔ جس سے حمل قرار پاتا ہے۔ اور جس وقت کرم منی بیضۂ انثیٰ میں داخل ہوتا ہے تو اسی وقت

بیضۂ انثیٰ کے سوراخ پر ایک پتلی سی جھلی آجاتی ہے تاکہ دوسرا کرم منی اس میں داخل نہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے آج سے تیرہ سو سال قبل جب کہ خوردبین کا وجود بھی نہ تھا، اپنے کلام پاک میں وددۃ العلق کو انسانی پیدائش کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝

**(۲) جنین کے پردے:** یورپ کے اہل علم نے صدیوں کے بعد یہ دریافت کیا کہ شکم مادر میں جنین پر تین پردے ہوتے ہیں وہ نہایت باریک جو قوی و تیز بصارت کے باوجود آنکھ سے دیکھنے پر بھی ایک باریک سی جھلی معلوم ہوتی ہے۔ ان تینوں طبقات کے نام یہ ہیں (۱) غشاء سنجابی (۲) غشاء الخوریون (۳) غشاء اللفائفی۔ وحی الٰہی کا علمی کمال دیکھیے کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا۔

یَخْلُقُکُمْ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ لَہُ الْمُلْکُ

ترجمہ۔ وہ تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تین تین تاریک پردوں کے اندر تمہیں ایک کے بعد ایک شکل دیتا چلا جاتا ہے۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے۔ بادشاہی اسی کی ہے (زمر) اس آیت میں خبر دی گئی ہے کہ جنین تین پردوں میں ہوتا ہے اور ان کا نام ظلمات رکھا ہے کیونکہ پردہ روکتا ہے نور و ضیا کو۔ بعض مفسرین نے ان ظلمات کو پیٹ۔ رحم اور مشیمہ بیان کیا ہے اور بعض کے نزدیک وہ غلاف بیضۂ انثیٰ سے پیدا ہونے والے وہ ابتدائی طبقات ہیں جن کو ڈاکٹری میں (۱) ایکٹوڈرم (۲) میسوڈرم (۳) اینڈوڈرم کہتے ہیں جن سے جنین کا جسم بنتا ہے)

**(۳) تلقیح بواسطۃ الریاح:** بعض درختوں کے اعضاء مذکر ہوائیں مؤنث کی طرف لے جاتی ہیں جیسے کھجور، انجیر وغیرہ جس سے درخت بارآور ہو جاتے ہیں۔ قرآن کریم نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَیْنٰکُمُوْہُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَہٗ بِخٰزِنِیْنَ۔

بارآور ہواؤں کو ہم ہی بھیجتے ہیں۔ پھر آسمان سے پانی برساتے ہیں اور اس پانی سے تمہیں سیراب کرتے ہیں اس دولت کے خزانہ دار تم نہیں ہو۔

## واقعات عالم سے اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا ظہور

یہ دنیا عجیب عبرت کدہ اور تغیر کا گہوارہ ہے اس انقلاب عالم نے صدہا ایسے واقعات پیش

کیسے جو مایہ عبرت ہیں۔ دوستو ایک صدف سے دو موتی نکلتے ہیں ایک تاج شاہی کی رونق بنتا ہے دُوسرا کھرل میں پس کر سُرمہ بنتا ہے۔ ایک شاخ پر دو پھُول کھلتے ہیں ایک کسی ماہ رُخ کے سینے یا کانوں کی زینت بنتا ہے دوسرا باد مخالف سے مُرجھا کر گرتا ہے اور آنے والے اسے پامال کرتے ہیں۔ ایک ماں کے بطن سے دو توام بھائی پیدا ہوتے ہیں ایک علم و تحقیق کے ملائے اعلیٰ پر پہنچتا ہے یا اپنے وقت کا حاکم اعلیٰ بنتا ہے دوسرا جہل و ضلالت کے گڑھے میں گرتا ہے یا غلامی کی زندگی بسر کرتا ہے قدرت کی کرشمہ سازیاں ملاحظہ کیجیے

۱:۔ رزق تو رزاق کے ہاتھ میں ہے۔ یہ نور جہاں ملکہ ہند۔ جب کہ غریب الوطنی کی حالت میں پیدا ہوئی تو رات کو پیدا ہوتے ہی اُس کے محتاج و نادار والدین نے اُس کو پرانے گندے کپڑوں میں لپیٹ کر راہ میں پھینک دیتے ہیں کہ ہم کو تو پیٹ بھر کر روٹی ملتی ہی نہیں اس کو ہم کہاں سے کھلائیں گے۔ لیکن خدائے عظیم و برتر کی یہ شان ہے کہ چند گھنٹوں کے بعد اسی لڑکی کی وجہ سے اس کے والدین کو روزی دی جاتی ہے پھر وہی لڑکی جہانگیر کی بیوی بن کر ہندوستان کی سیاہ و سفید کی مالک بن جاتی ہے۔ یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے۔

۲:۔ یوں تو اللہ تعالیٰ بڑی قدرتوں والا ہے وہ بغیر اسباب کے بھی روزی عطا فرماتا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام جب کبھی حضرت مریم صدیقہ کی ضروری نگہداشت کے سلسلے میں اُن کے حجرے میں تشریف لے جاتے تو ان کو یہ عجیب بات نظر آتی کہ اُن کے خلوت کدہ میں بے موسم تازہ پھل موجود پاتے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے اُن سے پوچھا یہ روزیاں کہاں سے آتی ہیں تو مریم صدیقہ نے جواب دیا خدا کے پاس سے وہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

۳:۔ اللہ تعالیٰ رحیم ہیں رحم کو پسند فرماتے ہیں۔ امیر ناصر الدین سبکتگین نے ایک بے زبان ہرنی کے بچے کو رحم کھا کر چھوڑ دیا تو مالک الملک کی رحمت جوش میں آئی تو اس کے صلہ میں اس کو سلطنت و حکومت کا مالک بنا دیا۔ خدائے عظیم و برتر کی شان ملاحظہ فرمائیں کہ سمرقند کے ایک گڈریا امیر تیمور کو ریوڑ چراتے چراتے نصف دنیا کا عظیم ترین فاتح اور حکمران بنا دیا جس کی بزم عشق و نشاط میں ملک ملک کی شاہزادیاں اور دربار میں مصر و چین تک سفیر دست بستہ حاضر رہتے تھے اور اس کے تصرف میں دُنیا بھر کی سلطنتوں کے خزانے ہوتے تھے اور اس کی ہیبت سے بڑی بڑی سلطنتوں کے مالک لرزاں تھے

۴ :۔ پھر یہ بھی اللہ تعالےٰ کی بے نیازی ملاحظہ فرمائیں کہ نیشاپوری کی منڈی میں ایک کالا بدصورت اور سستے داموں میں بکنے والا اور بوسیدہ کمبل میں لپٹا ہُوا خوش قسمت نوعمر غلام (قطب الدین ایبک ) جس کو شہر کے قاضی فخرالدین نے خریدا اور اس کی پرورش اور تربیت اس نے اپنے بچّوں کی طرح کی۔ قاضی کے مرنے کے بعد پھر فروخت ہُوا اور شہاب الدین کا منظورِ نظر بنا اور پھر سلطان شاہ کے ہاتھوں گرفتار ہو کر لوہے کے پنجرے میں مقید کیا گیا اور پھر رہائی ہوئی تو ہندوستان کا بادشاہ بنا۔

۵ :۔ دوستو، موت وحیات اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے حضرت دانیال علیہ السلام کو بھوکے شیر کے کمرے میں بند کر دیا جاتا ہے بغیر حکم خداوند تعالیٰ دانیال کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا ۔

۶ :۔ اللہ تعالےٰ کے حکم کے بغیر زہر بھی اثر نہیں کرتا حیرہ کے مقام پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے زہر کو ہتھیلی پر رکھ کر فرمایا "موت تو کسی کے اختیار میں نہیں، وقت معین سے پہلے کوئی شخص نہیں مر سکتا۔ زہر کھانا نہ کھانا برابر ہے اور پھر بسم اللہ پڑھ کر زہر کو نگل گئے۔ زہر نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا کچھ نہ بگاڑا (اشاعت الاسلام مولفہ مولانا حبیب اللہ صاحب ص ۳۲۵ )

۷ :۔ حیرت وتعجب کا مقام ہے کہ شیخ رئیس بو علی سینا کی شہرت کا بنیادی راز یہ تھا کہ وہ قولنج کا علاج بڑی کامیابی سے کیا کرتا تھا لیکن خود ہی اس مرض قولنج میں مبتلا ہو کر انتقال کیا۔ اسی طرح اور بھی کئی نامی حکماء اسی مرض میں سے فوت ہوئے کہ جس کے علاج میں اُن کو کمال حاصل تھا چنانچہ ارسطو دق سے، افلاطون فالج سے، بقراط سل سے اور جالینوس اسہال سے فوت ہوئے انہی امراض میں ان کو کمال حاصل تھا۔ خدائے عزیز الحکیم نے ان کو دکھایا کہ تمام عظمت وکبریائی فخر جلال اور بڑائی میرے لیے ہے۔ انسان عاجزی اور انکساری اختیار کرے اور اس میں تکبّر اور فخر وغرور کا مادہ پیدا نہ ہو۔

۸ :۔ اسی طرح مرقع عبرت ہے کہ عبدالملک بن عمر لیثی کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ کے قصر امارت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر عبداللہ بن زیاد کے سامنے ایک ڈھال پر رکھا ہوا دیکھا۔ پھر اسی قصر میں عبداللہ بن زیاد کا سر کٹا ہُوا مختار کے سامنے دیکھا۔ پھر اسی جگہ اب میں مصعب بن زبیر کا سر عبدالملک کے سامنے رکھا ہُوا دیکھ رہا ہوں۔ (مختار کا سر مصعب کے سامنے دیکھا) جب یہ واقعہ عبدالملک نے سُنا تو کانپ گیا اور حکم دیا کہ اس دارالامارۃ کو مسمار کر دیا جائے اور ابن عمر لیثی سے مخاطب ہو کر کہا خدا تجھے اب یہاں پانچوں سر نہ دکھلائے گا۔

۹ :۔ عزیزو ! یہ بھی توبہ کی تاثیر تھی کہ ظہیر الدین بابر نے جب کہ اپنے مالک حقیقی سے میدان کارزار

کنواہہ میں عہد کیا کہ اے اللہ مجھے ان کافروں کے مقابلہ میں فتح عطا فرما میں توبہ کرتا ہوں کہ میں کبھی شراب نہ پیوں گا۔ بابر شراب کا بہت رسیا تھا ہر شام شراب کی محفلیں منعقد کرتا اور خوب داد عیش دیتا چنانچہ اس کا ایک مشہور شعر ہے کہ :۔

نوروز و نو بہار و مے و دلبری خوش است　　　بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

مگر اس موقع پر جب کہ راجہ سانگا اور ہندوستان کے دیگر راجاؤں کی فوج دو لاکھ اور پانچ سو ہاتھیوں کے ساتھ مقابلہ میں آئی، بابر کی فوج صرف چوبیس ہزار کے قریب تھی اور اس زمانہ میں ایک بہت فاضل و تجربہ کار منجم محمد شریف بھی تھا لوگ اس کی بیان کردہ پیشین گوئیوں پر بہت اعتبار کرتے تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ مریخ مغرب کی طرف سے طالع ہے اور کوئی بھی اس طرف سے حملہ آور ہوگا تو اسے اپنے مد مقابل کے ہاتھوں سے شکست ہوگی اس وجہ سے بابر کے علاقہ میں چاروں طرف ایک خوف و ہراس تھا۔ چنانچہ اس موقع پر بابر نے سچے دل سے شراب سے توبہ کی اور اس سے دو دن قبل جو شراب غزنی سے منگوائی گئی تھی جتنی تھی سب کو پھینکوا دیا۔ اور شراب کے تمام طلائی و نقرئی پیمانے اور صراحیاں اور دوسرا سامان توڑ کر غرباء و فقراء میں تقسیم کر دیا اور جہاد کا اعلان کر دیا جب طرفین کا آمنا سامنا ہوا تو اس موقع پر ایک بار پھر بابر کو محمد شریف نجومی نے جنگ کرنے سے روکا اور اپنے دعوے کے دلائل پیش کیے لیکن بابر نے اس کی کوئی بات نہ مانی اور جنگ میں کود پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے بابر کو فتح نصیب فرمائی اور دشمن برباد ہوا اور بابر نے پھر مرتے دم تک شراب کو منہ نہ لگایا اور بابر نے نجومی محمد شریف کو بے حد لعنت و ملامت کی اسے ایک لاکھ تنکا دے کر ملک بدر کر دیا۔ (تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۶۶۱ تا ۶۶۲)

۱۰ :۔ وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ سلیمان بن عبدالملک جب خلیفہ ہوا تو محمد بن یزید نامی ایک شخص کو والی عراق بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ وہاں جاتے ہی جتنے قیدی ہوں سب کو چھوڑ دینا۔ اس لیے کہ حجاج بن یوسف کی گریوں نے صدہا لوگوں کو اسیر بنا رکھا تھا۔ محمد بن یزید نے آتے ہی احکام خلافت کی تکمیل اور پہلے والی یزید بن ابی مسلم پر بہت جور و تشدد کیا اور چند روز کے بعد جب خلیفہ سلیمان کی موت نے سریر خلافت کو خالی کیا۔ اور یزید بن عبدالملک اریکہ آرائے سلطنت ہوا تو اس نے یزید بن ابی مسلم کو افریقہ کا گورنر مقرر کیا۔ جہاں کی گورنری کی باگ ڈور اس سے پیشتر محمد بن یزید کے ہاتھ میں تھی محمد نے جب یزید بن ابی مسلم کے آنے کی خبر سنی تو مارے خوف کے اس کے پہنچنے

سے پہلے ہی بھاگ کے رُوپوش ہوگیا۔ اور یزید نے جاتے ہی اس کی تلاش شروع کی۔ آخر وہ گرفتار کر کے لایا گیا اور جس وقت یزید بن مسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو رمضان کا مہینہ تھا۔ افطار کا وقت قریب تھا اور یزید کے ہاتھ میں انگور کا گچھا تھا۔ کہ اذان ہوتے ہی اسے کھائے۔ محمد بن یزید کی صورت دیکھتے ہی بولا "محمد تم پر قابو پانے کی دعا مجھے مدت دراز تک مانگنی پڑی" محمد نے کہا " اور میں بھی مدت سے دعا مانگ رہا ہوں کہ خدا مجھے آپ کے ہاتھ سے امان دلوائے"۔ یہ سنتے ہی یزید نے کہا " امان! خدا کی قسم نہ دوں گا اور اگر ملک الموت نے بھی ارادہ کیا کہ میرا وار پڑنے سے پہلے تمھاری جان نکال لے۔ تو میں یہ انگور کھانا چھوڑ دوں گا اور کوشش کروں گا کہ عزرائیل کا ہاتھ پڑنے سے پہلے ہی تمھارا کام تمام کر دوں"۔ اس کے بعد یزید کے حکم سے اس کی مشکیں باندھی گئیں۔ قتل گاہ میں لا کے بٹھا دیا گیا۔ اور جلاد سر کاٹنے کے لیے تلوار لے کے کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں مؤذن نے اذان دی اور یزید ابن ابی مسلم وہ انگور کا خوشہ کابی میں رکھ کے نماز پڑھنے کو گیا۔ اتفاقاً اہل افریقہ اس کے دشمن ہو رہے تھے۔ نماز میں سجدے سے سر اٹھایا تھا کہ کسی بے باک دشمن نے ایک ایسا گرز مارا کہ ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ فوراً ہر طرف غل پڑا۔ لوگوں کو معلوم ہوا کہ والیٔ افریقہ مارا گیا۔ اور جلاد نے جو کھڑا تلوار تول رہا تھا۔ محمد بن یزید کی مشکیں کھول دیں اور کہا۔ اب آپ آزاد ہیں جہاں چاہے جائیے وہ انگور کا خوشہ رکھا رہ گیا اور فرشتہ موت نے آن کی آن میں اس بات کا ثبوت دے دیا کہ وہ سبقت کر سکتا ہے یا وہ جو گھڑی بھر کے لیے خداوند جل جلالہٗ کو بھول گیا یہیں سے نظر آتا ہے کہ خدا کی قوت سب پر غالب ہے اور اس کی مرضی کے خلاف ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا۔ ؎

نہ جا اُس کے تحمل پر کہ ڈھیل ہے گرفت اُس کی ڈر اس کی دیر گیری سے کہ سخت ہے انتقام اُس کا

۱۱۔ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز نمونہ مشیت ایزدی کے غالب آنے کا یہ ہے کہ سلاطین آل حمدان میں سے ملک الناصر روح فرسا مرض قولنج میں مبتلا ہوا۔ تمام اطبائے دولت حاضر ہوئے۔ اور اپنی تدبیروں میں کوئی بات اٹھا نہ رکھی۔ مگر بادشاہ کو کوئی آرام نہ ہوا۔ آخر اطبا عاجز آ کر ڈرے کہ ایسا نہ ہو کہ بادشاہ ہماری یہ کمزوری دیکھ کے اور ہم سے بدعقیدہ ہو کے ہماری جان کے در پے ہو جائے۔ چنانچہ سب نے اپنی جان بچانے کے لیے یہ تدبیر کی کہ بادشاہ کا کام تمام کر دیں۔ اس کام کے لیے انھوں نے ایک شخص کو مقرر کیا جو خنجر کپڑوں میں چھپائے ہوئے محل میں چھپ رہا۔ ملک الناصر ایوان شاہی کے ایک

حصہ سے دُوسرے حصہ میں جا رہا تھا اور ایک دہلیز پہ قدم رکھا تھا کہ اس شخص نے نکل کر حملہ کیا اور ناف کے نیچے خنجر بھونک دیا۔ خنجر سے امعاء قولون چاک ہو گئی جس میں سدّوں کے رُک جانے سے مرض پیدا ہوا تھا فوراً تمام فاسد مادہ اور سدّے نکل گئے اور قولنج کی جان لیوا تکلیف سے ملک الناصر کو نجات مل گئی۔ باقی رہا زخم، وہ چند روز میں جرّاحوں کی ہنرمندی سے اچھا ہو گیا۔ وہی دشمنی جو چراغ زندگی کو گُل کرنے کے لیے کی گئی تھی، زندگی بخش ثابت ہُوئی۔

۱۲۔ تقدیر کی کشش اور عرب گھرانوں کی غیرت ملاحظہ فرمائیں۔ زمانے کا عجیب اتفاق ہے کہ عرب میں بنی قضاعہ میں ایک شریف وصاحب اثر شخص حمیرا رہتا تھا اللہ تعالیٰ نے اُسے سات لڑکے دیے تھے جن میں سے ایک نہایت بدصورت تھا۔ خاندان کی یہ خدمت اُس کے سپُرد تھی کہ اُونٹ چرایا کرتا اور ایسا معلوم ہوتا کہ گویا گھر کا غلام ہے۔ ایک دفعہ اتّفاقاً ایک اُونٹ گُم ہو گیا۔ بھائیوں نے کہا جاؤ اسے ڈھونڈ لاؤ۔ اُس نے کہا میں اکیلا ہی ہوں، تم جاؤ۔ باپ نے یہ جواب سُن کر کہا۔ ابے جاتا ہے کہ نہیں۔ ابھی جا ورنہ اسی وقت مار دوں گا۔ مار کا ڈر بُرا ہوتا ہے وہ مجبوراً اونٹ کی تلاش میں گھر سے نکل پڑا۔ سردی کا موسم تھا بھُوک۔ پیاس اور سردی کی شدّت سے کانپتے ہُوئے صحرا میں چل پڑا کہ شام کو بدوؤں کے ایک خیمہ کے پاس پہنچا جس میں ایک بُڑھیا اپنی حسین و پری جمال بیٹی کے پاس بیٹھی تھی۔ بُڑھیا نے ترس کھا کے کھلایا پلایا اور ٹھہرا لیا۔ جب بُڑھیا کام کاج کے لیے وہاں سے ہٹی، تو لڑکی نے آپ کی عجیب صورت دیکھ کر بنانا اور مسخرہ پن شروع کیا کہنے لگی "میں نے تم سے اچھا، خوبصورت اور بانکا جوان آج تک نہیں دیکھا۔ ایک کام کرو، جب رات کو سب سو جائیں تو تم چپکے سے اُٹھ کر میری خواب گاہ میں چلے آنا۔ اس وقت ہم تم اطمینان سے باتیں کریں گے۔" آپ سمجھ گئے کہ بناتی ہے۔ بولے، مجھے معاف کیجیے بنائیے نہیں۔ اتنے میں لڑکی کا باپ اور سات جوانمرد بیٹے آ گئے سب نے کھایا پیا اور خیمہ کے سامنے زیرِ آسمان سو گئے۔ جب سب لوگ غافل ہو گئے تو شیطان نے آپ کو انگلی دکھائی۔ اگرچہ جانتے تھے کہ لڑکی نے صرف بنایا تھا مگر دل نہ مانا، چپکے سے اُٹھے، دبے پاؤں خیمے کے اندر چلے گئے اور لڑکی کو تنہا اور غافل پا کے آہستہ سے جگایا۔ اُس نے آنکھ کھولتے ہی پُوچھا "کون ہے؟" بولے "میں ہوں تمھارا غریب الوطن مہمان۔" چیں بہ چیں ہو کے لڑکی نے کہا "کیوں شامت آئی ہے تھاری؟ نکل جاؤ یہاں سے دور ہو۔" گھبرا کے پلٹے، ڈرے اور سہمے ہُوئے چپکے چلے آتے تھے کہ کتا جو خیمے کے پاس رہتا تھا بھونکتا ہوا جھپٹا۔ آپ نے لکڑی سے ہزار

ہٹایا۔ مگر وہ بھلا کب ماننا تھا لپک کے آپ کا دامن پکڑ ہی لیا۔ اب آپ اُسے اپنی طرف کھینچ رہے تھے اور وہ اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ اس کشمکش میں ایک دفعہ آپ نے زور سے پیچھے کھینچا تو اڑڑڑا دھڑیم کر کے ایک اندھے کنوئیں میں جا گرے جو پیچھے تھا اور ساتھ ہی وہ کتا بھی دامن کے ساتھ کھینچ کر کنوئیں میں آ رہا۔ دھماکے کی آواز اُس حسین و پری جمال دوشیزہ کے کان میں گئی تو جھٹ اتر سی سے اُٹھی اور کنوئیں کی جگت پر آ کر کہا "خدا کی قسم جی تو یہ چاہتا ہے کہ اسی کنوئیں کو تیری قبر بنا دوں، لیکن خدا کے ڈر سے تیری جان بچاتی ہوں"۔ یہ کہہ کر اس نے رسّی ڈالی اور کہا اسے پکڑ لو۔ اُوپر تک کھینچ کر لائی تھی کہ طاقت نے جواب دے دیا اور ایسے قدم اُکھڑے کہ خود بھی کنوئیں میں جا پڑی اب صبح ہوئی اور لوگوں نے حیرت سے دیکھا کہ لڑکی خیمے سے غائب ہے۔ ادھر اُدھر ڈھونڈنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ معلوم ہوا لڑکی وہ نوعمر مہمان اور کتا تینوں کنوئیں میں ہیں۔ غیرت و حمیت جوش میں آئی۔ اور باپ بھائی سب کے سب ننگی تلواریں اور پتھروں کے بڑے بڑے ٹکڑے لے کر جھپٹے کہ دونوں کا کام تمام کر دیں۔ مگر خدا نے باپ کے دل میں رحم ڈال دیا۔ اُس نے سب کو روکا اور کہا بھئی مجھے اپنی بیٹی پر بدگمانی نہیں۔ اس کی پاکدامنی ایسی نہیں کہ بُرا گمان کیا جا سکے۔ پھر رسّیاں ڈال کر سب کو کنوئیں سے نکالا اور نکالتے ہی بدصورت اور بدتمیز مہمان سے کہا "خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ میری لڑکی پارسا اور بے گناہ ہے لیکن یہ واقعہ ایسا پیش آ گیا کہ ہمارے عرب میں رسوائی ہو گئی اور کوئی اسے اپنے عقد میں نہ لے گا تم کہو تمھارے پاس اتنا سرمایہ ہے کہ بی بی کی خبرگیری کر سکو۔ اگر اس کی امید دلاؤ تو اس لڑکی کے ساتھ تمھارا نکاح پڑھا دوں یوں میں بدنامی سے بچ جاؤں گا اور ہماری آرزو بھی پوری ہو جائیگی اس بیچارے کو جان کے لالے پڑے ہوئے تھے منتظر تھے کہ کب سر اُڑایا جاتا ہے کہ یکایک خلاف توقع سوال سُنا تو گھبرا کے بے تحاشا بولے، مجھ میں سوائے بھلائی کے کوئی خرابی نہیں اور مجھ سے زیادہ نیک شوہر چراغ لے کے ڈھونڈیے گا تو بھی نہ ملے گا۔ یہ سُن کر وہ خوش ہوا اور پچاس اُونٹ ایک لونڈی، اور ایک غلام کے مہر پر لڑکی اُن کے عقد میں دے دی۔ اب آپ کے جوش مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ وہ بھاگا ہوا اونٹ تو خدا جانے کہاں گیا۔ آپ خوش خوش اپنے گھر گئے اور باپ سے ساری سرگزشت بیان کی جس خاندان میں شادی ہوئی تھی وہ چونکہ معزز، محترم اور شریف تھا باپ نے بھی خوشی سے قبول کیا۔ مہر کی چیزیں لے کے گیا اور بہو کو لے آیا۔ اس کے بعد موت تک آپ صحرائے عرب میں زندہ رہے،

مسافر اور سیاح آپ کے ہاں مہمان ٹھہرتے آپ اپنی بہ آپ بیتی سنا سنا کر انھیں خوش اور مطمئن کرتے، وہ آپ کی بدصورتی اور بی بی کو دیکھ کر حیران ہوتے:۔

وَمَا مِنْ كَاتِبٍ اِلَّا سَيَفْنٰى وَيَبْقَى الدَّهْرَ مَا كَتَبَتْ يَدَاهُ

ہر لکھنے والا تو عنقریب فنا ہو جائے گا مگر اُس نے جو کچھ لکھا ہے وہ ہمیشہ باقی رہے گا

فَلَا تَكْتُبْ بِكَفِّكَ غَيْرَ شَيْئٍ يَسُرُّكَ فِى الْقِيٰمَةِ اَنْ تَرَاهُ

تو اب اپنے ہاتھ سے سوائے اس چیز کے کوئی شے تحریر نہ کر جسے تو قیامت کے دن دیکھ کر خوش ہو جائے۔

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ : اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بڑا زبردست اور بڑا صاحب حکمت ہے، آل عمران

# عالمِ ربّانی

اقْرَأْ وَرَبُّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ

جس طرح بادشاہ لوگوں پر حاکم ہوا کرتے ہیں۔ اسی طرح علمائے ربّانی بادشاہوں پر حاکم ہوتے ہیں یہ وارث انبیاء گروہ جو اپنے درس و تدریس اور حکیمانہ پند و نصائح سے اللہ کے بندوں کو احکام حق تعالےٰ کی پابندی و اتباع سُنّت محمدیؐ کے اہتمام، اخلاق حسنہ، علم و اخلاص فی العمل کی تبلیغ کرتے ہیں اور علوم دینیہ و علوم عقلیہ کی عُقدہ کُشائی فرماتے ہیں اور اپنے جذب کامل و علم حقیقی کی برقی طاقت سے دُوسروں کے دل و دماغ کو مُسخر کر کے اور اُن کو کفر و شرک اور ضلالت کی تاریک فلسفیانہ غلط عقائد و اقوال کی ناپاکی و آلودگی سے پاک کر کے ان کے قلوب میں اطاعت الٰہی و محبّت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو مومن کی متاع عزیز اور اسلام کی رُوح ہے، بھر دیتے ہیں اور اخلاق محمدیؐ کی دولت اور علم و حکمت سے مالا مال کرتے ہیں گویا یہ نفوس قدسیہ دنیا کے لیے نورِ عرفان کے مینار ہیں جس سے نورِ بصیرت کی کرنیں پھُوٹتی ہیں، جس سے گمراہ ہدایت پاتے ہیں۔

علم کثیر آمد و عمرت قصیر، آنچہ ضروری است بداں شغل گیر

**علم و اہلِ علم کی فضیلت**:- حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ طلب علم تمام مسلمانوں پر فرض ہے اور اللہ تعالےٰ جس شخص کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی سمجھ عنایت فرما دیتا ہے۔ علم کی صفت یہ ہے کہ اسلام میں سب سے پہلی وحی اِقْرَأْ سے شروع ہوئی اور علم سے ہی انسان نے فرشتوں پر فضیلت قرار پائی۔ کُتا جو ناپاک ہے مگر تعلیم و تعلّم کی وجہ سے اس کا شکار انسانی جارحہ کا درجہ حاصل کر لیتا ہے اور اس کا شکار حلال ہے بشرطیکہ کُتے کا مالک مُسلمان ہو۔

**علم کی قسمیں**:- علم کی دو قسمیں ہیں، ایک فرضِ عین ہے جس کی تحصیل ہر فرد پر لازم ہے جیسے کہ زبان سے شہادت اور دل سے اقرار کہ اللہ ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بندے اور

رسول ہیں۔ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ نماز روزہ۔ حج زکوٰۃ۔ حلال و حرام کا جاننا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

روشن ہے شمع علم خدا کے کلام میں — نورِ عمل ہے اسوۂ خیر الانام میں

دوسری قسم فرض کفایہ ہے اس علم کو ایک آدمی نے حاصل کر لیا ہو تو اس علاقے کے باقی لوگوں پر سے ساقط ہو گیا۔ جیسے علم طب وغیرہ۔ پھر علم کی متعدد قسمیں ہیں۔ ایک علم الٰہی اور دوسرا علم مخلوق۔ انسان کا علم، علم الٰہی کے سامنے کوئی ہستی نہیں رکھتا۔ علم معرفتِ حق کا ذریعہ ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سے حلال و حرام میں تمیز ہوتی ہے اور علم سے عقل درجہ کمال کو پہنچتی ہے اور طلب ارتقار کے مدارج طے کرتا ہے اور اصل علوم شرعیہ ہیں وہ قرآن و حدیث کا علم ہے۔ علم کا مقصد اولیں اللہ تعالےٰ کا عرفان ہے اور علم کا ثمر خشیۃ اللہ ہے اور جس طرح چراغ جلے بغیر روشنی نہیں دیتا اسی طرح علم بھی بغیر عمل کے کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ لفظ علم کو اگر پلٹ دیا جائے تو عمل کا لفظ بن جاتا ہے اور علم عمل کا امام ہے عمل اس کا تابع ہے، جو نیک بختوں کو دیا جاتا ہے اور بدبخت اس سے محروم رہتے ہیں اور اگر علم کو چھپایا نہ جائے تو علم وہ خزانہ ہے جس کی کنجیاں سوال ہے۔ بس علم کا سوال کرو اس میں چار اشخاص کو ثواب ملتا ہے۔ ایک سوال کرنے والے کو دوسرا عالم کو تیسرا سوال سننے والے کو چوتھے وہ جو علم سے محبت رکھتا ہو۔ بزرگوں کے ساتھ بیٹھو۔ علماء سے سوال کرو حکیموں سے اختلاط و ارتباط بڑھاؤ۔

شفاء العمیٰ طول السوال و انّما — تمام العمیٰ طول السکوت علی الجہل

(کوری عقل کا علاج دائمی سوال ہے اور کوری کی تکمیل جہل پر دائمی سکوت ہے)

فرمایا آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص کو موت آ سے اور وہ اسلام کو زندہ کرنے کے لیے علم سیکھتا ہو تو اس کا اور انبیاء کا درجہ جنت میں ایک ہوگا۔ علماء زمانے کے چراغ ہیں ہر ایک اپنے وقت میں شمع ہوتا ہے اس سے اس کے عہد کے لوگ روشنی حاصل کرتے ہیں۔ ایک دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں دو حلقے دیکھے ایک حلقہ یادِ خدا میں مشغول تھا اور دوسرا مسائل دین کی تعلیم و تعلم میں فرمایا دونوں حلقے اچھے ہیں مگر ایک دوسرے سے افضل ہے وہ لوگ جو خدا کے ذکر میں مشغول ہیں اور اسی کی طرف راغب ہیں چاہے دے یا نہ دے، لیکن یہ لوگ جو خود بھی علم سیکھتے اور بے علموں کو بھی سکھاتے ہیں خود میں بھی معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، یہ فرما کر دوسرے حلقے میں شریک ہو گئے۔

عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چاند کی افضلیت ستاروں پر اور علم کا ایک باب سیکھنا، ہزار

رکعت نفل سے بہتر ہے۔ عالم و عابد پُل صراط پر پہنچا ہوں گے تو عابد کو کہا جائیگا کہ جنت میں داخل ہو اور اپنی عبادت کے ثمرات سے لُطف اندوز ہو اور عالم سے کہا جائے گا کہ ٹھہرو، جس کی چاہو شفاعت کرو اور جس کو چاہو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اس وقت عالم مقام نبوت پر متمکن ہوگا (نہج الفصاحت ص ۳۱۳) عالم انسان ان پھولوں کی مانند ہے جو اپنی خوشبو سے باغ جہاں کو مہکا دیتے ہیں اور عابد انسان اُن پھولوں کی مانند ہے جو دنیا کی نظر سے دُور جنگل میں شاخ پر ہی خشک ہو جاتا ہے۔ ایک دفعہ شیطان انسان کے لباس میں ایک عالم کے پاس پہنچا اور سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ سُوئی کے ناکے سے اونٹ کو نکال سکتا ہے۔ عالم نے جواب دیا۔ ہاں۔ خدا تعالیٰ کے ہاں یہ کوئی مشکل بات نہیں، وہ ہر بات پر قادر مطلق ہے۔ کُن سے سب کچھ کر سکتا ہے۔ چنانچہ وہ اس کو گمراہ نہ کر سکا۔ پھر وہ ایک صد سالہ عابد کے پاس پہنچا اس سے بھی وہی سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ سُوئی کے ناکے سے اونٹ کو کس طرح نکال سکتا ہے یہ بات عقل سے بعید ہے اس نے جواب دیا کہ یہ تو نہیں ہو سکتا، چنانچہ وہ گمراہ ہو گیا۔ علم کثرت روایت سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ علم ایک ربانی نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ دل میں ڈال دیتا ہے، بس کاسہ دل کو سُنّت محمدیؐ سے صیقل کرنے کی ضرورت ہے۔

**حقیقتِ علم**: علم کی حقیقت یہ ہے کہ علم فائدہ بخش وہی ہے جس کی شعاعیں سینہ و دل پر پھیل جائیں اور دل پر سے شکوک و اوہام کے پردے اُٹھ جائیں اور نیز علم وہ ہے جس سے اس کی بندگی کی کیفیت معلوم ہو اس کی مثال شمع کی سی ہے جب وہ کسی بندے کے دل میں ڈالا جاتا ہے تو اس کی شعاعوں اور انوار سے اس بندہ کا دل پُر ہو جاتا ہے اور تمام شک اور وہم خواہ وہ دین کے متعلق ہوں یا دنیا کے۔ زائل ہو جاتے ہیں اور سرا سر یقین اور حقیقت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور شہوت اور کدورت کی تاریکی اس کے دل سے دُور ہو جاتی ہے دراصل علم جس کا نام ہے وہ یہی ہے، جس علم کی یہ شان اور تاثیر نہ ہو وہ علم ہی نہیں وہ محض زبانی علم ہے۔

العلم فیہ حیاۃ للقلوب　　کما تحیا البلاد اذا ما مسہا المطر

(دلوں کے لیے علم میں اسی طرح زندگی ہے جس طرح مینہ سے زمین زندہ ہو جاتی ہے)

والعلم یجلو العمی عن قلب صاحبہ　　کما یجلی سواد الظلمۃ القمر

(علم کوری کو دل سے اس طرح زائل کر دیتا ہے جس طرح چاند اندھیرے گھُپ کو)

بو علی بن سینا کے زمانہ میں ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے وہ ایک دن فرمانے لگے کہ ابن سینا ادب

ندارد۔ ابن سینا نے جب یہ جملہ سنا تو اپنی ایک تصنیف جو اخلاق و ادب کے متعلق تھی شیخ کے پاس روانہ کردی اور عرض کیا: "من درباب آداب تصانیف چنیں دارم" شیخ نے جواب دیا کہ میں نے یہ نہیں کہا کہ "ابن سینا ادب ندارد" میں نے کہا تھا کہ ادب ندارد۔ (کلمات طیبات ص ۴۲ مطبوعہ مراد آباد) اسی طرح کا ایک واقعہ ہے کہ بو علی سینا حضرت شیخ ابو سعید خیری سے ملنے گئے۔ مشہور ہے کہ وہ روحانی حقائق کے ثبوت میں بو علی سینا نے ان کے سامنے بہت سے دلائل بیان کیے اور کہا کہ میں ان دلائل کی بنا پر ان چیزوں کا قائل ہوں۔ جب وہ طویل گفتگو کر چکے تو ابو سعید الخیری نے فقط ایک فقرہ کہا کہ جو کچھ تو جانتا ہے اُسے میں دیکھتا ہوں۔ بس علم پر عمل کرنے سے ہی ثمر پیدا ہوتا ہے جو علم کا مقصود ہے۔ عمدہ علم وہ ہے جس سے خوف خدا پیدا ہو۔ خوف خدا یہ ہے کہ قلب میں اللہ تعالےٰ کی عظمت اور جلال ہو جب علم کے ساتھ یہ صفت بھی ہو تو وہ سب سے بہتر علم ہے۔ عالم کی علامت خوف خدا ہے ان کے پاس بیٹھنے سے اللہ تعالےٰ کی عظمت اور یاد پیدا ہوتی ہے اور خوف خدا کی علامت اتباع شریعت محمدی ہے اگر یہ اتباع نہیں تو سمجھ لو کچھ بھی نہیں۔ جس علم کے ساتھ دنیا کی رغبت اور اُمید کثیر اور دنیا داروں کی خوشامد اور دنیا کمانے پر توجہ، تکبر، آخرت سے غفلت ایسا علم نہیں۔ نہ ہی انبیاء کی وراثت میں اُس کا شمار ہوتا ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے انسان کا مطالعہ مشکل تر ہے۔

حکمت دنیا فزاید ظن و شک ‍ ‍ ‍ ‍ حکمت دینی برد فوق فلک

**انسان علم و حکمت کی کان ہے**: گوہر اس میں بالقوی فطرۃً قائم و ثابت ہیں، جس طرح پتھر یا لوہے میں آگ یا گٹھلی اور پیپل کے بیج میں یا ہر تخم میں پودے کے درخت کا پورا نقشہ ہوتا ہے، یا زمین میں پانی ہوتا ہے لیکن وہ ڈول اور رسّی کے بغیر نہیں مل سکتا اس میں سخت محنت کرنے کی ضرورت ہے اگر محنت کی جائے تو مل سکتا ہے۔ جس طرح کرۂ ارض کے معدن میں کسی میں الماس، کسی میں لعل کسی میں یاقوت بعض میں زمرد و عقیق اور سمندر میں موتی، مرجان اور مختلف قسم کی بیش قیمت چیزیں ہوتی ہیں۔ اسی طرح صانع حکمت کاملہ نے انسان کی فطرت میں صفاتی گوہر رکھے ہیں بعض انسانوں میں گوہر ایمان اور بعض میں گوہر عقل بعض میں گوہر علم بعض میں گوہر ناموس و عصمت کسی میں قوت بیانیاں اور کسی میں زور تحریر، ہر ایک انسان میں کوئی نہ کوئی احسن خوبی موجود ہوتی ہے گویا کہ انسان ذاتی صفات کی کانیں ہیں: ؎

ساغرِ زریں ہو یا مٹی کا ہو ایک ٹھیکرا　　تو نظر کر اس میں جو کچھ اس کے اندر ہو بھرا

بغیر صفت کے آدمی حیوان نما انسان ہے۔ ایک دفعہ سکندر یونانی کسی بڑے ملک کو فتح کر کے واپس مقدونیہ میں آیا تو اہلِ شہر نے اس کا عظیم الشان استقبال کیا اور شہر کو دلہن کی طرح سجایا۔ یونان کا مشہور فلاسفر ارسطو جو سکندر کا استاد و اتالیق تھا جو اکثر فتوحات کے سلسلہ میں اس کے ساتھ رہتا تھا وہ مجذوب فقیروں جیسا بھیس بدل کر عین اس وقت جبکہ سکندر راستے سے گزر رہا تھا اُس کی سواری کے آگے لیٹ گیا۔ اہل کاروں نے ہر چند زور لگایا کہ سامنے سے ہٹ جائے مگر وہ نہ ہٹا جب سکندر نے دیکھا کہ فقیر میرے راستے سے نہیں ہٹتا تو وہ جو پہلے ہی فتح کے غرور سے بھرا ہوا تھا، نہایت متکبرانہ انداز سے اپنی سواری سے نیچے اُتر کر ارسطو کو اپنے پاؤں سے ٹھوکریں ماریں اور کہا کہ تو نہیں جانتا کہ میں فتح یاب سکندر ہوں! ارسطو سکندر کی طرف آنکھیں اُٹھا کر پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ میں بھی سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ تو انسان ہے یا حیوان! دیکھ میں ارسطو ہوں، تیرے اخلاق کی آزمائش کے لیے میں نے یہ بھیس بدلا اور کہا کہ فتح تو تجھے خدا نے دی ورنہ تیری ذاتی صفت گدھے جیسی ہے جیسے وہ دولتیں مارتا ہے انسان کو اخلاق کریمانہ سے کام لینا چاہیے عزیز دوستو! مبارک ہیں وہ لوگ جو آئینہ محمدی کو دیکھ کر اپنی اخلاقی صورت کو سنوارنے کا ذوق رکھتے ہیں۔ کیونکہ ایمان اور عبادات کی درستی کی عملی نشانی اسلام کی روشنی میں اخلاق و عادات کی درستی ہے، بس دونوں جہانوں کی سعادت کا نقد سودا دونوں جہاں کے سید الانبیا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال اتباع سنت پر رکھا ہے۔

**کامیابی:** کامیابی کا لفظ اپنا آپ مفسر ہے، مقصود کا پانا کامیابی ہے آپ کی زندگی کا مقصود کیا ہے۔ کامیابی بچوں کی نظر میں کھیل کود، تماشا، عیش و عشرت ہوتی ہے لیکن جب یہ بلوغ کی منزل پر پہنچ جاتا ہے اور جوانی کی دلفریب بہاروں میں قدم رکھتا ہے تو اس کی زندگی کا مقصود بناؤ سنگار، خوش نمائی، سجاوٹ اور مدام خورد و نوش، صنف نازک کی الفت، بیش قیمت کھانے پینے کے دسترخوان، تفاخر بن جاتا ہے اور اس سے حاصل ہونے والی لذت پر جان دیتا ہے۔ لیکن جب یہ زمانہ بھی گزر جاتا ہے اور قدرے عقل میں پختگی آنے لگتی ہے تو مال و متاع، زر و نقد، عزت و جاہ، نام و نمود کے مقام کو اپنی مقصودِ زندگی قرار دینے لگتا ہے اور سنِ ترعرع (۱۰ تا ۱۴ سال) اور سنِ فتی نوجوانی (۱۸ تا ۲۵ برس) کے زمانہ کی خام آرزوؤں کو خبط وُستی سے تعبیر کرتا ہے اور انہی کے حصول کے لیے اب بھی رات

دن سعی کرتا ہے اور اس مغالطہ میں اس کے یہ تھوڑے سے اور مقررہ دن گزر جاتے ہیں۔ بالآخر سن پیری کی منزل میں قدم رکھتا ہے اس منزل میں انسان کی بصیرت میں عمراً روشنی پیدا ہو جاتی ہے اس سن میں وہ زندگی کے مختلف تجربات سے واقفیت حاصل کرتا ہے اور چیزوں کی حقیقت کا عارف بن جاتا ہے اور بچپن اور جوانی میں وہ جن چیزوں کا شکار رہو رہا تھا اس کو وہ سراب سمجھتا ہے اور حق تعالیٰ کی معرفت اور اس کی عبادت اس کی زندگی کا مقصود بن جاتی ہے اور بہت سے لوگوں کا مقصود زندگی لذت اندوری تعیش و عزت و شہرت، وجاہ و مراتب واضح در دعلم اور زینت و تفاخر اور مال و دولت۔ اولاد اور مرکز لذت حضرت تناسل اور شکم ہوتا ہے لیکن یہ سراپا مرج سراب ہے۔ درحقیقت زندگی کا مقصود رضائے حق تعالیٰ ہے جو سے دل کی تسکین، ٹھنڈک و آرام جان کا باعث ہوتی ہے پس زندگی کا مقصود اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا مندی و خوشنودی ہے۔ یہی تقوے والی زندگی کامیاب زندگی ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہو۔ دوستو! یہ دُنیا کی ناپائیدار لذتیں برف کے ٹکڑے ہیں جو انقلاب روزگار یا موت کی حرارت سے پگھل جائیں گے۔ عزیزو! دُنیا میں جتنی دولتیں ہیں، مال، جاہ، عزت، شہرت یہ سب انسان کے اختیار سے باہر ہیں وہ کسی وقت بھی ضائع ہو سکتی ہیں لیکن اگر کوئی شخص اپنی روح کے اندر اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے رسول کی محبت پیدا کرلے تو وہ اس کی جز حیات بن جاتی ہے اور وہ غیر فانی بن جاتی ہے اور غیر اللہ کی محبت سے انسان کو جو لذت حاصل ہوتی ہے اس کی مثال خارش کی لذت جیسی ہے جس کا انجام عذاب و ہلاکت ہے۔ بھائیو! یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ اگر حکومت میں کامیابی ہوتی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں فرعون کو اور سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقابلہ میں نمرود کو اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں قیصر و کسریٰ ضرور کامیاب ہوتے اور اگر دولت میں کامیابی ہوتی تو قارون ضرور کامیاب ہوتا۔ اگر اکثریت میں کامیابی ہوتی تو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو کامیابی ہوتی۔ سائنس کی ترقی ایک مفید چیز ہے۔ مگر عزیز دوستو! سائنس کے غلط استعمال کی وجہ سے مشرقی اور مغربی اقوام کی تباہی کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے پس حقیقی کامیابی اللہ جل جلالہٗ کی رضا میں ہے۔

**انسان کی فطرت** : انسان کو فطرت پر یعنی قبول حق کی قدرت پر پیدا کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی روح اس انسان میں پھونکی اور اپنی صفات کا پرتو اس پر ڈالا ہے اور کائنات کی ساری

چیزیں اس کے تابع کرنے کی اہلیت بخشی اور خلیفۃ الارض بنایا اور انسان میں کچھ صلاحیتیں …
بذریعہ وراثت یقیناً منتقل ہوتی ہیں جن کا اثر طرزِ معاشرت، رسم و رواج وغیرہ زندگی کے مظاہرہ …
پڑتا ہے۔ اخلاق بھی ایک موروثی شے ہے اور وراثت کو صرف وراثت ہی زائل کر سکتی ہے لیکن …
ریاضت اس سے بھی بڑی قوت ہے اور ماحول کا اثر وراثت سے زیادہ قوی ہوتا ہے جو وراثت …
اثر کو زائل کر دیتا ہے لیکن تربیت جس کا مقصد ضبطِ نفس کی طاقت پیدا کرنا اور غلط اثرات … سب
سب سے زیادہ زبردست ہے اسی سے ہی انسانیت کی تربیت و اصلاح انبیائے کرام …
پرہو سکتی ہے نہ کہ ناجائز اخلاق سے، دُنیا کے آخری دین اسلام نے اخلاق حسنہ کی بنیاد اللہ تعالیٰ …
اور تقویٰ پر رکھی اور زبان، دل و عمل کی سچائی کی تعلیم دی اور ارشاد فرمایا کہ تمام نیکیوں میں سب سے زیادہ
خداوند قدوس کو یہ نیکی پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے مخالفت ہو۔

## الحبُّ للہ والبغضُ للہ

دُنیا میں دینِ اسلام آیا جو تمھارے لیے رحمت و ہدایت اور شفا ہے۔ اُس نے ایک صدی
میں غرناطہ سے لے کر دہلی تک نصف دنیا کی ایک عظیم سلطنت مسلمانوں کو عطا کی اور ایک اللہ کی رضا والی
زندگی بسر کرنے کے لیے مکمل دستور دیا اور ہمیں بہترین اخلاق کا مالک بنایا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضا پر
چل کر اس کا عبادت گزار مقبول بندہ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی اصلاح و تکمیل کے لیے
قرآن حکیم کی بے مثل تعلیمی قوت کو عملی صورت میں ہادیٔ عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نمونہ بنا کر دُنیا
میں بھیجا اور حضور کی سنّت مطہرہ کو سیدھی راہ بتایا اور مستقل لائحہ بنایا اور اپنی بارگاہ میں حصول مقبولیت کا واحد
ذریعہ فرمایا۔ بس اللہ کے رسُول کی سُنّت ہی بکھری ہُوئی اُمّت کو غالب و متحد کر سکتی ہے۔ اسلام ایک عملی
دین ہے محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کر کے دکھایا ورنہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق کسی فرشتہ
کے ذریعہ سے قرآن کریم کو لوگوں کے سامنے بیتُ اللہ کی چھت پر رکھ دیتے اور اس پر عمل کرنے کا اعلان
فرما دیتے۔ عزیزو، یہ حضور آقائے دوجہاں نبی اکرمؐ کی دل و دماغ پر قبضہ کر لینے والی تعلیمات اور عملی زندگی
کا اثر تھا کہ ایک انتہائی اخلاقی انتشار سے عدیم المثال اخلاقی توازن پیدا ہُوا۔ کس طرح بتدریج دُنیا
صراطِ مستقیم یا دۂ اعتدال پر لائی گئی۔ بالآخر تکمیل دین کا اعلان عرفان کی بلندیوں سے سُنا دیا گیا یہ سب حضور
پُر نور محمد رسُولُ اللہ کے اخلاق کریمانہ کی عملی تعلیم اور رُوحوں کو مسخر کرنے والی شرافت تھی۔ گو نبوت نے

دنیا کو مادی ترقی نہیں دی نہ ہی ایجادیں عطا کیں، نہ اس کا دعویٰ ہے نہ اس ایسا کرنے پر شرمندگی اور معذرت ہے۔ نبوت کا مقام یہ ہے کہ اس نے دنیا کو وہ افراد عطا کیے کہ جو خود صحیح راستے پر چل سکتے ہیں، اور دنیا کو چلا سکتے ہیں۔ ع سخت دشوار ہے انسان کا انساں ہونا

آج اس جدید تہذیب کے انسان نے فضا و خلا کو تو مسخر کر لیا اور چاند پر کمند ڈال لی مگر اپنی ارضی دنیا کے انسان کو انسان نہ بنا سکا کہ وہ بہترین اخلاق کا مالک ہوا اور دنیا میں امن و امان و خوش حالی پیدا ہو۔ اسلام نے وہ صالح اور صاحب یقین افراد پیدا کیے جو اپنے اخلاق، ضبطِ نفس، جذبۂ خدمت، قوت ایثار، یقین و اعتماد میں بہترین بلند مقام رکھتے تھے کہ دنیا میں ایسے انسان پیدا ہوئے نہ قیامت تک پیدا ہوں گے جو بلا شبہ ہر ایک ان میں سے معجزہ ہی ہو سکتا ہے۔ اصحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے علمی عملی اور اخلاقی کمالات کو ملاحظہ فرمائیں اور اپنے ایمان کو تازہ کریں۔

**فیضانِ نبوّت** : کیا دنیا کی کوئی قوم ایسا بہادر پیش کر سکتی ہے :

**ضبطِ نفس** :۔ امام الاولیاء حیدر کرار حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو جانی دشمن کو زیر کرنے کے بعد جبکہ قتل کرنے کے لیے اس کے حلق پر خنجر رکھتے ہیں تو اُس کافر نے آپ کے رُخ مبارک پر تھوک دیا، تو آپ کا چہرہ غصّہ سے سُرخ ہو گیا محض اس لیے اُس کو چھوڑ دیا کہ اس جذبہ جہاد میں اللہ کی وہ سابق رضا نہ رہی کہ آپ کو اپنی عزت اور نفس کی خاطر غصّہ آ گیا۔

**انفاق فی سبیل اللہ** : شیرِ خدا حضرت علی المرتضٰے نے رات بھر باغ کو پانی دے کر مزدوری حاصل کی۔ صبح اس کے تین حصّہ کر کے حریرہ پکوانے کا انتظام کیا جب پک کر تیار ہوا تو ایک مسکین نے صدا دی تو آپ نے سب اٹھا کر دے دیا۔ پھر دُوسرا حصّہ تیار کیا گیا تو ایک یتیم نے دستِ سوال دراز کیا، تو اس کو بھی اُٹھا کر دے دیا۔ پھر جب تیسرا حصّہ تیار کیا جا رہا تھا تو وہ بھی ایک مشرک قیدی کی نذر ہو گیا۔ یہ مردِ خدا رات کی مشقت کے باوجود دن بھر فاقہ مست رہے، یہ تھے وہ پاک نفوس جو اپنی ضرورتوں کو قربان کر کے دوسروں کی ضرورتوں کو پورا کرتے تھے۔ عزیز دوستو! اس دنیا کے کرۂ ارض پر بڑے بڑے حکمران پیدا ہوتے ہیں لیکن

**ذمّہ داری** : حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا کوئی بھی حکمران پیدا نہ ہوا جو حکومت کی بھاری ذمہ داریاں سنبھالنے کے باوجود رات کو رعایا کی نگہبانی کے لیے گشت لگاتے اور غریب عورتوں کے چھوٹے بچوں

کا وظیفہ مقرر فرماتے اور بھوکے بچوں کے لیے اپنی پیٹھ پر آٹا گھی لاد کر لاتے اور خود ہی ان کے چولہے میں آگ جلا کر حلوا تیار کر کے اُن کو کھلاتے۔ امیر المومنین اور اُن کی بیوی اُم کلثوم رات بھر ایک غریب [illegible] عورت کی زچگی کا خود انتظام کرتے رہے، عہد خلافت میں ایک دفعہ مسجد نبوی میں آپؓ دیر سے پہنچے تو اصحاب نے دریافت کیا یا امیر المومنین دیر سے آنے کی کیا وجہ ہے؛ فرمایا کہ میری ایک ہی قمیص [illegible] ہونے کے لیے ڈالی تھی اس وجہ سے دیر ہو گئی۔ اور بدن پر بارہ بارہ پیوند کا کرتہ اور سر پر پھٹا ہوا عمامہ اور پاؤں میں پھٹی ہوئی جوتیاں ہوتی تھیں اور ایسی حالت میں وہ قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے ملتے اور خود کو باریاب کرتے تھے مسلمانوں کو شرم آتی تھی مگر اقلیم زہد کے شہنشاہ کے آگے کون زبان کھولتا۔

زاہدوں کے سردار خلیفۃ المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ باوجود بے سروسامانی کے آدھی دنیا کے دو حکمرانوں قیصر و کسریٰ کو بیک وقت زمین پر پچھاڑا اور بیک وقت بغیر کسی دوسری حکومت کی اعانت اور امداد کے ان کا تخت اُلٹا جس کا تماشا ساری دنیا نے دیکھا اور اُن کے بے شمار خزینوں اور گنجینوں کو لا کر مسجد نبوی کے کچے صحن میں ڈال دیا گیا [illegible] تمام جواہرات اور دراہم اور [illegible] اس [illegible] سامان کو مسجد نبوی میں ایک پھٹے ہوئے [illegible] پر بیٹھ کر فاروق اعظم نے اصحاب کرام کی موجودگی میں مدینہ منورہ کے فقیروں اور درویشوں میں تقسیم کر دیا اور ہاتھ جھاڑ کر خالی ہاتھ اپنے گھر چلے گئے احتساب، ملامت ضمیر، عزیز و دستو، مکے کے اُمی معلم کی ذات بابرکات مجموعہ کمال کی عملی تعلیم کا اثر تھا کہ خدا فراموش عرب بدوؤں کو اس ایمان کے کامیاب اخلاقی مدرسے اور نفسانی تربیت کے جو اعلیٰ درجہ کی قوت ارادی، محاسبہ نفس اور خود اپنے ساتھ انصاف کرنے کی قوت عطا ہوئی۔ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

ماعز بن مالک اسلمی جو بشری کمزوریوں کی وجہ سے زنا کے مرتکب ہوتے، ان کا روحانی احساس بیدار ہوا وہ جانتے تھے کہ اس جرم کی سزا موت ہے تاہم انھوں نے رحمۃ اللعالمین کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی حالت عرض کی اور سزا کی درخواست کی، آپ نے ان کو واپس کر دیا، وہ دوسرے دن پھر آئے کہنے لگے یا رسول اللہ میں زنا کا مجرم ہوں، آپ نے دوبارہ واپس کر دیا اور ان کے گھر والوں سے دریافت کرایا کہ ان کے دماغ میں کسی قسم کی کوئی خرابی تو نہیں یا عادت کے خلاف بات تو نہیں پائی جاتی۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہم تو اسی قدر جانتے ہیں کہ وہ سمجھ دار اور اچھے خاصے آدمی ہیں پھر تیسری بار ماعز بن مالک آئے تو آپ نے دوبارہ دریافت کرایا جواب ویسا ہی ملا چوتھی بار جب وہ آئے تو آپ نے نصف [illegible] ن کرا

... کا حکم دیا۔ دیکھو کس طرح گناہ کی یاد چین حرام کر دیتی ہے حتیٰ کہ خود زانی کے سامنے اقرار ... سخت سے سخت سزا کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیتے اور پھر سزا کو برضا و رغبت جھیلتے تاکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچ سکے اور آخرت کی سزا کی جگہ دنیا کی سزا لے لے اسی طرح اس واقعہ کے بعد ... ایک عورت آئی اور کہنے لگیں یا رسول اللہ! مجھ سے زنا کی غلطی سرزد ہو گئی ہے مجھ کو پاک کروا دیجیے آپ نے انہیں اُن کو واپس کر دیا۔ دُوسرے دن پھر آئیں اور کہنے لگیں آپ مجھے کیوں واپس کرتے ہیں۔ شاید ... ماعز کو واپس کرتے تھے ... میں حاملہ بھی ہوں۔ آپ نے فرمایا تو پھر جا ولادت ہو جائے ... وہ بچہ ولادت سے فارغ ہوئیں پھر آئیں۔ ان کا کپڑے میں لپٹا ہوا تھا ... یہ میرا بچہ ہے۔ آپ نے فرمایا جاؤ دودھ پلاؤ جب کچھ کھانے لگے تو لانا۔ جب دودھ چھڑایا تو پھر آئیں ... ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا۔ کہنے لگیں اے اللہ کے رسول۔ لیجیے میں دودھ سے فارغ ہو گئی اور یہ روٹی بھی کھانے لگا ہے آپ نے بچہ ایک مسلمان کے سپرد کیا اور حد قائم کرنے کا حکم دیا۔ اُن کے سینے تک گڑھا کھودا گیا ... آپ نے حکم فرمایا، لوگوں نے سنگسار کر دیا۔ خالد بن ولید نے ایک پتھر مارا تو خون کی چھینٹیں اُن پر پڑیں تو انھوں نے تضحیک کے لفظ کہے۔ آپ نے یہ لفظ سُن لیے اور فرمایا: خالد! اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس خون کو مدینہ میں تقسیم کر دیا جائے تو اس کی برکت سے سارے مدینے کے لوگ بخش دیے جاتے۔ پھر آپ نے حکم دیا اور نماز جنازہ پڑھی گئی اور اُن کو دفن کر دیا گیا۔

دوستو، دیکھا آپ نے ایمان اور آخرت پر یقین کی مثال۔

**شوقِ شہادت:** ایک اعرابی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور ایمان لایا، اور آپ کے ساتھ ہجرت کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ لیکن آپ نے اس کو بعض صحابہ کے سپرد کر دیا جن کے وہ اونٹ چرایا کرتا تھا لیکن جب ایک غزوہ میں مالِ غنیمت ہاتھ آیا اور آپ نے اس کا بھی حصّہ لگایا تو اس نے کہا کہ میں اس لیے ایمان نہیں لایا، بلکہ میں اس لیے حلقہ اسلام میں داخل ہُوا ہوں کہ میرے حلق میں تیر لگے اور میں شہید ہو کر جنّت میں داخل ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد معرکہ کا زور گرم ہُوا تو وہ ٹھیک حلق پر تیر کھا کر شہید ہُوا اصحاب کرام اس کی نعش کو حضور کے سامنے لائے تو آپ نے فرمایا "اس نے خدا کی تصدیق کی تو خدا نے بھی اس کی تصدیق کی۔ یہ کہہ کر حضورؐ نے خود اپنا جُبّہ مبارک کفن کے لیے عنایت فرمایا۔

غزوہ احد میں ایک اصحابی نے حضورؐ سے پُوچھا اگر میں شہید ہو جاؤں تو میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا۔ ارشاد فرمایا کہ "جنّت میں"۔ کھجوریں ہاتھ میں تھیں اُن کو پھینکا اور لڑ کر شہید ہو گئے۔

دوستو، یہ تعلیمِ اخلاق حضور نبی امّی محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و محبت کا اثر تھا کہ جو بھی ایک مرتبہ اس سے کیف آشنا ہوتا پھر اس کو اہلِ کفار کی سختیاں دینِ اسلام سے منحرف نہ کر سکیں اور نہ ہی بڑی سے بڑی تکلیف اس کی راہ میں حائل ہو سکی۔ مومنوں نے جان دینا اور ظلم جھیلنا گوارا کر لیا مگر اسلام سے روگردانی کا نام سننا بھی برداشت نہ کیا۔ یہ ایمان کا رسوخ اور کمال تھا کہ جو احکام الٰہی اور شریعت کے امر و نواہی پر صدقِ دل سے کاربند رہنا ہر مومن کے لیے آسان اور سہل کر دیتا تھا۔ وقتِ عبادت ہو تو پورے اہتمام سے عبادت کے لیے تیار، معاملات کا موقع ہو تو دیانت داری اور راستبازی کے ساتھ ان سے عہدہ برآ ہونے پر آمادہ۔ وقتِ جہاد ہو تو بلا تردد جاں نثاری کے لیے بے تاب و مضطرب، ایمان کی پختگی، حوصلہ کی بلندی اور دینِ اسلام سے شیفتگی، حضور آقائے دو عالم محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ صحبت کا نتیجہ تھی، ایک ہی صحبت میں آپ کی صحبت کا نقش ہر صاحبِ ایماں کے دل پر ایسا گہرا بیٹھ جاتا تھا کہ جسے کسی بھی طرح مٹانا ممکن نہ تھا۔ یہ جذبۂ محبت ہی بارگاہِ رسالت کے جاںنثاروں کو ہر میدان کی طرف کشاں کشاں لے جاتا اور بدلِ ہمت کے لیے تیار و مستعد کر دیتا تھا۔ اصحابِ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر احکامِ خداوندی کی تعلیم بھی حاصل کرتے تھے اور آپ کی صحبت و تربیت سے تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب کی دولت سے بھی مالا مال ہوتے تھے۔ حکمتِ الٰہیہ اور اسرارِ دیں کا درس ان سب عنایات پر مستزاد تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ پاکؐ کے منصبِ نبوت کے تقاضوں کو حضور رحمتِ دو عالم آیاتِ قرآن اور احکامِ خداوندی اپنے اصحاب کو سناتے ہیں اور ہوا و ہوس نفسانی سے ان کے قلوب کی تطہیر بھی کرتے انھیں کتاب اللہ اور حکمت الٰہیہ کی تعلیم بھی دیتے تھے اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر گویا نئے سرے سے بابِ رحمت کھولا اور دنیا کی ہدایت کے لیے اپنے آخری رسول محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ آپؐ نے قلیل عرصہ میں کائنات کو نورِ توحید سے فروزاں کر دیا۔ رفتہ رفتہ پورے عرب اور پھر بیرونِ عرب ساری عالمِ انسانیت کو اللہ تعالےٰ کا پیغام سنایا۔ قرآن حکیم جو اللہ تعالےٰ کا کلام معجزہ نظام ہے اور انسان کی زندگی کے تمام اطوار و اوضاع پر حادی ہے۔ ہر قسم کے احکام اس میں موجود ہیں۔ توحید، رسالت، عبادات، معاملات، سیاسیات اور مکارمِ اخلاق وغیرہ غرض کہ انسان کی فلاح و بہبود اور نظامِ اصلاح کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کی کامل صراحت و وضاحت اس میں موجود نہ ہو۔ حاملینِ قرآن حکیم میں ایسے حضرات بھی ہر عہد اور ہر خطۂ زمین میں کثرت کے ساتھ موجود

رہے جنھوں نے قرآن حکیم اور تعلیمات نبویہ کی ترویج و اشاعت کو زندگی کا شعار بنایا اور یہ سلسلہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر اب تک چلا آ رہا ہے۔ علما و صلحا کا یہی وہ مقدس گروہ ہے جن کی محبت میں قرآنی تعلیمات کے ظاہری پہلو بھی آشکارہ ہوتے ہیں اور باطنی حقائق و اسرار بھی کھلتے ہیں ان کی محبت میں قلوب کا تصفیہ بھی ہوتا ہے اور نفوس کا تزکیہ بھی۔ اسرار الٰہیہ کا انکشاف بھی ہوتا ہے اور معارف شرعیہ کا ادراک بھی۔ مقامات سلوک پر رسائی نصیب ہوتی ہے اور منازل عرفان بھی طے ہوتے ہیں۔ اور تجلیات و مشاہدات بھی بدل جاتے ہیں اس طور سے نبوت کے کمالات و فیضان کا یہ سرچشمہ ان حضرات کی وساطت سے مسلسل گلشن زار امت کو سیراب کر رہا ہے۔

**شرع محمدی** : عزیز دوستو! دنیا کی کئی مادی تہذیبیں درخشانی کے ساتھ آئیں اور جلد ہی ماند پڑ گئیں اور کئی دنیاوی حکومتیں قائم ہوتی رہیں اور مٹ گئیں اور کئی قانون ساز دماغ پیدا ہوتے رہے۔ لیکن آج نہ ان کے قانون کا کوئی سراغ ملتا ہے اور نہ ان کی شخصیت کا نشان۔ لیکن خدائی قانون ہمیشہ زندہ و پائندہ رہے گا اور ختم المرسلین حضرت محمد رسول اللہ کی لائی ہوئی شریعت کا قانون چودہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی مسلمانوں کے جسم و روح پر انفرادی و اجتماعی طور پر عملی شکل میں جاری و ساری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا اور اسلام کا آفتاب پوری تابانی کے ساتھ عالم پر روحانی تسکین کے موتی بکھیرتا رہے گا۔ اسلام ایک زندہ اور عملی دین ہے اور اس کے پیچھے پیغمبر اسلام محمد رسول اللہ کی عملی شکل سنت مطہرہ کی صورت میں موجود ہے۔ مسلمان اس کو عبادت اور دین و دنیا اور آخرت کی فلاح سمجھ کر اس کی اتباع کرتے ہیں۔ اس کو سمجھنے کے لیے میں ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ شیخ الرئیس بو علی سینا کا ایک یہودی فلسفی طالب علم خادم تھا جو شیخ کے علم اور فلسفہ کا بہت دلدادہ تھا وہ تعجب کرتا کہ شیخ جیسا اتنا بڑا عظیم الشان مدبر انسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو کیسے مانتا ہے اور اس کی کیونکر پیروی کرتا ہے حالانکہ شیخ ان سے زیادہ عالم اور ترقی یافتہ ہے (نعوذ باللہ) اس خیال کا اس نے شیخ بو علی سینا سے متعدد بار اظہار کیا مگر وہ اس سے کنارہ کشی کرتے یا اسے دھتکار دیتے تھے ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ وہ دونوں اصفہان کے شہر میں ایسے وقت ٹھہرے جب کہ رات کو سردی بہت پڑ رہی تھی اور برف باری ہو رہی تھی۔ شیخ الرئیس نے تہجد کے وقت اپنے اس خادم کو جگایا اور وضو کے لیے اس سے پانی طلب کیا۔ اس پر اس نے سخت سردی اور صبح نہ ہونے کا عذر کیا۔ اس کے بعد شیخ الرئیس نے صبح کی اذان کے وقت اسے جگایا اور پانی مانگا اس وقت بھی اس نے سخت سردی کا عذر پیش کیا۔

یہاں تک کہ مؤذن نے کہا اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰہِ شیخ الرئیس نے اپنے اس خادم سے
کہا کہ سنو مؤذن کیا کہہ رہا ہے اس نے کہا وہ کہہ رہا ہے اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ بو علی
سینا نے کہا اب وقت آگیا ہے کہ تمھاری قدیم گمراہی سے تمھیں آگاہ کروں۔ دیکھو تم میرے خادم ہو،
میری خدمت کے سوا اور کوئی تمھارا کام نہیں ہے اور تم مجھے سب لوگوں سے زیادہ پسند کرتے ہو
اور سب سے زیادہ میری عزت واحترام کرتے ہو، یہاں تک کہ تم مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے بھی افضل (نعوذ باللہ) سمجھتے ہو۔ اور تمھیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ میں ان پر ایمان لے آؤں اور ان کی
اتباع کروں۔ ان تمام باتوں کے باوجود تم ایک کمترین خدمت کے سلسلے میں جو گھر کے اندر ہی کی جا

بلغ العلیٰ بکمالہٖ
کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ
صلوا علیہ وآلہٖ
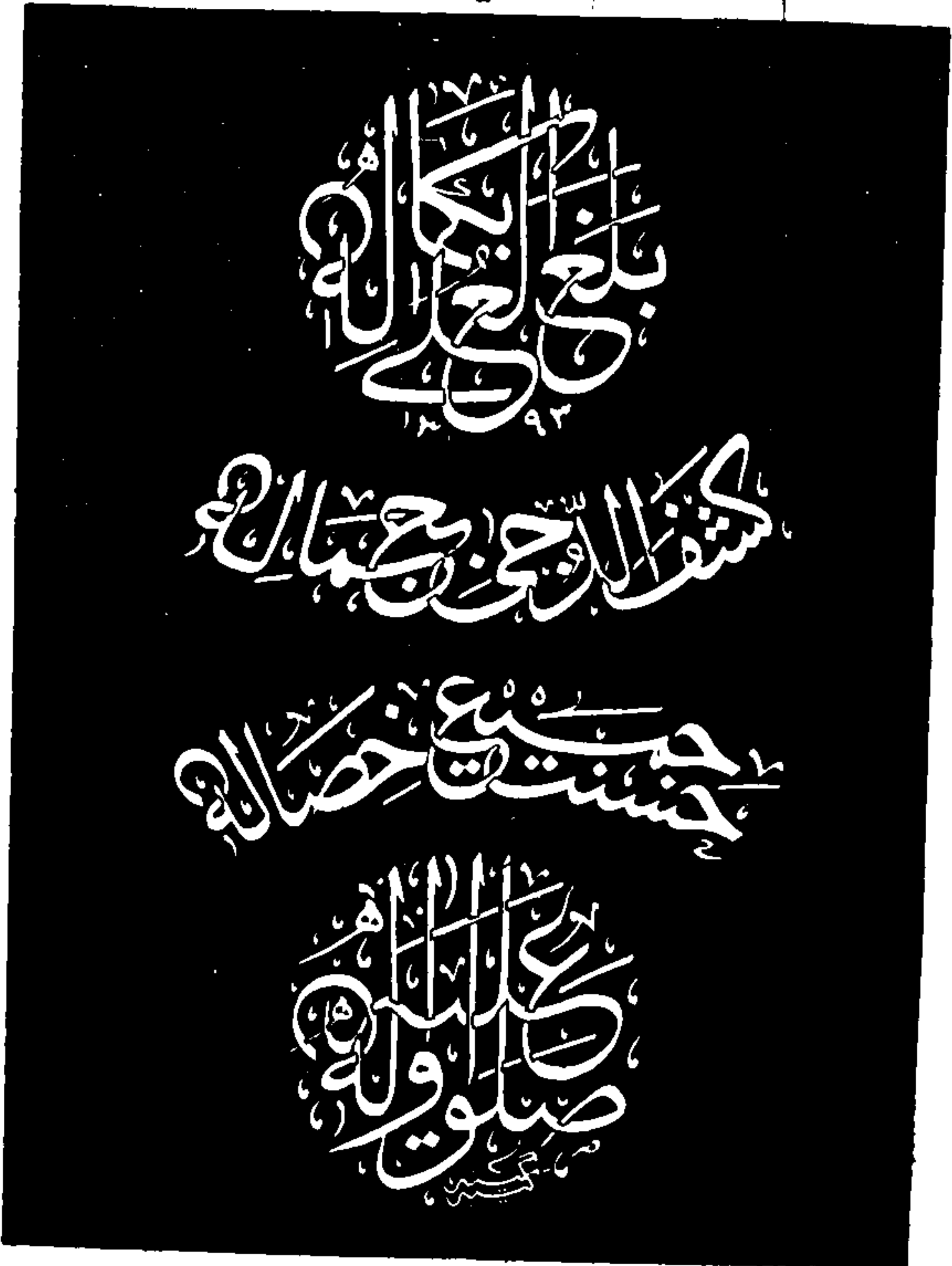
سکتی ہے تم سخت سردی کا بہانہ کر کے میرے حکم کی خلاف ورزی اور مخالفت کرتے ہو، مگر یہ ایرانی موذن فجر سے پہلے اپنے گھر سے نکلتا ہے اور وضو کر کے اس مینارہ پر چڑھتا ہے جو سخت سردی کی جگہ ہے جہاں شہر کی ہر جگہ سے زیادہ ٹھنڈک ہے، یہاں تک کہ جب صبح صادق نمودار ہوتی ہے تو وہ اپنی اذان میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی رحلت کو چار سو برس سے زیادہ کی مدت گزرنے کے بعد بھی بلند آواز سے پکارتا ہے یہ ایمان ویقین، شہادت وثواب کا جذبہ ہے۔ اس پر خوب غور کرو۔

## نبوّت کی حکومت اور علم وفلسفہ کی حکومت کا فرق

صاحبو، دینی وحی کی ہدایت کو علم وعقل سے حاصل کی ہوئی ہدایت پر ترجیح حاصل ہے کہ مومنین کے تمام طبقے وحی کو عبادت سمجھ کر اس کی اتباع کرتے ہیں بس انبیاء اور حکماء کے علم وحکمت کے درمیان یہی بنیادی فرق ہے کہ حکماء اور عقلمند فلسفی اپنے علوم میں اس قدر ترقی یافتہ ہو جاتے ہیں کہ وہ اللہ تعالےٰ اور اس کے علم وحکمت اور اس کی عظمت وعبادت اور شکر ونعمت اور مرنے کے بعد رُوح کے زندہ رہنے اور آخرت کے ہمیشہ کے عذاب وراحت بھی دلائل سے ثابت کرتے ہیں یہ انسان کے علم وحکمت کے ناقص خیالات ہیں۔ ایسے ناقص خیالات ہیں جو عالم غیب کے متعلق صرف اتنا بتاتے ہیں کہ وہ موجودُ ہے مگر اُس کی حقیقت معلوم نہیں۔ نیز اس میں بھی غلطی اور مخالفت کا امکان ہو سکتا ہے۔ نہ ہی ان اذکار وخیالات کا عوام کے تمام طبقوں کے دلوں میں اس کا اثر ہوتا ہے اور نہ ہی وہ دل وجان سے اس پر یقین رکھتے ہیں، اور ہو سکتا ہے کہ وہ ان دلائل کو اپنی خواہشات پر ترجیح دیں کیونکہ ان کے وجدانی جذبات پر غالب آنے والا کوئی نہیں اور نہ ہی ان دلائل کو دینی ومذہبی حیثیت حاصل ہے کہ اس پر عمل کرنا لازمی امر ہو کہ ان کو عبادت سمجھ کر سر تسلیم خم کیا جائے اور نہ ہی یہ دلائل ضابطہ اخلاق وآداب کی صحت کے لیے مستقل عمل کے لیے کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ انسانی فطرتی طبیعت میں اپنے جیسے بشر کے سامنے جھکنا پسند نہیں کرتی خواہ وہ علم وحکمت میں اس سے کتنا بڑھا ہوا کیوں نہ ہو،

**نائب حق**:۔ صاحبو! کائنات کی کوئی چیز بھی بے کار پیدا نہیں کی گئی۔ ہر ایک کی پیدائش کا کوئی مقصد ہے، جس چیز پر نظر ڈالی جائے وہ انسان کی خدمت میں مصروف ہے اور انسان کے لیے مفید اور فائدہ مند ہے۔ یہ کائنات انسان کے لیے پیدا کی گئی ہے، شمس وقمر کے مہ وسال، طلوع وغروب کا دلکش منظر، صبح وشام کے دلفریب جلوے، موسمی تغیر، سردی وگرمی، بہار وخزاں، دریاؤں کی روانی، صحراؤں

کا سکوت اور ہزاروں انواع واقسام کی دلچسپیاں اور طلسم بندیاں بے فائدہ نہیں سچ تو یہ ہے کہ کائنات کی تمام چیزیں انسان کے بدن کی پرورش کے لیے بنیں اور بدن دل کے لیے، دل روح کے لیے، رُوح و جسم اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنایا گیا، کیا یہ ظلم نہیں کہ کائنات کی ہر چیز تو اپنا اپنا کام کرے مگر انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہی چلا جائے، میرے عزیز دوستو، موت ایک خونخوار بھیڑیے کی طرح دروازے کے اندر جھانک رہی ہے، بیماریوں نے صحت کے قلعے کا محاصرہ کر رکھا ہے، زندگی پانی کی طرح ایک ٹوٹے ہوئے برتن سے آہستہ آہستہ بہہ رہی ہے، کیا یہ حیرانی نہیں کہ ان حالات میں انسان خدائے واحد کی نافرمانی کرتا چلا جائے۔ صاحبو، انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنا نائب بنا کر زمین پر بھیجا کہ میری رضا کے مطابق انسان زندگی بسر کرے، اور صرف میری ہی عبادت کر کے جنت کا وارث بنے۔ دیکھیے آسمان پر سُورج چاند سے زیادہ کوئی چیز اشرف نظر نہیں آتی اور زمین میں انسان سے بہتر کوئی شئے معلوم نہیں ہوئی حقیقت میں دیکھئے تو انسان سب سے افضل ہے چاند وسُورج میں اگر نورِ شعاع ہے تو انسان میں نُورِ عقل ہے۔ نورِ شعاع سے اگر زمین وآسمان روشن ہوتے ہیں تو نُورِ عقل سے کون ومکاں و زمین و زماں منور ہوتے ہیں۔ کائنات میں جتنی چیزیں ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں، ان کو دیکھنے سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اس کی حکمت کا پتہ چلتا ہے اور اس کی ذات کا عرفان ہوتا ہے اس لیے قرآن حکیم میں کائنات کی چیزوں کو غور وفکر سے دیکھنے کی تعلیم دی گئی ہے تمام چیزیں آیاتِ الٰہیہ ہیں۔ ہر شے کا ایک مقصد ہے ان میں کوئی نہ کوئی حکمت ہے اس تک انسانی فکر پہنچے یا نہ پہنچے۔ دیکھیے یہ کائنات جو اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ ہے یہ رنگا رنگ کی حسین نقش والی تتلیاں یہ طاؤس کا ہوش رُبا رقص اور اُن کے پروں کا دلفریب رنگ جن کے نقش کو دیکھ کر حقیقی نقاش کی معرفت حاصل ہوتی ہے یہ جگنو کی ٹھنڈی روشنی اور کبھی اس کا جلنا کبھی بجھنا، کبھی یہاں کبھی وہاں اُس کا نظر آنا، اور کس طرح پھولوں کے بیجوں سے گُلہائے رنگارنگ پیدا ہوتے ہیں یہ آسمان، ستارے، چاند، سُورج، بادل اور قوسِ قزح کی حقیقت اور اس کے رنگوں کا دلکش لطیف توازنی چکر جو خدائے لم یزل کی قدرت کا حسین شاہکار ہے۔ یہ بھی دیکھیے کہ یہ کائنات جو تنظیم و ربط کا بہت بڑا مجموعہ ہے۔ خدائے علیم حکیم نے چاند کو کس طرح فضا میں معلق کیا جس میں پہاڑ، ریگستان اور غاریں بھی موجود ہیں اور خود تو چاند بالکل سیاہ ہے اور یہ آفتاب سے روشنی حاصل کرتا ہے اور سُورج کے ساتھ اس کا گہرا رابطہ و تناسب ہے اور اس کی

روشنی سے عالم منور ہے اور ضوءِ قمر سے سمندر اور دریاؤں میں مدوجزر (جوار بھاٹا) کا تعلق ہے۔ رات کی تاریکی میں جہاز رانوں اور کشتی بانوں کو اس سے جہات معلوم ہوتی ہیں۔ اور غور کا مقام ہے کہ یہ دل خوش اثمار و اناج میں کس طرح شمس وقمر کی شعاعوں سے تری اور پختگی کی تاثیر کارفرما ہوتی ہے۔ صاحبو، قرآن حکیم پر غور کرو جو جامع العلوم ہے جس طرح زیتون کا تیل چراغ کی روشنی بڑھاتا ہے اسی طرح قرآن حکیم عقل کی روشنی کو بڑھاتا ہے۔ قمری مہینوں کا پورا حساب چاند نکلنے اور بڑھنے کے ساتھ اور قمری سال کے بارہ مہینوں کا حساب سورۃ لیسین میں بحساب ابجد لفظ قدرنٰہ جمع کیا جائے تو کل میزان ۳۶۰ دن بنتے ہیں ملاحظہ فرمائیں ق ۱۰۰، د ۴، ر ۲۰۰، ن ۵۰، ا ۱، ہ ۵ کل میزان ۳۶۰۔ یہ تمام کے تمام علوم قرآن حکیم پر غور وفکر کرنے سے حاصل ہوتے ہیں اور موسموں فصلوں کا نظام منبع روشنی وحرارت آفتاب کے ساتھ کس حیرت انگیز طریق پر قائم ہے۔ ملاحظہ فرمائیں کہ معدنی جواہرات الماس لعل بدخشانی، یاقوت اصفر، زمرد اخضر، نیلم، پکھراج، فیروزہ، عقیق وغیرہ کس طرح شعاع آفتاب سے اپنا اپنا رنگ جذب کرتے ہیں پھر یہ بھی غور کریں کہ ان گہرہائے گراں مایہ کی شکل، صلابت، وزن مخصوص، طاقت، انعکاس، چمک و رنگ ہر ایک کی جدا جدا ہے اور کس طرح قدرت ربی ان کی تخلیق کرتی ہے اور یہ زمین سے برآمد ہونے والے فلزات سونا، چاندی، قلعی، مس، فولاد وغیرہ کی مختلف ماہیت اور تاثیرات پر غور وخوض کریں تو حیرت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں کیا کیا صفات ودائع کی ہیں پھر ان کا الگ الگ خاص درجہ حرارت پر سیال ہونا، اور پھر اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ ملاحظہ فرمائیں کہ سونے میں قدرت نے چند خاص صفات رکھی ہیں مثلاً (۱) یہ کہ وہ سب دھاتوں کے آخر میں تیز درجہ حرارت پر پگھلتا ہے (۲) یہ کہ اس کے اجزا کی صلابت نہایت پیوستہ ومضبوط اور سخت ہوتی ہے کہ ۴ رتی کے تقریباً یکصد ورق بننے پر بھی نہیں ٹوٹتا (۳) یہ کہ اس کو مٹی نہیں کھاتی اور نہ ہی اس پر زنگ لگتا ہے (۴) یہ کہ اس کے کھانے سے اعضائے رئیسہ کو تقویت ہوتی ہے۔ (۵) یہ کہ اس دھات کا وزن سب دھاتوں سے زیادہ ہوتا ہے یہ صفات سونے کے سوا اور دوسری دھاتوں میں نہیں پائی جاتیں اور کہ یہ چمن کے رنگا رنگ پھولوں کا سورج کی سات رنگی شعاعوں سے مختلف قسم کے رنگ اپنی فطرت کے مطابق جذب کرتے ہیں۔ دوستو، یہ سب قدرت خداوندی کے کرشمے ہیں۔ حضرت رابعہ بصری سے کسی نے کہا فصل بہار کی وجہ سے دنیا بے حد حسین ہو چکی ہے، ذرا عبادت گاہ سے باہر آ کر صنعت یزداں کا تماشہ دیکھیے۔ فرمایا میں کاریگر کے جلووں میں گم ہوں اس کی کاری گری دیکھنے کے لیے نہ فرصت ہے

نہ فرصت۔ دوستو یہ تمام کائنات کی کارگزاریاں صرف انسان کے ذوقِ جمال کو تسکین دینے کے لیے معرضِ وجود میں لائی گئی ہیں لیکن انسان کو صرف عبودیت کی تکمیل کے لیے پیدا کیا گیا۔ مومن کی حیثیت رب العالمین کے غلام جیسی ہے اور سورج، چاند، ستارے اور تمام مخلوق کی حیثیت نوکر جیسی ہے۔ غلام اس لیے خریدا جاتا ہے کہ شاہ کو جو چاہیے اپنی مرضی کے مطابق اس سے کام لے لے۔ عالم موجودات کی ہر چیز نوکر ہے اور مومن اللہ کا غلام ہے کیونکہ مومن کی جان و مال کو جنت کے عوض خریدا گیا ہے۔ سودا ہو چکا ہے عزیزو، دنیا آخرت کی کھیتی ہے جو اس جہاں میں بوتے گئے وہی وہاں کاٹو گے اس جہاں میں عمل صالح کے نوٹ چلیں گے یہ دنیا دارالعمل ہے آنے والا عالم دارالجزا ہے یہ دنیا نمائش گاہ نہیں آزمائش گاہ ہے۔ دنیا ہاتھ میں رکھنے کی چیز ہے اور جیب میں رکھنے کی شے ہے لیکن دل میں رکھنے کی چیز نہیں۔ آپ جائز اور حلال راستوں سے دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں اور اس دنیا کی محبت میں اتنے سرمست نہ ہوں کہ دل سے آخرت کا خیال ہی نکل جائے:

آب در کشتی ہلاکِ کشتی است　　　آب زیرِ کشتی اور اپشتی است

غور کرو دنیا کا جوڑ تاجڑا نہ ہے دین کا جوڑا تنا مضبوط ہے جو نہ اس دنیا میں ٹوٹتا ہے نہ آخرت میں ٹوٹے گا۔ وہاں بھی نیک نیکوں کے ساتھ ہوں گے۔

**وقت اور زندگی**: وقت تمام عظمتوں کی کلید ہے۔

جس طرح بچہ بطنِ مادر کے اندر یہ سمجھتا ہے کہ میری جگہ بہت بڑی وسیع ہے وہ اس میں ہمیشہ ہی رہے گا۔ وہ ماں کے پیٹ سے باہر اس دنیا میں آنا پسند نہیں کرتا۔ صاحبو، یہ دنیا بھی ماں کے پیٹ کی طرح ہے یہاں سے جانا کوئی بھی پسند نہیں کرتا لیکن ایک دن مرنا ضرور ہے موت کے بعد ایک بہت بڑی جگہ جس کی وسعت بہت بڑی وسعت ہے جس میں ہمیشہ کا عذاب اور ہمیشہ کی راحت ہوگی، دوستو: آخرت کی اس زندگی کو سنوارنے کے لیے اس دنیا میں عمل صالح کی ضرورت ہے۔ مبارک ہے وہ انسان جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مطہرہ کے مطابق اپنی زندگی گزار دے تو وہ زندگی کیمیا بن جائیگی ورنہ زندگی تو حیوان بھی گزار دیتے ہیں اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اس دنیا میں میری مرضی کے مطابق تو زندگی گزار دے اور میں آخرت میں تیری مرضی کے مطابق ہر چیز تجھ کو عطا کروں گا۔ عزیزو! اس دنیا کو عالم روحانی کے مقابلے میں ایک قفس کی حیثیت ہے۔ انبیائے کرام

کو اس قفسِ عنصری میں رہتے ہوئے بھی آخرت کا یقینی علم ہوتا اور جب اس قفس کی تیلیاں ٹوٹتی ہیں تو روح رہا ہو جاتی ہے اور وہ اپنے اصلی وطن کی طرف پرواز کر جاتی ہے، دوستو، حق جل شانہٗ نے ہم کو ایک محدود زندگی عطا فرمائی ہے پھر زندگی بھی چند حصوں پر منقسم ہے۔ بچپن، جوانی، ادھیڑ، بڑھاپا ہر ایک حصہ اپنا خاص عمل رکھتا ہے جو دوسرے حصہ میں غیر مناسب ہے یا مشکل و محال ہے جیسا کہ بے وقت زراعت نہیں ہو سکتی۔ ان مراحل کے ساتھ خود زندگی ہی چند روزہ ہے۔ جب موت کا وقت آجائے تو پھر گیا وقت ہاتھ نہیں آتا۔ بچپن گیا تو آب کہاں۔ جوانی ختم ہوئی تو بہار گئی۔ بڑھاپا آیا تو پیامِ موت آیا۔ غرض عمر عزیز محدود شے ہے۔

لے مسافر کوچ کا سامان کر — ہے بہار باغ دُنیا چند روز

عزیزو، زندگی کے لمحے ریزہ ہائے الماس ہیں اس کی قدر اور حفاظت کرو اس کو ضائع نہ کرو، بے مقصد زندگی سے دنیا اور آخرت دونوں برباد ہو جاتے ہیں۔ ہمارا مقصد زندگی اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی اور پسندیدہ اخلاق ہیں اور زمانہ اور وقت انسان کے لیے جنس خام کی طرح ہے جس طرح خام لکڑی بڑھئی کے ہاتھ میں یا خام لوہا لوہار کے ہاتھ میں ہو۔ اب کاریگر مختار ہے کہ اپنی جدوجہد کے ساتھ لکڑی یا لوہے سے عمدہ اشیاء تیار کرے یا ان کو بے کار چھوڑ کر برباد کر لے ورنہ یہ برف کی طرح پگھل کر ختم ہو جانے والی زندگی ہر حالت میں گزر کر ختم ہو جائیگی۔

عمر ایک دن ہو کہ سو سال گزر جاتی ہے — دوش پر کملی ہو کہ دوشالہ گزر جاتی ہے
گو امیروں کی گزرتی ہے براحت غلام — بیکسوں کی بھی بہرحال گزر جاتی ہے

---

دنیا دریا ہے ۰ ہوس طوفاں ہے
مانندِ حباب ہستی حضرت انساں ہے
لنگر ہے دلِ تو ہر نفس بادِ مراد
سینہ کشتی ہے ۰ ایمان ناخدا ہے

**انسانی علم کے مختلف ذرائع:۔** حواس خمسہ ظاہرہ وباطنہ، عقل و تجربہ، کشف و وجدان وغیرہ ہوتے ہیں مگر ان کے ذریعے سے علم حاصل کردہ غلطی سے سو فیصدی پاک نہیں ہوتا۔ لیکن وحی والہام کے ذریعہ سے جو علم حاصل ہو اس میں کوئی غلطی نہیں ہوا کرتی اور نہ ہی اس پر انسانی رجحان ومیلان اور ماحول و تربیت کا اثر ہوتا ہے اور وحی پانے والے پاک نفوس زمانی، مکانی اور لسانی وغیرہ اختلاف کے باوجود اصولاً ایک دوسرے کے مؤید ہی ہوتے ہیں۔ امّ الاصول۔ توحید۔ الوہیت۔ پرہیزگاری۔ جزائے اعمال وغیرہ حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر حضرت ختم المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی اختلاف نہیں۔ سب کا مرکز ایک ہے اور عقل وحی الٰہی کی محتاج ہے اس کے بغیر وہ حقیقت وکنہ میں ٹھوکریں کھاتی ہے اور معرکہ اختلاف بن کر رہ جاتی ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ وجد و حال اور کشف اشراق اگر وحی الٰہی کے مطابق ہوں تو بسر وچشم ورنہ وہ قابل قبول نہیں۔

**عقل اور وحی کا باہمی رشتہ:۔** صاحبو، مغرب نے عقل کی رہنمائی کو تسلیم کیا اور وحی الٰہی سے تعلق قطع کر دیا۔ مشرق نے وحی کے الفاظ کو لے لیا لیکن عقل کو اپنی زندگی سے بے دخل کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں رُخ یکطرفہ ہو گئے۔ یہ حقیقت ہے کہ جب وحی الٰہی اور عقل آپس میں مل جائیں تو حقیقت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے۔ وحی الٰہی اور عقل کا تعلق اس طرح سمجھیے کہ وحی الٰہی آفتاب ہے تو عقل چشم بصارت۔ جس طرح آفتاب کو دیکھنے اور اس کی روشنی سے فائدہ اٹھانے کے لیے بصارت کی صحت ضروری ہے اسی طرح وحی سے مُستفید ہونے کے لیئے عقل سلیم کی ضرورت ہے۔ آنکھ کے بغیر سورج کام نہیں دیتا اور سورج کے بغیر آنکھ کچھ نہیں دیکھ سکتی۔ بالکل اسی طرح وحی الٰہی کے بغیر عقل غلطیوں سے بچ نہیں سکتی اور عقل سلیم کے بغیر وحی الٰہی کا نور چھپا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں حواس سے پورا پورا کام لینے اور عقل و فکر کی صلاحیتوں کو زیادہ سے زیادہ استعمال کرنے کی تاکید فرماتا ہے۔ مسلمان کو عقل و دین کا جامع ہونا چاہیے کیونکہ علوم عقلیہ بمنزلہ غذا کے ہیں اور علوم شرعیہ بمنزلہ دوا کے ہیں یا یوں سمجھیے کہ عقل بمنزلہ ایک چراغ کے ہے اور شریعت بمنزلہ روغن کے ہے۔ چراغ بغیر تیل کے اور تیل بغیر چراغ کے کیا مفید ہے؟ چراغ عقل سے راہ حق پانا محال ہے۔ بیشک عقل اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت عظمیٰ میں سے ہے یہ صرف دین اسلام ہی کا خاصہ ہے کہ اس نے نہ تو عقل کو صحیح اور قطعی معیار قرار دیا ہے اور نہ ہی اسے معطل چھوڑ دیا بلکہ عقل کی شمع میں تعلیم وحی کا تیل ڈال کر انسانی فطرت کو

صراط مستقیم کی ہدایت فرمائی ہے۔

تل نتھا سا بیج ہے تل کے اندر تیل ۔ تیل کے اندر نور ہے دل کر تیل سے میل

اگر عقل وحی الٰہی کے تابع ہو تو عقل کامل، ورنہ عقل شتر بے مہار کی طرح بھٹکتی رہتی ہے اور اس کو صراط مستقیم کا پتہ نہیں لگتا عقل مشعل راہ ہے اس کی روشنی میں راستے میں کنوئیں کو دیکھا جا سکتا ہے کیونکہ مشعل سے رہنمائی ہوتی ہے اور راستے کے سارے نشانات اس سے روشن ہوتے ہیں مگر خود نہ وہ راستہ بتاتی ہے نہ منزل قائم کرتی ہے عقل روشنی ہے وہ غیب کا علم نہیں جانتی۔ نجات و منزل کا راستہ بفضل ربی وحی الٰہی ہی بتاتی ہے عقل خواہ کتنی ہی سلیم کیوں نہ ہو مگر اس کا ادراک محدود اور متناہی ہے تمام چیزوں کا درکنار عقل ایک شے کے تمام اطراف اور جوانب کا احاطہ نہیں کر سکتی نیز طبائع بشریہ اکثر اوہام کے مطیع ہوتی ہیں اور وہم کی آمیزش صحیح ادراک سے مانع ہوتی ہے پھر عقل کی بے چارگی کا یہ عالم ہے کہ عقل اپنے ادراک میں حواس خمسہ کی محتاج ہے اشیاء کے حسن و قبح کا کما حقہٗ علم سوائے اللہ تعالیٰ جو علیم و خبیر ہے کسی کو نہیں اور حق تعالیٰ نے اپنی رحمت و عنایت سے عقل کو جس حد تک ادراک عطا فرمایا ہے اسی حد تک عقل کو علم ہو سکتا ہے۔ عقل انسانی کا دائرہ محدود ہوتا ہے جس طرح بصارت ایک خاص فاصلہ کے آگے نہیں جا سکتی یعنی آنکھ خاص دائرے کے اندر مرئی چیزوں کو دیکھ سکتی ہے مگر اپنے دائرہ سے باہر دُوربین اور اپنے دائرہ کے اندر خوردبین کی محتاج ہے اور سماعت اپنے عمل کے لیے ایک مخصوص دائرہ چاہتی ہے جس کے بعد وہ بیکار ہے۔ معدہ کا کام ہضم کرنا۔ دماغ کا کام سوچنا، اسی طرح عقل کا دائرہ بھی محدود ہوتا ہے جس میں وہ عمل کرتی ہے اس کے بعد وہ قطعاً بےکار ہو جاتی ہے۔

کیونکہ عقل انسانی جزئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم کلی کے تابع کر دینے سے اس علم کے بھی سرمایہ دار ہو جاتے ہیں جس کو ہماری عقل بذات خود حاصل نہیں کر سکتی تھی اور عقل تابع وحی الٰہی ہو کر عقل خوردبین نہیں رہتی بلکہ عقل جہاں بین ہو جاتی ہے بس اگر عقل فضل خداوندی ہے تو شریعت رحمت خداوندی ہے۔ اور عقل مندی یہ ہے کہ حضور پرنور عقل کل رحمت دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں عقل کو قربان کر دے، کیونکہ یہی ایک کامیابی کا راستہ ہے۔ عقل و علم ہدایت کے لیے ناکافی ہیں۔ ہدایت تو فضل ربی ہے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت فرماتا ہے۔

**قلب سلیم و عقل:** ہر جنس کا الگ وظیفہ حیات ہوتا ہے اور دوسرے حواس کو اس کی

حکمت میں دخل اندازی کی اجازت نہیں۔ رُوح و قلب جو عطیہ الٰہی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے ذمہ بہت سے کام ہیں۔ ہدایت ربانی کا تعلق انسان کے ظاہری حواس سے نہیں بلکہ دل سے ہے۔ عقل کی حیثیت تو محض ایک آلہ کی سے ہے وہ جو پیغام سُنتی ہے خواہ وہ حق ہو یا باطل اسے دل کے کانوں تک پہنچا دیتی ہے، قبول کرنا یا رد کر دینا دل کا کام ہے۔ دربان کا کام تو یہی ہے کہ وہ بادشاہ کی بارگاہ میں آنے والوں کی اطلاع دے دے، باریابی عطا کرنا یا رد کر دینا بادشاہ کا کام ہوتا ہے جو اپنے مولا کی بارگاہ میں قلب سلیم لے کر حاضر ہوگا اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے نوازش اور کرم کو مخصوص کر دیا ہے۔ ایک عقلمند انسان لیکن اس کا دل گندہ ہو اس کے لیے اللہ کی بارگاہ میں کوئی جگہ نہیں اور قرآن کا نزول عقل پر نہیں دل پر ہوا ہے۔ دل کا رشتہ قائم ہونے کے بعد کبھی نہیں ٹوٹتا اس لیے قلب سلیم کی بڑی اہمیت ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عقل معتبر نہیں دل کے فیصلے معتبر ہیں ہر چیز کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے والے یہ نہیں سوچتے کہ ایمان قلبی چیز ہے عقلی نہیں۔ غیب پر ایمان لانے کے لیے عقل کب تیار ہے۔ دل کا راز بھی دل ہی پاسکتا ہے عقل کو محرم راز بننے کی سعادت نصیب نہیں ہوسکتی۔ دل ہمیشہ اپنا راز دل کو دیتا ہے عقل کو نہیں۔ دلیل کو دلیل سے توڑا جاسکتا ہے مگر محبت کے فیصلوں کو دلیل نہیں توڑ سکتی۔ دل کو قیل و قال سے زندگی نہیں مل سکتی۔ اس لیے اسلام نے دل کی زندگی پر زور دیا ہے۔

**محبّت و عقل:** تکمیل ایمان کے لیے تکمیل محبت ضروری ہے۔ اُسی ایمان کو خطرہ ہوتا ہے جس کی اساس محبت پر نہیں ہوتی۔ ایمان کا مقام دل ہے دماغ نہیں۔ عقل تو اُدھیڑ بُن میں لگی رہتی ہے اصحابِ کرامؓ کو دیکھیے کہ سب کچھ قربان کرنے کے بعد بھی قربانی کی ہوس رہتی تھی تو اس کی وجہ محض یہ تھی کہ ان کے دل محبت سے سرشار تھے۔ محبّت ازل سے ایثار پیشہ ہے یہ محبّت ہی کے کرشمے تھے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر اُمیہ بن خلف کے مظالم ان کے دل کی محبت کو نہ بدل سکے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور پرنور کے چہرہ مبارک کو دیکھ کر فدا ہوگئے۔ فدائیت کے لیے اُنھیں کسی دلیل کی ضرورت پیش نہ آئی۔ محبت کے ولولہ انگیز مظاہرے اصحابہؓ کرام کی جاں نثاریاں اور حضور کی ذات سے محبّت دیکھیے۔

ابر حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ کو مشرکین نے پکڑ کر مکہ میں قریش کے پاس فروخت کر دیا۔ قریش نے ان کو چند دن بھوکا پیاسا رکھا اور ظالم قریش نے حضرت خبیبؓ کو صلیب کے پاس لے جا کر کھڑا کر دیا اور کہا۔ اگر اسلام چھوڑ دو تو تمھاری جان بخشی ہوسکتی ہے۔ دونوں بزرگوں نے جواب دیا کہ جب اسلام

باقی نہ رہا تو جان کو رکھ کر کیا کریں گے۔ دونوں بزرگوں کو سولی پر لٹکا دیا گیا وہ فرطِ مسرت میں جھوم جھوم کر عاشقانہ اشعار پڑھ رہے تھے۔ بے رحموں نے نیزے والوں سے کہا کہ نیزہ کی انی سے ان کے جسموں کے ایک حصّہ پر چرکے لگائیں۔ ایک سخت دل نے حضرت خبیبؓ کے جگر کو چھیدا اور پوچھا کہو اب تم پسند کرتے ہو کہ محمدؐ پھنس جائے اور تم چھوٹ جاؤ۔ حضرت خبیبؓ نے نہایت جوش سے جواب دیا۔ خدا جانتا ہے کہ میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میری جان بچ جانے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں کانٹا بھی لگے (طبری و ابن ہشام جلد ۲ صہ ۱۲۳)

سعید بن عامرؓ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمال تھے ان کو کبھی کبھی یکبارگی غش پڑ جاتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے وجہ پوچھی۔ وہ بولے مجھے نہ کوئی مرض ہے نہ کچھ شکایت ہے۔ جب خبیبؓ رضی اللہ عنہ کو صلیب پر چڑھایا گیا تو اس مجمع میں موجود تھا مجھے جس وقت خبیبؓ کی باتیں یاد آجاتی ہیں میں کانپ کر بے ہوش ہو جاتا ہوں۔

۲:۔ ایک انصاری عورت جس کا باپ، شوہر اور بھائی اُحد کے دن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے اور شہید ہو گئے، قیام گاہ سے نکلی اور پوچھنے لگی "رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟" لوگوں نے کہا "بحمد اللہ عافیت سے ہیں جیسا کہ تم چاہتی ہو" اس نے کہا "مجھے دکھاؤ میں آپؐ کو دیکھنا چاہتی ہوں" اس نے جب آپؐ کو دیکھ لیا تو بولی۔ اگر آپ سلامت ہیں تو ہر مصیبت ہیچ ہے۔

۳:۔ زید بن ثابت کہتے ہیں کہ اُحد کے روز رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی تلاش میں بھیجا اور مجھ سے فرمایا ان کو اگر دیکھو تو میرا اسلام کہو اور کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ اپنے کو کیسا پاتے ہو۔ کہتے ہیں کہ میں مقتولین میں چکر لگانے لگا پھر اُن کے پاس پہنچا ان کا آخری وقت تھا اور ان کے جسم پر نیزہ، تلوار اور نیزے کے ستّر زخم تھے، میں نے ان سے کہا "اے سعد، رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو سلام کہتے ہیں اور تمھارا حال دریافت فرماتے ہیں" انھوں نے کہا "رسُول اللہ (صلعم) کو میرا اسلام کہو اور آپ سے کہہ دو یا رسول اللہ! جنت کی خوشبو پا رہا ہوں اور میری قوم انصار سے کہہ دو کہ اگر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کچھ ہو گیا اس حال میں کہ تم میں ایک آنکھ بھی حرکت کر سکتی ہو تو اللہ کے یہاں تمھارا کوئی عذر نہیں اور اسی وقت رُوح پرواز کر گئی۔

۴:۔ اُحد کے روز ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی پیٹھ کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ڈھال

بنادیا تھا۔ تیر اس پر لگتے تھے اور وہ حرکت نہ کرتے۔ (زاد المعاد ص ۱۳۰)

اسی جنگ میں عمارۃ بن زیاد رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے جنھوں نے جان دیتے ہوئے اپنے رخسار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تلووں سے لگادیے تھے (رحمۃ للعالمین ج ا ص ۱۲۹)

اسی غزوہ احد میں کسی مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف ۹ صحابہ جن میں سات انصاری اور دو قریش تھے رہ گئے اسی حالت میں کفار آپ پر دفعۃً ٹوٹ پڑے تو آپ نے ان جانثاروں کی طرف خطاب کرکے فرمایا کہ ان اشقیا کو میرے پاس سے کون ہٹاسکتا ہے؟ ایک انصاری فوراً آگے بڑھے اور لڑکر آپ پر قربان ہوگئے اسی طرح کفار برابر حملے کرتے جاتے اور آپ بار بار پکارتے جاتے تھے اور ایک ایک انصاری آپ پر اپنی جان نچھاور کرتا جاتا تھا یہاں تک کہ ساتوں بزرگ شہید ہوگئے۔ (صحیح مسلم باب غزوہ اُحد) اور یہ دو قریشی اصحاب حضرت سعدؓ اور حضرت طلحہؓ جب ان کی جاں نثاری کا وقت آیا تو سعدؓ کے سامنے آپ نے خود اپنا ترکش بکھیر دیا اور فرمایا کہ تیر پھینکو حضرت ابو طلحہؓ سپر لے کر آپ کے سامنے کھڑے ہوگئے اور تیر چلانے لگے اور اس شدت سے تیر اندازی کی کہ دو تین کمانیں ٹوٹ گئیں۔ اگر آپ گردن اٹھاکر کفار کی طرف دیکھتے تھے تو وہ کہتے تھے "میرے ماں باپ آپ پر قربان، یوں گردن اُٹھاکر نہ دیکھیے مبادا کوئی تیر لگ جائے میرا سینہ آپ کے سینہ کے برابر ہے بخاری باب غزوہ احد

**عقل کی حقیقت اور تعریف**: ہر چیز کی کمی بیشی کے دریافت کرنے کا ایک ترازو ہوتا ہے اچھی اور بُری صورت و شکل رنگتوں کے دریافت کرنے کے لیے آنکھ میزان ہے اور آوازوں کے لیے کان اور خوشبو و بدبو کے لیے ناک، چیزوں کے تلخ و شیریں اور دیگر ذائقوں کی پہچان کے لیے زبان، اور گرمی و سردی کے لیے تمام بدن۔ اسی طرح ہزاروں ترازو ہیں۔ اشیا کی بھلائی اور برائی معلوم کرنے کے لیے عقل میزان ہے ایسے ہی نیک و بد کا فرق دیدۂ عقل سے معلوم ہوسکتا ہے جس طرح ظاہری چیزوں کو دیکھنے کے لیے چشم ظاہری عنایت ہوئی ہے اسی طرح دفتر پنہانی کی سیر کے لیے اللہ تعالےٰ نے ایک چشم پنہاں مرحمت فرمائی ہے جس کا نام عقل ہے گویا کہ عقل دفتر علم الٰہی کا ایک محافظ ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ جس طرح عقل سے نیک و بد کا فرق معلوم ہوسکتا ہے مگر یہ یاد رہے کہ جس طرح آنکھوں آنکھوں میں فرق ہے سب سے پہلے یکساں رنگ و شکل وغیرہ کا معلوم نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات اُلٹا معلوم ہونے لگتا ہے مثلاً اگر آنکھ میں مرض حول (بھینگا پن) پیدا ہوجائے تو ایک کے دو نظر آنے لگ جائیں گے اور

مرض یرقان میں سفید چیزیں بھی زرد دکھائی دیتی ہیں ایسے ہی ہر عقل سے نیک و بد کا فرق صحیح صحیح معلوم نہیں ہو سکتا عقول میں تفاوت ہے جیسے ذروں او شمع، چراغ اور ستاروں، قمر و شمس کے نور میں فرق ہے ایسے ہی اعمال و افعال کے حسن و قبح معلوم کرنے کے لیے عقول بے انتہا مختلف اور متضاد ہیں۔ جیسے بعض رنگ قریب قریب ہوتے ہیں جیسے کشمش، عنابی اور ہکری ان کا فرق رات کو معلوم نہیں ہوتا یہ سب یکساں ہوتے ہیں ان کا صحیح فرق دن ہی میں معلوم ہوتا ہے پھر دن میں بھی شرط ہے کہ گرد و غبار نہ ہو اور آنکھیں دکھنی نہ ہوں، اسی طرح مراتب اعمال کا فرق معلوم کرنے کے لیے ایسی کامل عقل چاہیے کہ جو آفتاب کا حکم رکھتی ہو۔ اور جس طرح صفرا یا سودا کی زیادتی یا بخار کی وجہ سے زبان کا ذائقہ خراب ہو جاتا ہے تو اچھی چیز کا مزہ بھی تلخ یا ترش معلوم ہونے لگتا ہے اسی طرح بعض اوقات نفسیانی خواہشوں کی شدت کا غصہ یا محبت کے غلبہ کی وجہ سے آدمی کی عقل بیمار یا زائل ہو جاتی ہے اور جس طرح جسمانی امراض کے لیے طبیب جسمانی کی ضرورت ہے اور معالجہ کے لیے ہر شخص کی عقل کافی نہیں اسی طرح اعمال شر اور روح و دل کے امراض کے لیے روحانی اطبا کی اشد ضرورت ہے انسان کو اپنی عقل کی اتباع نہیں کرنی چاہیے۔ اصطلاح شریعت میں ان روحانی اطبا کو انبیاء و رسول کہتے ہیں ان مریض العقلوں کے لیے ان روحانی حکما کی پیروی ضروری ہے اور جس عقل سے شائستہ افعال صادر ہوں وہ عقل سلیم ہے اور جس شخص سے نازیبا اور ناشائستہ افعال سرزد ہوں اس کی عقل سقم اور کمزور و بیمار ہونے کی واضح دلیل ہے۔

<u>علوم عقلیہ و علوم شرعیہ</u>: بعض لوگ کہتے ہیں کہ علوم عقلیہ علوم شرعیہ کے خلاف ہیں، یہ دونوں جامع نہیں ہو سکتے، دوستو، یہ بات ان کی لاعلمی کا باعث ہے۔ وحی الٰہی اور عقل کا مقام ایک نہیں تو ان میں تصادم بھی نہیں۔ چھکڑا ہوائی جہاز سے کیا ٹکرائے گا۔ ٹکرانے کے لیے ہم سطح ہونا ضروری ہے وہ لوگ نور بصیرت سے عاری ہیں، ان کی مثال ایسی ہے کہ کوئی اندھا آدمی کسی کے گھر میں جائے اور اتفاقاً اس کا پاؤں برتنوں پر پڑ جائے اور لوگوں سے کہنے لگے کہ عجیب آدمی ہیں کہ برتن راستے میں رکھے ہیں ان کو اپنے موقع پر کیوں نہیں رکھا۔ لوگ اسے کہیں کہ برتن اپنے اپنے موقع پر ہیں مگر آپ کی بینائی نہ ہونے کے سبب راہ کی تمیز نہیں پڑتی۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ اپنے آپ کو تو سوجھ نہیں اور دوسروں کا قصور بتاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے موجودات مختلفہ کے ادراک کے لیے مختلف قسم کے حواس پیدا فرمائے رنگوں کے لیے قوت باصرہ، نغمات کے لیے قوت سامعہ اور حرارت و برودت کے لیے قوت لامسہ، شیریں و تلخ کی دریافت کے لیے قوت ذائقہ، خوشبو و بدبو کے فرق کرنے کے لیے قوت شامہ پیدا فرمائی اور ہر حاسہ کی ایک حد مقرر فرما دی اور جو موجودات ان حواس خمسہ کے ذریعہ سے مدرک نہ ہو سکیں ان کے ادراک کے لیے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا فرمایا۔ پھر عالم غیب کی وہ چیزیں کہ جہاں نہ حواس کی رسائی اور نہ عقل کی پرواز، ان کے ادراک کا ذریعہ نبوّت اور وحی کو بنایا تا کہ عالم غیب کی وہ چیزیں کہ جہاں عقل کمی ہے وحی نبوت سے معلوم ہو سکیں، بس جس طرح طورِ عقل سے بالا و برتر ہے کہ جو چیزیں عقل سے دریافت نہ ہو سکیں وہ نورِ نبوت سے جانی جا سکیں اور جس طرح عقل کا دائرہ حواس کے دائرے سے زیادہ وسیع ہے اور جس طرح عقل اور حواس کی حدود الگ الگ ہیں اور دونوں کے مدرکات اور معلومات میں کسی تعارض کا امکان ہی نہیں رہا۔ اور اگر طورِ نبوّت طورِ عقل سے بالا اور بہتر نہ ہو بلکہ قرآن اور حدیث کی ہر بات ایسی ہو کہ جس کو عقل سمجھ لے تو پھر ایمان ہی لانے کی کیا ضرورت رہی۔ ایمان کی ضرورت وہاں ہوتی ہے کہ جو امر طورِ عقل سے بالا اور برتر ہو۔ ایمان اسی شے کے ماننے اور تسلیم کرنے کو کہتے ہیں جو محض کسی کے کہنے سے مان لیا گیا ہو۔ نبوت ایک نمونہ خواب صادقہ بھی ہے جس سے غیب کی باتیں منکشف ہوتی ہیں اور ایسے امور ظاہر ہوتے ہیں کہ عقل جس کو دریافت نہیں کر سکتی۔

**علم و عقل میں فرق:** جس طرح آئینہ میں صورتیں منعکس ہوتی ہیں اسی طرح عقل اور ذہن کو آئینہ سمجھو اس میں ہر قسم کی چیزوں کا عکس آتا ہے، عقل بس ایک آئینہ ہے اور علم وہ نقشہ اور تصویر ہے کہ جو عقل کے آئینہ میں نظر آنے لگتی ہے۔

دانش بھری کتاب کا، ہر ہر حرف چراغ
نور چراغاں ہوری ، روشن کرے دماغ

**نقش کالحجر:** حِفظُ الغُلامِ الصَّغِیرِ کَالنَّقشِ فِی الحَجَرِ وَحِفظُ الرَّجُلِ بَعدَ مَا یَکبَرُ کَالکِتَابِ عَلَی المَاءِ ۔ بچپنے کی تعلیم پتھر کی لکیر ہوتی ہے اور بڑھاپے کا پڑھا ہوا نقش بر آب۔

امام الاولیا حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے فرمایا :

اَوَّلُ الدِّیْنِ مَعْرِفَتُہٗ وَکَمَالُ مَعْرِفَتِہٖ التَّصْدِیْقُ بِہٖ وَکَمَالُ التَّصْدِیْقِ بِہٖ تَوْحِیْدُہٗ وَکَمَالُ تَوْحِیْدِہٖ الْاِخْلَاصُ لَہٗ نَفْیُ الصِّفَاتِ عَنْہُ

پہلا زینہ دینِ اسلام کا خُدا کو جاننا ہے پھر اس کی وحدت اور اُس کے واجب الوجود ہونے پر یقین کرنا ہے پھر اُس کے ساتھ خلوص پیدا کرنا ہے اور خلوص کا کمال ذاتِ باری سے صفات کا نفی کرنا ہے ؎

○

# صوفی

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ
اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ

عِلْمُ التَّصَوُّفِ عِلْمٌ لَا انْتِهَاءَ لَهٗ — عِلْمٌ سَنِيٌّ سَمَاوِيٌّ رَبُّوْبِيٌّ
علم تصوف وہ علم ہے جو ختم نہیں ہوتا — یہ ایک بلند آسمانی اور ربانی علم ہے
فِيْهِ الْفَوَائِدُ لِلْاَرْبَابِ يَعْرِفُهَا — اَهْلُ الْجَزَالَةِ وَالصُّنْعُ الْخُصُوْصِيُّ

اس میں اہلِ تصوف کے لیے فوائد ہیں جنھیں صرف صاحبِ رائے اور اس صنعت کے خصوصی لوگ ہی جان سکتے ہیں۔

یہ داعیانِ اسلام کا مقدس گروہ بوریائے فقر پر بیٹھ کر اپنی بے طمع زندگی اور اسلامی اخلاق اور اعمال پسندیدہ کی پاکیزگی اور نورِ ایمان و یقینِ محکم کی قوت سے دوسروں کے دلوں کو مطہر کر کے ان میں عشقِ الٰہی اور جذبہ اتباعِ سنتِ نبوی، علم و حکمت اور آخرت پر یقین کی دولت کو بھر دیتے ہیں گویا کہ اپنی کیمیا نظر سے سرکش کو انسان اور مٹی کو سونا، بے قیمت کو بیش قیمت بنا دیتے ہیں۔ ان صوفیائے کرام کی زندگیاں اسلامی اخلاق کی نمونہ تھیں، جنھوں نے کفر و ضلالت میں بھٹکتے ہوئے لاتعداد انسانوں کی رشد و ہدایت کی روشن شاہراہ کی طرف راہنمائی کی۔ خداوند ذوالجلال نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا تم میں سے ایک ایسی جماعت موجود رہے جو لوگوں کو نیکی کی طرف دعوت دے اور اچھے کاموں کا حکم کرے اور برائیوں سے روکے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔

(۱) علمائے ظاہرہ نے تقریروں، تحریروں اور مناظروں سے اسلام کی تبلیغ کی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حق کھل کر سامنے آگیا اور فرقہ ہائے باطلہ کے دلائل ٹوٹ گئے۔ (۲) اربابِ حکومت نے سیف و سنان یعنی جہاد سے تبلیغ کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیر اقوام نے اسلامی سطوت و قوانین کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا اور بعد اسلام کے اخلاق اور اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر حلقہ اسلام میں داخل ہوئیں (۳) علمائے باطن یعنی صوفیائے کرام نے تصرفاتِ قویہ و انجذابِ قلبیہ سے تبلیغ کی، لوگوں کو ایمان

کی حقیقت سے روشناس کرایا اور ان کے دلوں کو نورِ اسلام سے منور کیا۔ کافروں کو مومن اور مومنوں کو اولیاء اللہ بنا دیا۔ صوفیائے عظام کا تبلیغی طریقہ سب سے زیادہ مؤثر اور مفید ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق براہِ راست قلوب سے ہے اور یہ حضرات دلوں میں تصرف کرتے ہیں۔ جو لوگ صوفیا کے ذریعہ سے اسلام میں داخل ہوئے وہ مرتبہ ایمان کے درجاتِ اعلیٰ یعنی اطمینان و احسان سے بہرہ یاب ہوئے یہ طریقہ اسوۂ حسنہ نبویہ کے عین مطابق ہے۔ دولتِ اخلاص و احسان کے حصول کا ذریعہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بیعت ہی تھا اور اس زمانے تک وہی طریقہ بیعت موجود ہے۔ کفار و مشرکین حضور پُر نور نبی اُمّی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اپنے آبائی دین سے توبہ کرتے اور آپ کے دست مبارک پر بیعتِ اسلام کرتے اور بیعتِ شریعت کی کسی بات کے لیے عہد کرنا کہ اس امر کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے انجام دیں گے یا کسی خاص دینی مسئلہ کا کہ وہ اس پر عمل کریں گے۔ اصحابہ کرام حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ کیمیا اثر کے ایک توجہ سے ایمان حقیقی اور اخلاص و احسان کے آخری درجے تک پہنچ جاتے تھے اور ان کے نفوس مزکی و مطہر ہو کر دوسروں کی تربیت و اصلاح کی صلاحیت بھی حاصل کر لیتے تھے اور آج بھی مسلمانوں کو اپنے آباؤ اجداد کی رسوم سے نکل کر ایمان حقیقی اور اتباعِ سنت کے صحیح مقام کو سمجھنے کے لیے اہل اللہ سے رابطہ لازمی ہے۔ عرفانِ الٰہی کا حصول ان پاک نفوس کے دامن سے وابستگی میں مضمر ہے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنا دین قیم اور حضور اکرمؐ کی سنت مطہرہ پر ہمیشہ کاربند رہنے کا عہد استوار کرنا ہے۔ روحانیت کا یہی وہ پاکیزہ طریق ہے جس پر چل کر صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، طبع تابعینؒ اور اولیائے امت کو ظاہری و باطنی کمالات کی لازوال نعمتیں میسر آئیں۔ رشد و ہدایت کا یہ فیضان سینہ بہ سینہ اور سلسلہ در سلسلہ ابدالآباد تک جاری و ساری رہے گا۔

**صوفی کا لفظ:** بعض کے نزدیک یہ لفظ صفا سے نکلا ہے جس کے معنی دل کی صفائی ہے۔ ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ صوفی وہ ہے جس کا معاملہ اللہ کی خاطر پاک ہو۔ پھر اللہ کی طرف سے اسے یہ انعام ملا ہو کہ اللہ کے ہاں اس کی بزرگی بھی پاکیزہ ہو۔ حضرت بشر بن الحارث فرماتے ہیں۔ صوفی وہ ہے جس کا دل اللہ کی خاطر پاک و صاف ہو۔ ایک اور گروہ نے اس کا تعلق اصحابہ صفہ سے جوڑا کہ ان کے اوصاف اہل صفہ کے اوصاف سے ملتے جلتے ہیں جو عہدِ رسالت میں تھے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ انھیں صوف پہننے کی وجہ سے صوفی کہا گیا ہے کہ یہ اللہ کے حضور میں صفِ اول میں ہیں۔ ایک اور قول یہ ہے کہ صوفی

وہ ہے جو کسی چیز کا مالک نہ ہو اور اگر ہو تو اسے خرچ کر ڈالے اور ہر قسم کی شئے کی ملکیت سے علیحدگی اختیار کر چکا ہو اس لیے ان کو فقر کہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر یہ کہ دنیاوی حرص و طمع نے اسے اپنا غلام نہ بنا رکھا ہو۔ لہٰذا ان کے اسرار کی صفائی، سینہ کے کھل جانے اور دل کے روشن ہونے کی وجہ سے ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت ہوتی ہے۔ ایک اور قول کے مطابق صُوفی کا لفظ مس سے تھا اس کا مادہ سوف سے ہے جس کے معنی بزبان یونانی حکمت کے ہیں اور جب دوسری صدی ہجری میں اس کا ترجمہ عربی میں ہوا تو رفتہ رفتہ سوفی (حکیم) سے صُوفی ہو گیا۔ درحقیقت تمام احسن اوصاف کو جمع کر دیا جائے تو ان کے حق میں یوں کہا جائے کہ دنیا سے خالی اور بے رغبت ہونے اور اس سے علیحدگی اختیار کرنے، اور نفس کو حظوظ نفسانی سے باز رکھنے اور پاکیٔ معاملات۔ پاک باطن، دل طاہر، سینہ نورانی اور صفِ اول کے لوگوں کی صفات رکھنے کا نام تصوّف ہے اور صُوفی کا لفظ عوفی کے وزن پر ہے مُراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عافیت دی اور اس نے عافیت حاصل کر لی۔ نیز یہ کُوفی کے وزن پر ہے اور مُراد یہ ہے کہ اللہ نے اسے کفایت دی اور اس نے پا لی۔

**تصوّف کی حقیقت**: تصوف کی حقیقت یہ ہے کہ انسان سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں وہ تین قسم کے ہیں (۱) ایک فکری یعنی رائے جو کبھی غلط بھی ہو سکتی ہے اور کبھی صحیح (۲) دوسری قولی کبھی یہ سچ ہوتا ہے اور کبھی جھوٹ (۳) تیسری عمل کبھی یہ اچھا ہوتا ہے اور کبھی بُرا۔ ان افعال انسانی کی اصلاح و تنظیم کے خداوندی حدُود اور اس کے آئین کو شریعت کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے رسُولوں کے ذریعہ سے نافذ کرتا ہے۔ شریعت انسان کے ظاہری اور باطنی افعال پر یکساں حدود قائم کرتی ہے۔ اس کے آئین جو ظاہری اعمال کے متعلق ہیں ان کو فقہ کہتے ہیں اور باطنی اعمال سے متعلق جو آئین ہوتے انھیں تصوّف کہتے ہیں پھر ان اعمال کی اصلاح سے قلب کی صفائی کے بعد جو حقائق منکشف ہوتے ہیں انھیں حقیقت کہتے ہیں اور جن حضرات پر وہ حقائق منکشف ہوتے ہیں انھیں عارف کہتے ہیں۔ اور شریعت محمدی کے ظہور کے بعد جب اس کے ہر ہر جزو کو الگ الگ کیا گیا تو اُن کے جُداگانہ نام تجویز ہوئے تو کسی کو فقہ کہا گیا اور کسی کو تصوّف کہا گیا اور کسی کو حدیث اور ان کے ماہرین کو امام کہا گیا۔ فقہ میں امام ابوحنیفہؒ۔ امام شافعیؒ۔ امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ مشہور ہیں۔ حدیث میں امام بُخاری اور تصوّف میں حضرت جُنید بغدادیؒ اور حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رہ، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، حضرت خواجہ معین الدین سنجریؒ

اور حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندی مشہور ہیں۔ شریعت کے تین جزو ہیں علم عمل اور اخلاص ہیں۔ سلوک و طریقت کے سالک بھی اگرچہ بے شمار ہیں مگر ان میں سے چار طریقے نقشبندیہ چشتیہ۔ قادریہ اور سہروردی مقبول عام ہیں ان سب کا مقصد یگانہ زندگی کو پیروان کتاب وسنت کی صحبت میں گزار کر رضائے الٰہی اور قرب خداوندی حاصل کرنا ہے۔ الحمدللہ کہ انعام واکرام کے اس حصول میں چاروں طریقے برابر کے شریک ہیں یہ بات علیحدہ ہے کہ کسی طریقہ میں یہ مقصد سہولت اور سرعت کے ساتھ حاصل ہوتا ہے اور کسی میں ریاضت ومجاہدہ درکار ہے مگر سب کا اصل الاصول کتاب وسنت کا اتباع اور آئمہ مجتہدین کی پیروی ہے۔ اگرچہ رُوحانیت کے ارتقا میں ان کے افکار ونظریات ایک دُوسرے سے مختلف ہیں۔ لیکن مطلوب ومقصود حق تعالیٰ کی ذات ہے لہٰذا یہ چاروں طریقے حق پر ہیں۔ ان میں سے کسے اختیار کیا جائے؟ یہ سالک کی قلبی مناسبت پر موقوف ہے جس طریقے کے معارف سے اسے مناسبت ہو اس کا اختیار کرنا اس کے لیے مفید وموزوں رہے گا۔ صوفی تمام علوم وتمام صفات حسنہ اور تمام اخلاق فاصلہ کا جامع ہوتا ہے اور ظاہر وباطن دونوں میں اور مقاصد محبت ومعرفت خداوند تعالٰے کے حصول کے لیے اپنے دل کو آراستہ کرتا ہے اس کے لیے چار چیزوں کی شرط ہے (۱) آئینۂ قلب کو حیوانی ونفسانی اور شیطانی طبع کے رنگ سے پاک کرنا (۲) اللہ تعالیٰ کی ذات وکمالات کی معرفت حاصل کرنا (۳) غیر حق کو دل میں جگہ نہ دینا اس احاطت پر نظر رکھنا (۴) آئینہ دل کو جمال حق کے مقابل کرنا۔

**تصوّف کا ارتقار:** اسلام میں تصوف کا ارتقار حالت خوف سے چل کر پہلے حالت عشق اور پھر حالت فنا واتصال تک کا سفر ہے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں دین ایک سیدھا سادہ طریق زندگی تھا جس میں انسانی رویّے کی تہ میں خوف خدا کا جذبہ ہی سب سے قوی تر تھا وہ اپنی زندگی میں خوفِ خدا کو سب چیزوں پر مقدم رکھتے تھے اور ان کے اندر خوفِ خدا رُوح کی طرح جاری وساری تھا۔ محسن انسانیت حضور سرور دو عالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زاہدانہ زندگی اور کثرت قیام وسجُود اور اصحابہ کرام کا یہ رویہ خدا خوفی وپارسائی نیز وہ حدیث قدسی کہ تم نماز اس طرح پڑھو جیسے خدا کو اپنے سامنے دیکھ رہے ہو اور یہ نہ ہو سکے تو جیسے وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔ یہ ایسے امُور تھے جنھوں نے آگے چل کر اسلامی تصوف کی بنیاد فراہم کی

دائم ہمہ جا، با ہمہ کس، در ہمہ کار، می دار نہفتہ چشم دل جانب یار

اور اسی طرح جب آنحضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبرؓ سے دریافت فرمایا کہ اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑا تو انھوں نے برجستہ جواب دیا کہ خدا اور رسول کو، یہ فقرا توحید کے رنگ میں ڈوبا ہُوا تھا اور سب سے پہلا صوفیانہ ارشاد تھا جو انسانی زبان سے ادا ہُوا (۲) ارشاد ربانی ہے تم مجھے پکارو میں تم کو جواب دوں گا۔ اللہ تمھارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔ جو کچھ تم کرتے ہو وہ دیکھتا ہے (۷-۵۷-۴) (۳) اپنے پروردگار کا نام لے اور ہر چیز سے کٹ کر اس کی طرف ہو جا (۳-۷۳-۸) پہلی صدی ہجری کے ختم ہوتے ہی لوگوں کی زندگی میں تغیر واقع ہو گیا۔ مسلمانوں کے باہمی جھگڑے اور سلطنت کی وسعت اور مال و دولت کی کثرت نے اخلاق اور اعمال کو کافی نقصان پہنچایا۔ اس وقت زاہد اور متقی لوگوں کا ایک ایسا طبقہ وجود میں آیا جس نے دنیاوی زندگی کے فتنے اور شور و شر سے بچنے کے لیے خدا کی عبادت ہی میں پناہ ڈھونڈی اور خوف خدا کو اپنا شعار بنایا۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ اسلام نے دین اور دنیا دونوں کی رہنمائی کی ہے اور اسلام میں رہبانیت نہیں ہے انسان روحانیت اور مادیت کے درمیان لٹکا ہُوا ہے۔ اس کی زندگی کا ایک سرا اخلاقی ہے دوسرا رشتہ جہان آب و گل سے ان دوگونہ رشتوں کو پُورا کرنے کی صُورت میں زندگی کا میزان برابر رہ سکتا ہے ورنہ ایک پلڑا جھکے تو نتیجہ الحاد اور مادہ پرستی کی طرف جھک جائے گا اگر دوسرا پلڑا جھکے تو نتیجہ رہبانیت اور ترک دنیا بنفس کشی ہوگا۔ اسلام نے خالق و مخلوق دونوں کے حقوق پُورا کرنے کو عبادت قرار دیا ہے جس کے ذریعے ایک انسان بیک وقت اللہ تعالےٰ سے بھی پُورا تعلق قائم رکھ سکتا ہے اور تمام مخلوق سے بھی۔ اپنے نفس اور اہل وعیال اور سب متعلقین کی ضرورتیں بھی پوری کرے گا اور اپنے مالک و خالق کو بھی راضی رکھے گا۔ بس انسان کا فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی میں مخلوقات کو درمیان نہ لائے اور مخلوق کے ادائے حقوق و فرائض کی ذمہ داری میں کبھی اپنے نفس کی خواہش کو درمیان میں نہ لائے تاکہ انسان اخلاق کریمہ کا مالک بن سکے۔ غرض یہ ہے کہ انسان کے رُخ کو ایک خدا کی طرف پھیر کر اس کے تمام ارادوں اور خواہشات کو حق تعالےٰ کی مرضی کے تابع بنایا جائے اور جس طرح اس کی عبادت صرف اللہ کے لیے ہے اسی طرح اس کے تمام دنیاوی کاروبار کھانا، پینا، سونا، جاگنا، پھرنا اور جینا مرنا، دوستی، دشمنی، حُب و بغض بھی مولا تعالیٰ کے تابع ہو جائے۔

تصوف کیا ہے :۔ دوستو، تصوف یہ ہے کہ اپنی ذات سے میّت ہو جانا حق تعالےٰ کی ذات سے بقا حاصل کرنا ہے جس میں اپنے تمام ارادوں اور تمام خواہشوں کو مرضیات اور ارادات الٰہیہ کا غلام اور تابع

بنا دیتا ہے۔ بندہ جب صفات ربانی میں ڈھل جاتا ہے تو مظہر ذات و صفات بن جاتا ہے۔ اس کا جینا مرنا محض اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے اور وہ خدائی احکام بطیب خاطر سنتے ہیں اور ان پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں اور وہ اعمال خیر صوم وصلوٰۃ و دیگر شرعی احکام و قوانین کی بہت سختی سے پوری پوری پابندی کرتے ہیں ان میں ذرہ بھر کمی نہیں ہونے دیتے اور جب انسان شریعت میں مستحکم ہو جاتا ہے تو اس کی برکت سے طریقت کی خواہش خود بخود پیدا ہو جاتی ہے جب طریقت کے حقوق کو اچھی طرح ادا کرے گا تو اللہ تعالیٰ بشریت کے حجاب اس کی آنکھوں سے دور کر دیں گے اور حقیقت کے معنی اس پر منکشف ہو جائیں گے انسان تین چیزوں نفس، دل، دماغ کا مجموعہ ہے ان میں سے ہر ایک کی اصلاح خاص چیز سے ہوتی ہے چنانچہ نفس کی اصلاح شریعت سے، دل کی اصلاح طریقت سے اور روح کی اصلاح حقیقت سے ہوتی ہے کسی چیز کا جاننا اور اس پر عمل کرنا دو جدا گانہ چیزیں ہیں۔ روحانی و اخلاقی اصول و مسائل کے علم کا نام شرع ہے اور عمل طریقت ہے اور جب انسان عمل و مجاہدہ کرتا ہے تو اس کو حضور و مشاہدہ کی کیفیت حاصل ہوتی ہے حضور پر نور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی ایسی عبادت کرو گویا تم اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ جب یہ درجہ حاصل ہو جائے تو اس کو حقیقت کہتے ہیں۔ صاحبو! ایمان ان اشیا کو تسلیم کرنے کا نام ہے جو غیب میں نظر نہیں آتیں اور اس ایمان کا صلہ یہ ملتا ہے کہ وہ نظر آنے لگتی ہیں اور یہ بھی یاد رہے کہ انسان کے تین حصے ہیں جسم، دل اور دماغ۔ جسم کی بہتری عمدہ صحت میں اور دماغ کی بہتری علم میں اور دل کی بہتری شعور خیر میں ہے جو انسان کو بدی سے روکتا ہے اور نیکی کی طرف راغب کرتا ہے۔ اور یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اہل طریقت کے ہاں مقصود بالذات نفس کی مخالفت نہیں بلکہ موافقت ہے۔ اگر نفس موافقت کے راستے میں رکاوٹ نہ ہو اور خواہشات شریعت کے تابع ہو جائیں تو مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ نفس جیسے سرکش گھوڑے کو شریعت محمدی کی لگام دے دیں اور نفس حق سے موافقت ہو تو یوں سمجھیے جیسے انسان کو نبات کے ساتھ مکھن کی غذا مل گئی گویا کہ نفس کو سکون اور اطمینان اور رضا و تسلیم کی خلعت مل گئی اور جس کی بدولت وہ خدائے تعالیٰ کے حقوق اور فرائض کو بخوبی بجا لاتا ہے یعنی جب نفس فرائض کا ہو جائے اور اس کی طبیعت کی اصلاح ہو جاتے اور وہ آداب خداوندی کو اپنا لے گا۔ اسلام نے نفس کا بھی حق رکھا ہے اس کو فنا کرنا مقصود نہیں۔ بلکہ صراط مستقیم کے راستے پر چلانا مقصود ہے۔

**تصوف وکتاب وسنّت** :- یہ خیال غلط ہے کہ طریق تصوف شریعت اور قرآن وسنّت کے مخالف ہے درحقیقت علم تصوّف شریف، دقیق اور لطیف ترین علم ہے جس کی بنیاد کتاب وسنّت ۔ ذوقِ صحیح وکشفِ صریح پر قائم ہے۔ اس کے حصول کے لیے سلامتی فطرت، صحت عقل، جودت فہم کے علاوہ ریاضتِ نفس، تصفیہ قلب ضروری شرط ہے۔ اہلِ تصوف جان تن سے انبیاء علیہم السّلام کی شریعت کا حق ادا کرنیوالے ہوتے ہیں چونکہ معرفت حق اشرف العلوم ہے یہ وہ طریقہ ہے جو اخلاق مرسلین کا جامع ہے جسکی منہاج قرآنِ سنت ہے اور جو کچھ کتاب وسنت سے خارج ہے وہ مردود و باطل ہے صوفیائے کرام مشکوٰۃ نبوت سے ہی اقتباس نور حاصل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے کرم واحسان سے وہ فہم عطا فرمایا ہے جو بہت سے لوگوں کو عطا نہیں کیا۔ انسان کے عمل کی برکت سے حق تعالیٰ قلب میں وہ علوم ڈالتا ہے جو پہلے اس میں نہ تھے اس لیے انسان پہلے عالم بنے پھر عامل بنے تب آخر اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے علم لدنی کا وارث بنتا ہے۔ تصوف شریعت کی طرح دو چیزوں سے مرکب ہے علم وعمل لیکن یہ فرق ہے کہ شریعت میں علم کے بعد عمل پیدا ہوتا ہے اور تصوّف میں عمل کے بعد علم پیدا ہوتا ہے جو اشیائے حقیقی کا علم ہے۔ دل کا راستہ ایک طرف تو باہر حواس خمسہ کی طرف ہے اور دوسرا عالم بالا کی طرف۔ اس حقیقت کو خواب پر غور کرنے سے معلوم کر سکتے ہیں۔ صوفیاء کے نزدیک ادراک کا اصل ذریعہ حواس خمسہ نہیں بلکہ دل ہے جو مجاہدہ اور ریاضت، مراقبہ اور تصفیہ قلب سے ایک اور حاسہ پیدا ہوتی ہے جس سے ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں جو حواس خمسہ ظاہری وباطنی سے معلوم نہیں ہوتی جس طرح ایک حوض میں نلوں یا نہروں یا نالوں سے پانی آتا ہے گویا کہ یہ ظاہری علم ہے اسی طرح خود حوض کی تہ میں ایک سوت بھی ہے جس سے فوارہ کی طرح پانی اچھلتا ہے اور حوض میں پانی آتا ہے یہ علم باطن ہے یہی علم لدنی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے یہ علم عطا کرتا ہے اور اس کے قلب کو صیقل کرکے آئینہ بنا دیتا ہے جس سے تمام اشیاء کی حقیقت کھل جاتی ہے۔

آئینہ دل چوں شود صافی وپاک        نقش ہا بینی برون از آب وخاک

جب دل کا آئینہ پاک وصاف ہو جائے تو تجھے وہ چیزیں نظر آئیں گی جو مادیت سے بالاتر ہیں۔

یہ دل گوشت کا گاؤدم لوتھڑا نہیں ایسا دل تو جانوروں اور میت میں بھی ہوتا ہے بلکہ تصوّف میں دل انسانی جسم میں ایک وسیع اور عظیم الشان نوری جوہر اور آئینہ حق نما ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذاتی نور سے منو

ہو جاتا ہے تو اس میں عظیم الشان وسعت پیدا ہو جاتی ہے اور تمام کائنات اس میں رائی کے دانے کے برابر نظر آتی ہے جس طرح آنکھ کی پتلی دانۂ تل کے برابر ہونے کے باوجود نور بصارت کی وجہ سے زمین و آسمان اس میں نظر آجاتا ہے۔

قطرے وچ سمندر بدھا صد جہاں وچ سینے
تو ڑبت وہم نفسانی ذہن تائیں وچ نگینے

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تمام طریقے حصول نجات کے لیے آزمائے لیکن بالآخر علوم دین کے ماہرین کے جھگڑوں اور فلسفیوں کے بال کی کھال اتارنے سے بیزار ہو گیا جب مجھے احساس ہوا کہ میں بے یار و مددگار ہوں تو میں نے خدا کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اس کے دامن میں ایک ایسے انسان کی طرح پناہ حاصل کی جو نہایت مشکل میں ہو اور اس کے پاس کوئی وسیلہ نہ رہ گیا ہو خدا نے میری دعاؤں کو قبول فرمایا اور میرے لیے دولت شہرت، اہل وعیال اور احباب پر بہت سی مہربانیاں فرمائیں جس کا جتنا شکرانہ ادا کروں کم ہے۔ الغزالیؒ نے صوفیا کی سوانح حیات اور اقوال کا مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ ان صوفیاء کے ظاہری افعال اور باطنی حالت شمع نبوت کی روشنی سے منور ہیں اور دنیا میں اور کوئی ایسی روشنی نہیں ہے جس سے ایسی درخشانی حاصل کی جا سکے چنانچہ صوفیاء کی بتائی ہوئی نہایت کٹھن ریاضت میں وہ آخر دم تک ثابت قدم رہے تو انھیں بھی اس معجزاتی روشنی کا تجربہ ہوا جو صوفیا کو عنایت ہوئی تھی لہٰذا انھوں نے فوراً اپنے مقلدین کو دعوت دی کہ وہ بھی خدا سے ذاتی رابطے کے اس بلند زینے پر چڑھیں۔ علماء عاملین اور اولیاء کاملین کے پاس علم کا مغز ہوتا ہے اور علما بے عمل کے پاس علم کا محض خشک بے لذت چھلکا۔ عالم بے عمل کے پاس ظاہری اور کسی زوردار زبانی تقریروں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ علما عاملین و فقراء کاملین و صدیقین و صالحین کے سینوں میں باطنی نور، حضوری علم، روحانی طاقت و کرامت ہوتی ہے۔ ظاہری کسبی علم کی مثال چراغ کی سی ہے جو تیل وبتی وغیرہ سے تیار ہوتی ہے لیکن باطنی علوم اور روحانی طاقت اور نوری و حضوری کمالات کی مثال برقی رو کی سی ہے جو مرکز سے روشنی، آواز، عکس اور برقی طاقت ہزاروں گھروں کے اندر صرف بٹن دبانے سے یکدم منتقل ہو جاتی ہے۔

**روحانیت و مادیت:** دوستو، روحانیت نے انسان کو مادہ کا پابند نہیں بنایا۔ مادہ کے پابند انسان نے تو عطا کرنے والی ہستی کو فراموش کر دیا ہے۔ روحانیت مادیت پر ہمیشہ غالب رہی اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی مدد فرماتے ہیں ملاحظہ فرمائیں کہ وہ کتنی عظیم الشان ذات ہے جس نے

اس کائنات کو پیدا کیا اور وہ اس کے نظم ونسق پر قادر ہے اور مالک جز و کل ہے اور احکم الحاکمین ہے اس کے پرحکمت نظام کو دیکھیے (۱) آگ میں جلانے کی فطرت ہے مگر جب نمرود نے مجد دالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھڑکتی ہوئی آگ میں گرا دیا تو آگ کے خالق نے فوراً حکم دیا کہ حضرت ابراہیم پر سلامتی کے ساتھ سرد ہو کر گلزار بن جا (۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سوکھی ہوئی لکڑی کو اس کے خالق نے کس طرح اس کی فطرت بدل کر اس کو ایک خوفناک زندہ اژدھا بنا دیا، جس نے جادوگروں کے صورتی سانپوں کو نگلنا شروع کر دیا اور وہ جادوگر جو چند منٹ پہلے فرعون کی طاقت سے مرعوب ہو کر اپنے کرشموں کی کامیابی پر انعام کا معاملہ طے کر رہے تھے وہی چند منٹ کے بعد ایمان ویقین کی دولت سے سرشار ہو کر فرعون کی سخت سے سخت موت کی دھمکیوں سے مرعوب نہ ہو سکے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضا جیسے عظیم معجزے عطا فرمائے جس سے تمام مادی طاقتوں کو شکست ہوئی۔ اسی طرح پانی کی فطرت سیلان ہے مگر اس کی یہ فطرت مخلوق ہی ہے دریائے نیل میں راستہ بننے کا کوئی امکان نہ تھا مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ضرب کلیمی سے پانی کی ہیبت بدل گئی چلتا دریا پھٹ گیا اور دیواروں کی صورت اختیار کر گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو راستہ دے دیا۔ اور فرعون کو غرق کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام نے عصا پتھر پر مارا تو مقناطیس کی طرح پتھروں نے زمین سے پانی کھینچ لیا جس سے بارہ چشمے پیدا ہو گئے اور غور کا مقام ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کس طرح قاتلوں کی نگاہ سے محفوظ رکھا اور پھر کس طرح فرعون کے گھر پہنچے اور وہیں پرورش پائی، رب العالمین کی کرشمہ سازی کو دیکھو کہ اپنے دشمن ہی پرورش پر نگران متقرر ہو گئے۔ صاحبو دنیا نے کئی سالوں تک محنت کی، اربوں کھربوں دولت ضائع کر کے اور قیمتی جانوں کو خطرے میں ڈالا اور اس کے نتیجہ میں قریب ترین کرۂ قمر تک رسائی حاصل کی۔ اب اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے انبیائے کرام کے ساتھ دیکھیے اور ان کی بلندیٔ مرتبت کا تصور کیجیے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان اسباب وتدبیر اور آلات ووسائل کے بغیر ہی جب چاہا آسمانوں کی سیر کرائی فضائے بسیط کا سارا فاصلہ چند لمحوں میں طے کرا دیا اور آناً فاناً تمام آسمانوں سے اوپر پہنچا دیا اور حضور فخر الانبیاء کی براق کی تیز رفتاری کا جو ریکارڈ قائم ہوا زمانہ اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا مسخر کر دی ان کا ہوائی تخت ہزاروں میلوں کا سفر چند لمحوں میں طے کر جاتا اور حضور سید المرسلین

وادی عرفات اور منیٰ میں حج کا آخری خطبہ فرما رہے ہیں. حجاج کرام جو ۸ مربع میل میں پھیلے ہوئے ہیں اور اپنے اپنے خیموں میں آپ کی آواز بغیر مشینی آلات کے اتنی دور سے آسانی سے سن رہے ہیں گویا کہ پوری وادی میں لاؤڈ سپیکر لگے ہوئے ہیں اور اسباب کے بغیر انگشت شہادت نے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا اور آپ کی انگلیوں سے فوارے کی طرح پانی جاری ہو جانا اور حضور کا خندق کھودتے ہوئے بصرے کے محل کو مشاہدہ کرنا اور غزوہ موتہ کے پورے نقشہ جنگ کا مسجد نبوی کے ممبر ہی سے معائنہ فرما کر حاضرین کو پتہ دے دینا اور حضور مجسم نور کو کے حرم میں بیٹھے ہوئے مسجد اقصے کی محرابیں اور طاق تک گن دیتے ہیں اور بدر کے میدان میں آپ زمین پر ہاتھ رکھ رکھ کر بتاتے تھے کہ فلاں مشرک یہاں مقتول ہو گا اور فلاں یہاں گرے گا. راوی بیان کرتا ہے کہ ان میں کوئی ایسا نہ تھا جو مقررہ جگہ سے ذرا کہیں علیحدہ جگہ گرا ہو. حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان سے دریائے نیل کا جاری ہونا اور ممبر مسجد نبوی پر خطبہ پڑھتے ہوئے یا ساریۃ الجبل . کی صدا مدینہ نبوی سے نہاوند کی پہاڑیوں تک عراق میں پہنچانا اور لاکھوں معجزے خدا تعالےٰ نے اپنے انبیائے کرام اور اولیائے صالحین کو عطا کیے ہیں.

عزیزمن: انسان پہلے اللہ تعالیٰ پر جو تمام کائنات کا مالک اور خالق ہے صدق دل و زبان سے ایمان لائے اور آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے اور اپنے آپ کو حضور کا غلام تصور کرے اور کتاب و سنت کے مطابق اپنی زندگی بسر کرنے کا عہد کرے کیونکہ کوئی بادشاہ باغی کو راز دار نہیں بناتا پہلے مالک الملک کی کا اطاعت گزار بندہ بنے پھر وہ اپنے علم و حکمت کے خزانے اس پر منکشف کریگا مسلمان تو اللہ تعالےٰ کی چلتی پھرتی مشین ہے اس سے وہ افعال صادر ہونے چاہئیں جو رب العالمین کی مرضی کے مطابق ہوں. پس اعتقاد کا صحیح اور درست ہونا. احکام شریعت کی پابندی، اخلاص اور بارگاہ ذوالجلال میں توجہ کا دائمی ہونا ایک بہت بڑی دولت ہے جس کو یہ دولت نصیب ہو جائے تو اس کو اور کسی چیز کی ضرورت باقی نہیں رہتی. دوستو، علم سچائی، نیکی اور حسن کسی کی میراث نہیں، یہ خداداد چیزیں ہیں.

**دین و دنیا:** اسلام یا اسلامی تصوف میں یہ دنیا کارگاہ حیات ہے اور اس گلستان حیات سے پوری پوری دلچسپی ہونی چاہیے مگر راہ معرفت میں اپنی تمام تر توجہات کو اللہ تعالےٰ پر مرکوز رکھنا چاہیے اسلام ایک جامع دین ہے اس میں دین و دنیا کی کوئی تفریق موجود نہیں بشرطیکہ دنیا کا کام طریق محمدی پر ہو.

اور یہ بھی یاد رہے کہ تصوّف ہر ایک شخص کے مزاج اور ساخت کے اعتبار سے سب کے لیے یکساں قابلِ عمل نہیں ، اس کے لیے مخصوص تقدس نفوس اور خاص تعلیم و ذہن اور ظرف چاہیے جس طرح ایک طبیب خاص کسی ایک مرض کے علاج میں علوم و تجربہ کی انتہائی حدود کو چھُونے کی سعی کرتا ہے کہ دوسرا کوئی طبیب اس مرض کے معلومات و علاج کو نہیں پہنچ سکتا اور یہ بات بھی پیشِ نظر ہے، کہ تصوف کا عمل ہر ایک کے لیے سیکھنا واجب نہیں ہر مسلمان کا دستور شریعت محمدی ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ کل قیامت کے دن شریعت کے متعلق پُوچھ ہو گی تصوف کے متعلق نہ ہو گی۔ دخول جنّت اور تقرّب محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم اتباع شریعت سے وابستہ ہے اور جتنے بھی دنیا میں انبیاء علیہ السلام آئے انھوں نے شریعت ہی کی طرف دعوت دی اور نجاتِ اُخروی کا دارومدار بھی اسی پر ہے ان انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری کا باعث بھی مقصود تبلیغ شریعت ہے سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ شریعت کو رائج کیا جائے اور جب ہمیں کسی شرعی مسئلہ کی تحقیق کی ضرورت ہو گی تو ہم کسی بڑے سے بڑے صُوفی کی طرف نہیں جائیں گے بلکہ اس مقصد کے لیے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ اور امام شافعی علیہ الرحمۃ پر اعتبار کریں گے بس یہ بات اچھی طرح یاد رکھیں کہ اسلام میں رہبانیّت نہیں ہے۔ مسلمان کا ہر کام خواہ وہ کام دین کا ہو یا دنیا کا، شریعت محمدی کے مطابق کر لینا ہی اللہ تعالےٰ کی عبادت ہے۔

**رُوحانیت کیا ہے** :۔ صاحبو، اسلامی روحانیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شدید محبت اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت تمام جذبات پر چھا کر باقی جذبات کو پس منظر میں دھکیل دے۔ اس سے رُوح کو تقویت اور قلب کو اطمینان حاصل ہو گا اور ایمان میں ترقی ہو گی اور مشاہدات شروع ہوں گے پھر ان کی برکت سے پہلے عین الیقین اور پھر حق الیقین کے درجے تک پہنچ جائے گا اور اللہ کی رحمت کے بارے میں ہمیشہ پُر امید رہے گا مایوسی پاس بھی نہ پھٹکے گی اور اللہ جل شانہٗ کا عشق اور نبی اکرمؐ سے محبت نصیب ہو گی۔ اسلامی روحانیت کا اصل الاصول یہ ہے کہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کو اپنا مقصُود بنایا جائے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھا جائے اور اس کی روشنی میں اپنی اصلاح و تربیت کی جائے اور اپنے اعمال کو صالحہ بنایا جائے۔ اس کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دستور العمل جسے ہم شریعت محمدی کہتے ہیں جو ظاہری و باطنی دونوں طرح کی ترقی کے لیے نہ صرف ضروری ہے بلکہ ان دونوں جہانوں میں حصُولِ مقصد کے لیے مختصر آسان اور جامع ترین راستہ ہے اس لیے شریعت کے قانون کو ہر حال کے مُطابق پیشِ نظر رکھ کر عمل کیا جائے۔

# چند اصطلاحات

۱۔ اخلاص: اپنی طرف سے صرف اللہ تعالیٰ کے تقرب و رضا کا قصد رکھنا اور مخلوق کی خوشنودی یا رضامندی یا اپنی کسی نفسانی خواہش کو ملنے نہ دینا اخلاص ہے یہ عمل کی رُوح ہے اور اعمال کی ہر آمیزش سے صفائی کا نام ہے بس جو کام کیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور خوشنودی کے لیے کیا جائے وہ اخلاص ہے۔ ترمذی نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے اور جس کو دہراتے ہوئے حضرت ابوہریرہؓ تین دفعہ غش کھا کر گرے اور جس کو سن کر حضرت معاویہؓ زار زار رونے لگے حضرت ابوہریرہؓ نے قسم کھا کر بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ عدالت کے لیے اُترے گا۔ اور ہر امت اپنی اپنی جگہ گھٹنے ٹیکے ہو گی اس وقت سب سے پہلے ان کی پیشی کا حکم ہو گا، جو قرآن کے عالم تھے اور جو جہاد میں مارے گئے تھے اور جو دولت والے تھے، پھر اللہ تعالیٰ عالم سے پُوچھے گا کیا میں نے تجھ کو وہ سب کچھ نہیں سکھایا جو اپنے پیغمبر پر اُتارا تھا تو تم نے اس پر کیا عمل کیا؟" وہ عرض کرے گا۔ بار الٰہا! میں شب و روز نماز میں قرآن پڑھتا تھا، خدا فرمائے گا، تو جھوٹا ہے، فرشتے بھی کہیں گے یہ جھوٹا ہے۔ پھر خدا فرمائے گا تُو تو اس لیے یہ کرتا تھا تاکہ لوگ کہیں کہ تُو بڑا عالم اور قرآن خوان ہے، تو دنیا میں تجھ کو یہ کہا جا چکا ہے (یعنی تُو اپنا بدلہ پا چکا) پھر دولت مند سے خدا فرمائے گا، کیا میں نے تجھ پر دنیا کو کشادہ نہیں کیا۔ یہاں تک کہ تو کسی کا محتاج نہ رہا عرض کرے گا، کیوں نہیں اے میرے رب! دریافت کرے گا، تو میں نے جو کچھ تجھ کو دیا اس میں تُو نے کیا کیا؟ جواب دے گا میں اہلِ استحقاق کا حق ادا کرتا تھا اور خیرات دیتا تھا۔ ارشاد ہو گا تو جھوٹا ہے، فرشتے بھی کہیں گے یہ جھوٹا ہے، پھر خدا فرمائے گا تُو تو اس لیے یہ کرتا تھا تاکہ لوگ کہیں کہ تُو بڑا سخی ہے، تو یہ دنیا میں تجھ کو کہا جا چکا (تو اپنا بدلہ پا چکا) اس کے بعد وہ لایا جائیگا جو جہاد میں مارا گیا، تو خدا اس سے دریافت کرے گا تو کس بات کے لیے مارا گیا، کہے گا۔ خدایا تو نے اپنی راہ میں جہاد کا حکم دیا تھا تو میں لڑا، یہاں تک کہ مارا گیا، خدا فرمائے گا تو جھوٹا ہے، فرشتے

بھی کہیں گے یہ جھوٹا ہے، خدا کہے گا تو تو اس لیے لڑا تھا کہ لوگ تجھ کو بہادر کہیں، تو دنیا میں تجھ کو یہ کہا جا چکا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو سب سے پہلے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔"

اخلاص بندے اور رب کے درمیان ایک راز ہے اعمال میں اخلاص یہ ہے کہ عمل کرنے والا اپنے عمل کے عوض دنیا اور آخرت میں کوئی چیز نہ چاہے۔ حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں ایک رات عبادت میں میری آنکھ لگ گئی، کیا دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ کے حضور میں کھڑا ہوں اور وہ فرماتے ہیں اے ذوالنون! جبکہ میں نے انسان کو پیدا کیا تو سب سے پہلے اس کے سامنے دنیا پیش کی اس پر انسان دس حصوں میں بٹ گئے نو حصے تو دنیا پر پل پڑے لیکن دسویں حصے نے پرواہ نہ کی۔ میں نے اس حصے کے سامنے جنت پیش کی۔ اس پر یہ گروہ دس حصوں میں تقسیم ہو گیا تو نو حصوں نے تو جنت قبول کر لی لیکن دسویں حصے کو میں نے جہنم کا ایک منظر دکھایا تو وہ قطعاً نہ گھبرایا میں نے اس سے پوچھا کہ تم نہ دنیا چاہتے ہو نہ جنت، اور نہ جہنم سے ڈرتے ہو، آخر تم چاہتے کیا ہو؟ وہ سر جھکا کر بولے، اے اللہ! ہم تم سے صرف تمھیں مانگتے ہیں۔ بس یہی عظیم انسان ہیں جو میری رضا کے لیے میری عبادت کرتے ہیں۔

جن کا دل ہے بے غرض ان کی جزا کچھ اور ہے
حور وخیام سے گزر بادہ وجام سے گزر

**۲۔ استغراق:** اصطلاح صوفیہ میں استغراق کہتے ہیں دنیا سے بے نیاز ہو جائے گویا کہ یادِ الٰہی میں غرق ہو جانے کو کہتے ہیں۔

**۳۔ اوصاف شیخ:** (۱) مرشد علم قرآن وحدیث میں کامل ہو (۲) متقی و پرہیزگار اور متبع سنت ہو۔ گناہ کبیرا سے محفوظ اور گناہ صغیرا سے حتی الوسع بچتا ہو (۳) حب دنیا سے پاک اور راغب آخرت ہو۔ (۴) وہ اتباع شریعت کی رغبت دلاتا ہو اور دوسروں کو بدعات سے روکتا ہو (۵) مرشد اُن کامل جس کا سلسلہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہو اور ان کی صحبت میں رہا ہو اور ان سے ادب سیکھا ہو اور تعلیم حاصل کی ہو۔ جو حضرات ان خصوصیات سے متصف نہ ہوں خواہ وہ کتنے ہی بڑے گھرانے اور خاندان سے تعلق رکھتے ہوں یا جلیل القدر صوفیوں کی اولاد ہوں یا بڑی خانقاہوں کے سجادہ نشین ہوں ہرگز اس قابل نہیں کہ ان سے بیعت کی جائے۔ حُبّ دنیا سے پاک ہو اور راغب آخرت ہو۔ صالح بھی ہو اور مصلح بھی تاکہ اس کی اتباع کی بدولت مریدین کی حالت روز بروز درست ہوتی جاوے۔

۴۔ تقویٰ :- تقویٰ کا استعمال شریعت میں دو معنی میں ہوتا ہے ایک ڈرنا دوسرا بچنا ، اور تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود تو معاصی، بچنا ہی ہے مگر سبب اس کا ڈرنا ہے کیونکہ جب کسی چیز کا خوف دل میں ہوتا ہے تو جبھی اس سے بچا جاتا ہے۔ تقویٰ کے مختلف مدارج ہیں ایک تقویٰ یہ ہے کہ کفر و شرک سے نفس کو بچایا جائے دوسرا درجہ یہ ہے کہ اعمال صالح کو ترک نہ کیا جائے اور محرمات کا ارتکاب نہ کیا جائے پھر جیسے جیسے اعمال ہوں گے ویسا ہی تقویٰ ہوتا ہے گا تقویٰ کے کمال سے ایمان بھی کامل ہوتا رہے گا حتیٰ کہ درجہ احسان حاصل ہو جائیگا جو ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے پس تقویٰ یہ ہے کہ اپنے رب سے ڈرتا رہے اور خلاف شریعت کوئی کام خواہ وہ دین کا ہو یا دنیا کا نہ کرے اور خیال رکھے کہ ہر چیز کا تقویٰ ہوتا ہے آنکھ کا تقویٰ یہ ہے کہ بری نگاہ سے کسی عورت یا مرد کو نہ دیکھے۔ زبان کا تقویٰ یہ ہے کہ کسی کی غیبت نہ کرے جھوٹ نہ بولے ، ہاتھ کا تقویٰ یہ ہے کہ کسی پر ظلم نہ کرے ، پیٹ کا تقویٰ یہ ہے کہ حرام مال نہ کھائے۔ یقین کی بنیاد ایمان پر محکم ہو تو تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔

۵۔ توبہ :- توبہ کے معنی ہیں گناہ سے باز آنا۔ جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو گناہ سے دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے۔ توبہ کر لیتا ہے اور گھبرا کر اللہ کی طرف لوٹ جاتا اور استغفار کر لیتا ہے تو دل سے نقطہ صاف ہو جاتا ہے۔ اگر توبہ اور استغفار نہیں کرتا تو گناہ بالائے گناہ اور سیاہی تہ بر تہ دل میں ہو جاتی ہے یہاں تک کہ دل اندھا ہو کر مر جاتا ہے۔

توبہ تین معنی پر حاوی ہے (۱) گناہ پر پشیمان ہونا (۲) جن چیزوں کی اللہ نے ممانعت فرمائی ہے اُن کو دوبارہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنا (۳) حقوق انسانی کو ادا کرنا۔ حدیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ سے اتنا خوش ہوتا ہے جتنا وہ اعرابی اپنے اُونٹ کے ملنے پر خوش ہُوا جو جنگل میں تنہا سو گیا اور آنکھ کھلنے پر اس کا اونٹ غائب تھا جنگل بھیانک تھا۔ ساتھ میں نہ غذا نہ پانی ، اب سواری کی تلاش کرتا ہے۔ گرمی تیز ہوگئی ، پیاس سے بُرا حال ہو گیا لیکن سواری نہ ملی اب مایوس ہو کر پھر آ کر ایسے لیٹا کہ موت کا انتظار کر رہا ہو۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہے کہ اس کی سواری بمعہ کھانا و پانی واپس آگئی جتنی اس شخص کو خوشی ہو گی اللہ تعالےٰ کو ایک بندہ مومن کی توبہ سے اس سے بھی زیادہ مُسرّت ہوتی ہے۔

۶۔ **تواضع**: عاجزی اور نرمی و مہربانی سے پیش آنے کو تواضع کہتے ہیں اور حق کی خاطر حق کی طرف سے حق کا قبول کرنا تواضع کہلاتا ہے۔

۷۔ **توکل**: توکل کے معنی بھروسہ کے ہیں اسلام میں وہ بھروسہ جو اللہ تعالیٰ پر کیا جائے ہر کام کو مصمم ارادے اور جملہ کوششوں کے ساتھ انجام دے کر نتائج خداوند علیم و حکیم کے سپرد کر دے اور توکل کے معنی ترک جدوجہد کے نہیں ہیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے خانہ کعبہ میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ طواف سے پہلے زبان سے کہتا ہے اللّٰھم لبیک اللّٰھم لبیک، اے اللہ میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں اس کے جواب میں آواز آتی ہے دور ہو جا یہاں سے ہم تمہاری صورت دیکھنا بھی نہیں چاہتے لیکن وہ شخص مسلسل طواف میں مشغول ہے تین دن کے بعد میں نے اس شخص سے پوچھا کیا وجہ ہے کہ یہاں سے چلا کیوں نہیں جاتا اس نے بڑی حقارت سے میری طرف دیکھا اور نہایت غصہ سے فرمایا۔ بتا اللہ تعالیٰ رحیم و کریم کے در کے سوا اور بھی کوئی در ہے، کہاں جاؤں۔ بس اس کا یہ کہنا ہی تھا کہ آواز آئی کہ لبیک یا عبدی لبیک اے میرے بندے مانگ کیا مانگتا ہے جو کچھ مانگتا ہے ہم تجھے دیں گے۔

۸۔ **حقوق شیخ و آداب مرید**: تصوف میں اول شرط ادب۔ سالک کے لیے آداب لازمی ہے بے ادبی کرو گے تو تمہارے اعمال تباہ ہو جائیں گے لہٰذا مرید کو چاہیے کہ مرشد کا بے حد ادب کرے اور اس کو اپنا روحانی طبیب سمجھے اور ہر شے سے زیادہ عزیز رکھے۔ اس کے حکم کی تعمیل کرے اور اس سے بدظن نہ ہو اور جب شیخ کی خدمت میں حاضر ہو تو نگاہ نیچی اور گردن جھکی رکھے اور اس کی طرف آداب سے متوجہ رہے نہ کسی دوسرے سے گفتگو کرے اور نہ مخاطب ہو اور بغیر اس کی اجازت اور حکم کے اس کے روبرو نہ ذکر و فکر میں مشغول ہو اور نہ نوافل پڑھے۔ اس کے سامنے نہ قہقہہ لگائے اور نہ بلند آواز سے بات کرے اگر شیخ کسی کی تعظیم میں کھڑا ہو تو اس کی پیروی کرے۔ مرید چاہے کتنا ہی بڑا عالم ہو مگر ہمیشہ یہی سمجھے کہ حقیقی علم میں شیخ اس سے بہتر اور افضل ہے اور شیخ کے علم کا اندازہ اس کے امکان سے باہر ہے۔ شیخ کے سامنے بے موقع کسی علمی گفتگو یا بحث کو نہ چھیڑے بلا اجازت کچھ عرض نہ کرے۔ غرضیکہ ہر ظاہری اور باطنی انداز سے شیخ کی فوقیت اور اپنی عاجزی کا اظہار کرے، اپنی فرماں برداری، خدمت اور ادب و ایثار سے شیخ کے دل میں گھر کرے تاکہ اس کی محبت حاصل ہو اور شیخ کے ہر حکم کی

تعمیل کرے اگر ممکن نہ ہو تو تنہائی میں عاجزی سے عذر پیش کرے۔

۹۔ **تربیت مُرید**:۔ اول مرید راغب حق ہو یعنی وہ بیعت کی ضرورت اور اہمیت کو سمجھتا ہو اور روحانی ترقی کے لیے سچے دل سے خواہشمند ہو۔ اول مرید کے عقائد صحیح کرے۔ دوم عبادات کا مفہوم سمجھائے اور عبادات کی جانب رغبت دلائے سوم اللہ تعالےٰ اور اس کے بندوں کے حقوق کی حدیں بتائیں اور اس کی اہمیت کو واضح کرے چہارم گناہ کبیرہ وصغیرہ سے نفرت دلائے بُرے اعمال سے بچنے اور نیک اعمال کی طرف مائل ہونے کی ترکیبیں بتائے پنجم ذکر و فکر کی تعلیم اپنے سلسلہ کے مطابق بہ ترتیب دے نیز مُرید کی ظاہری و باطنی ترقی کا خیال رکھے اس سے محبت اور شفقت سے پیش آئے اور سب مُریدوں کے ساتھ یکساں سلوک کرے ایک کو دوسرے پر ظاہراً ترجیح نہ دے اور اگر اس سے کوئی خطا ایسی ہو گئی ہو جس کا تعلق اس کی ذات سے ہو تو معاف کر دیں اگر کوئی لغزش اتباعِ سنت میں ہو جائے تو ہرگز معاف نہ کرے اور کسی خاص مجاہد کی سزا تجویز کرے تا کہ آئندہ اعادہ نہ ہو اور خود مُریدوں میں باوقار رہے اور ان کے سامنے بہترین اعمال کے نمونے پیش کرے اور مُریدوں کو روزمرہ اوقات کی ترتیب سُنّت نبوی کے مطابق گزارنے کی ہدایت فرمائے اور خود کو عملی صُورت میں پیش کرے۔ قصہ مشہور ہے کہ ایک مُرید اپنے شیخ کی خوبصورت لونڈی کی محبت میں مُبتلا ہو گیا۔ شیخ نے ہر چند کوشش کی کہ اس کے دل سے خوبُرو لونڈی کی محبت نکل جائے اور مُرید رُوحانی تعلیم کی طرف مائل ہو مگر وہ کامیاب نہ ہُوا۔ آخر اس نے یہ تدبیر کی کہ اُس لونڈی کو تیز مسہل پلا دیا اور لونڈی کو حکم دیا کہ وہ اپنے پاخانے کو ایک مرتبان میں جمع کرتی جائے جب اسہال کی زیادتی سے لونڈی کا حال بُرا ہو گیا اور اس کا بدن نہایت کمزور اور اس کے رخساروں کی سُرخی مٹ گئی چہرے پر خوبصُورتی کی بجائے بدصُورتی چھا گئی اور شکل نہایت ڈراؤنی ہو گئی تو شیخ نے اُس کو حکم دیا کہ وہ اپنے گرفتارِ محبت مُرید کے سامنے آئے جب وہ ظاہری خوبصُورتی پر فدا ہونے والے عاشق مُرید کے سامنے آئی تو اس نے اُس کے چہرے پر نظر ڈالی تو نہایت نفرت کا اظہار کیا کیونکہ اس کی مادی اور فانی خوبصُورتی بدصورتی میں تبدیل ہو چکی تھی یہ دیکھ کر شیخ نے لونڈی کے پاخانہ کا مرتبان اس مُرید کے سامنے رکھ کر فرمایا اس میں جو نجاست ہے وہ تیری محبت کی بنیاد ہے جس پر تو فدا تھا اب جو اس لونڈی سے نکل چکی ہے۔ اب تو اس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھ رہا ہے۔ میں تیرے

قلوب کو عشقِ الٰہی اور علم و حکمت اور نورِ ایمان و یقین سے بھرنا چاہتا ہوں تو اس نجاست کو دل میں جگہ دیتا ہے۔ ٭

**۱۰۔ حقیقتِ بیعت:** لفظ بیعت بیع سے نکلا ہے جس کے معنی بیچ دینا ہے۔ اصطلاحِ صوفیاء میں بیعت اس معاہدے کو کہتے ہیں جو انسان گناہوں سے بچنے، اپنے غلط خیالات سے تائب ہونے اور اطاعتِ حق پر کمربستہ رہنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے کسی برگزیدہ بندے کی وساطت سے کرتا ہے جس کے انعام میں اللہ تعالیٰ اپنی خوشنودی سے اپنے طالب کو نوازتا ہے۔ جس طرح دنیوی چیزوں کی خرید و فروخت کی تکمیل کے لیے نیت کے ساتھ ساتھ قیمت کی ادائیگی یعنی عمل کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح جان و مال کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کرنے کے لیے نیت کا اظہار عمل سے ہوتا ہے۔ اور ان اعمال کی ادائیگی میں مخصوص ادب اور شرائط کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر لوگوں سے بیعت لی کبھی جہاد پر کبھی ہجرت پر کبھی بدعات سے پرہیز پر۔ ٭

**۱۱۔ خوف:** خوف کے معنی ہیں ڈرنا یعنی مومن اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس وجہ سے نیک کاموں میں رغبت اور گناہوں سے بچتا ہے۔ خوفِ الٰہی صحتِ ایمان کی دلیل ہے جس کے دل میں خدا کا ڈر ہوگا وہ آخرت میں بے خوف ہوگا اور دنیا میں نڈر ہوگا۔ خوفِ خداوندی کے نتائج بالکل واضح ہیں۔ جس شخص میں خوفِ خدا اور خشیتِ الٰہی کی صفاتِ عالیہ پیدا ہو گئی ہو وہ کسی معاملے میں کوئی قدم غلط نہیں اٹھا سکتا اور ہر وقت جوابدہی کا احساس پیدا ہونے کے سبب نہ اس سے کسی غلط کام کی امید کی جاسکتی ہے وہ جیسے خاردار پگڈنڈی پر چلنے والا اپنے دامن کو ہر قسم کے کانٹوں سے بچاتے ہوئے اس راستے پر سے گزر جاتا ہے اسی طرح اپنے آپ کو ہر طرح کے گناہوں سے بچاتے ہوئے اسلام کی راہ پر چلتا ہے۔ ٭

**۱۲۔ ذکر:** ذکر کے معنی یاد کے ہیں اور اصطلاحِ صوفیائے کرام میں ذکر اس یاد کو کہتے ہیں جب انسان غیر اللہ کو بھول کر حضورِ قلب سے اللہ تعالیٰ کی متوجہ ہو جائے۔ صوفیائے کرام نے ذکر کے چار مراتب لکھے ہیں۔ ایک ذکرِ زبان سے دوسرا ذکرِ قلب سے تیسرا ذکرِ روح سے چوتھا ذکرِ سر کا۔ زبان کے ذکر کو ناسوتی کہتے ہیں جیسے لا الٰہ الا اللہ۔ دل کے ذکر کو ملکوتی کہتے ہیں جیسے اِلا اللہ روح کے ذکر کو جبروتی کہتے ہیں جیسے اللہ، اور سر کے ذکر کو لاہوتی کہتے ہیں جیسے ہُو ہُو۔ انہی چار اقسام پر صوفیاء کے تمام سلسل

... ۱۲ ... ہے ...

دنیا سے نہ دل ... ہے نہ شکر ادا کرنے سے — دل کو تسکین ہوتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

دل کے خزانے ... بے شمار ہیں اور ذکر اللہ تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو ذکر کی توفیق عطا فرماتا ہے حضرت کعب بن احبار فرماتے ہیں۔ ایک دفعہ میں گرمی کے موسم میں سفر کر رہا تھا گرمی سخت تھی دوپہر کا وقت تھا پسینے سے بدن کا برا حال ہو رہا تھا ایک جگہ جب میں پہنچا تو مجھے ایک آواز سنائی دی کہ ... تیرا شکر ادا نہیں کر سکتا تم نے مجھے سب سے بڑی نعمتوں سے نوازا میں آواز ... پر چلا تھوڑی دور چلا ایک مقام پر پہنچا دیکھتا ہوں کہ ایک کوڑھی بیٹھا ہے جس کے دونوں ہاتھ پاؤں جذام سے گل سڑ کر ختم ہو چکے ہیں اور اس کی دونوں آنکھیں اندھی ہو گئی ہیں اور کان بہرے ہیں اور جسم جذامی زخموں سے بھرا پڑا ہے جس سے خون و پیپ بہہ رہی ہے اور ان سے سخت بدبو آ رہی ہے مکھیوں کے ہجوم اور بھنبھناہٹ سے وہ سخت بے چین ہے۔ میں نے سوچا کہ وہ کون سی نعمتیں ہیں جن کا یہ شکر یہ ادا نہیں کر سکتا۔ اس کے پاس کوئی بھی بڑی نعمت نظر نہیں آتی۔ میں نے اس شخص سے پوچھا کہ اے اللہ کے بندے بظاہر تو مجھے کوئی بھی بڑی نعمت تیرے پاس نظر نہیں آتی۔ ہاتھ پاؤں تیرے نہیں۔ آنکھیں اندھی ہیں کان بہرے ہیں۔ بدن جذام سے تباہ و برباد ہو چکا ہے وہ کون سی نعمتیں ہیں جس کا تو شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ اس نے مجھے نہایت حقارت اور غصے کی حالت میں کہا کہ میں کیوں نہ اپنے پروردگار کا شکریہ ادا کروں کہ جس نے ایک نعمت مجھے ایسا دل عطا فرمایا جس میں حق تعالیٰ کی معرفت ہے۔ اور دوسری نعمت مجھے یہ زبان دی جس سے میں محبوب مالک کل و جزو کا ذکر کرتا ہوں۔ تو میرے جذام کو نہ دیکھ اگر میرے پاؤں ہوتے تو میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی والے کام کرتا۔ اگر میری آنکھ یا کان سلامت ہوتے تو ان سے گناہ والے عمل صادر ہوتے دنیا میں سب سے بڑا انسانی مرض یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کا نہ ہونا اور زبان کا اللہ جل شانہٗ کے ذکر سے خالی ہونا ہے۔ دوستو! جس کو چار چیزیں ملیں گویا کہ اس کو دو جہاں کی نعمتیں مل گئیں (۱) ذکر رب کرنے والی زبان (۲) شکر گزار دل (۳) بلاؤں پر صابر جسم (۴) مال و عصمت میں خیانت نہ کرنے والی بیوی۔

نہ جاگنے میں ہے لذت نہ شب کے سونے میں — مزا جو پایا تو پچھلے پہر کے رونے میں

۱۳۔ رجا:۔ رجا کے معنی امید کے ہیں (اُمّید۔ جس طرح بچہ ماں کے ہاتھ کی چیز کا آس مند ہوتا ہے) کے ہیں۔ رجا کی حقیقت یہ ہے کہ محبوب چیزوں یعنی فضل و معرفت اور نعمت و جنت کے انتظار میں دل

کراحت پیدا ہونا اوران چیزوں کو حاصل کرنے کی تدبیر اور کوشش کرنا (رجا ہے)

۱۴۔ رضا: رضا کے معنی خوشنودی کے ہیں یعنی خدا کے حکم اور اس کے فیصلے پر راضی رہے اور رضا قضا کی تلخی پر صبر کرے۔

۱۵۔ زہد: کسی رغبت کی چیز کو چھوڑ کر اس سے بہتر کی طرف مائل ہونا مثلاً دنیا کی رغبت علیحدہ کر کے آخرت کی رغبت کرنا زہد ہے۔ زہد کی اصل وہ نور ہے جو اللہ کی طرف سے بندہ کے قلب میں ڈالا جاتا ہے جس کی وجہ سے سینہ کھل جاتا ہے اور یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا کا سازو سامان مکھی کے پر سے بھی زیادہ حقیر ہے اور آخرت ہی بہتر و پائیدار ہے زہد کے تین حرف ہیں ز کے معنی دنیا کی زینت کو ترک کرنا ہ سے ہوائے نفس کو چھوڑنا اور د سے تمام دنیا کو ترک کرنا ہے زاہد دنیا کے ملنے پر خوش نہیں ہوتا اور نہ ہی دنیا کی اس چیز پر افسوس کرتا ہے جو اسے نہ ملی ہو۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک بار آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تجھ کو دنیا دکھاتا ہوں۔ چنانچہ آنحضرت مجھے ایک کوڑی پر لے گئے جہاں کچھ انسانی کھوپڑیاں، کچھ گندگی، کچھ جانوروں کی کھوپڑیاں اور ہڈیاں اور کچھ پھٹے ہوئے کپڑے پڑے تھے۔ آنحضرت فرمانے لگے دیکھ۔ یہ ہے وہ دنیا جس پر لوگ جان دیتے ہیں۔ یہ وہ انسانی کھوپڑیاں ہیں جن میں حکومت کا سودا ابھرتا تھا اور یہ ہیں وہ ہڈیاں جن پر کبھی سوار ہو کر لطف دنیا اٹھایا کرتے تھے اور یہ ہیں وہ چیتھڑے جن کو وہ لباس فاخرہ سے تعبیر کر کے انتہائی فخر کے ساتھ زیب تن کرتے تھے اور یہ ہیں وہ غذائیں جو ان کے دسترخوانوں کی زینت تھی۔ جہاں غریب اور اہل آخرت داخل نہ ہو سکتے تھے۔ آج اس طرف کو کوئی آنا تک نہیں۔ یہ ہے دنیا اور دنیا پر فخر کرنے والے۔ اے ابوہریرہ سبق لو۔ اگر چاہو روؤ اگر رو سکو۔ ایک شخص وہاں کھڑا تھا وہ اس وقت رونے لگا۔ دوستو! دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے

۱۶۔ سماع: سماع کے معنی سرود کے ہیں۔ سماع کی چار قسمیں ہیں اول حلال دوم حرام سوم مکروہ چہارم مباح۔ اگر صاحب وجد کا میلان محبوب حقیقی کی طرف زیادہ ہے تو سماع مباح ہے اور اگر محبوب مجازی کی طرف زیادہ ہے تو مکروہ اور اگر محبوب مجازی کی طرف میلان کلی ہے تو حرام ہے اگر محبوب حقیقی کی طرف میلان کلی ہے تو حلال ہے بس جس کو سماع کا ذوق ہو اس کو چاہیے کہ ان چاروں درجوں کو جانتا ہو اور سماع درد دل کے لیے دوا کی مانند ہے جب کہ ازالہ مرض کے لیے کوئی دوا کارگر نہ ہو مگر وہ حدود شرع سے باہر نہ ہو اور جس سماع سے دل کی اصلاح ہو سکتی ہے وہ کتاب اللہ کا سماع ہے

جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کبھی کبھی جمع ہوتے تھے اور کسی سے قرأت کی فرمائش کرتے تھے اور باقی لوگ سنتے تھے۔ سماع و ذکر شروع کے وقت دل میں خوف پیدا ہوتا، آنکھوں میں آنسو جاری ہو جاتے اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں خوفِ خدا کا یہ حال تھا کہ جب نماز کا وقت آ جاتا تو کانپ اُٹھتے اور ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا اور اسی حالت میں لوگ ان کا حال پوچھتے تھے تو فرماتے کہ اس امانت کے ادا کرنے کا وقت آگیا جس کو خدا نے آسمان زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا مگر انھوں نے انکار کیا۔

۱۷۔ شکر: شکر کے معنی احسان کی قدر شناسی کے ہیں۔ اگر کوئی احسان کرے تو اس کا پورا پورا بدلہ شکر کہلاتا ہے اسلام میں شکر کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات اور انعامات کا تہ دل سے اقرار کیا جائے اور بندگی کے ایسے اعمال پیش کیے جائیں جس سے اظہارِ عقیدت اور فرمانبرداری ہو مثلاً اللہ تعالیٰ نے انسان کو آنکھ۔ کان۔ زبان۔ ناک۔ ہاتھ پاؤں عطا کیے ہیں ان سے غیر شرعی اعمال نہ ہوں اور اعمال صالحہ صادر ہوں۔

۱۸۔ صبر: صبر کے معنی رکنے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں ثابت قدم رہنے کے ہیں یعنی ناکامی اور پریشانی کے وقت دل کا گھبراہٹ اور اضطراب میں مبتلا نہ ہونا اور جوانمردی سے ڈٹ کر مقابلہ کرنا صبر ہے۔ ناکامی کے وقت کامیابی کے لیے جدوجہد کرنا مصیبت کے وقت مصیبت کو برداشت کر لینا۔ اپنی جدوجہد میں مخالفین کی پرواہ نہ کرنا، ان کی غلطیوں کو معاف کر دینا۔ دورانِ جنگ میں ثابت قدم رہنا یہ سب صبر میں داخل ہیں اور اللہ کی خاطر مخلوق سے جُدا۔ نفسانی خواہشات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا۔ اللہ تعالیٰ کو ہر دم نگاہ میں رکھنا عظیم صبر ہے۔ سب سے زیادہ سخت وہ صبر ہے جس میں بندہ کو قربِ الٰہی حاصل ہو جانے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ اسے اپنے آپ سے دور کر دے مگر وہ اس کا دروازہ نہ چھوڑے اور وہیں عاجزی سے پڑا رہے۔

بصبر اندر صدف باراں شود دُر　　　　بصبر از لعل و گوہر کان شود پُر

۱۹۔ صدق: صدق کے معنی سچائی کے ہیں۔ سچائی کے معنی عام طور پر صرف سچ بولنے پر سمجھے جاتے ہیں مگر اسلام کی نگاہ میں اس کے بڑے وسیع معنی ہیں صدق کی چھ قسمیں ہیں (۱) بات میں سچائی (۲) ارادہ اور نیت میں سچائی (۳) عزم میں سچائی (۴) عزم کو پورا کرنے میں سچائی (۵) عمل میں سچائی۔ (۶) دینداری کے مقامات اور مراتب میں سچائی۔ صدیق وہ ہے جس کے قول کی تصدیق عمل سے ہو اس

لیے زبان کی سچائی اور دل کی سچائی کے ساتھ ساتھ عمل کی سچائی بھی ضروری ہے ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یارسول اللہ مجھ میں چار خصلتیں ہیں ایک یہ کہ بدکار ہوں دوسری یہ کہ چوری کرتا ہوں تیسری شراب پیتا ہوں چوتھی یہ کہ جھوٹ بولتا ہوں، ان میں سے جس ایک کو فرمایئے آپ کی خاطر چھوڑ دوں، ارشاد ہوا کہ جھوٹ نہ بولا کرو، چنانچہ اس نے اس کا عہد کیا، اب جب رات ہوئی تو شراب پینے کو اس جی چاہا اور پھر بدکاری کے لیے آمادہ ہوا تو اس کو خیال گزرا کہ صبح کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوچھیں گے کہ رات تم نے شراب پی اور بدکاری کی ؟ تو کیا جواب دوں گا، اگر ہاں کہوں گا تو شراب اور زنا کی سزا دی جائے گی، اگر نہیں کی تو عہد کے خلاف ہوگا، یہ سوچ کر ان دونوں سے باز رہا، جب رات زیادہ گزری اور خوب اندھیرا چھا گیا تو چوری کے لیے گھر سے نکلنا چاہا تو پھر اسی خیال نے اس کا دامن تھام لیا کہ کل پوچھ گچھ ہوئی تو کیا جواب دوں گا ہاں کروں گا تو ہاتھ کٹے گا اور نہیں کرتا تو بدعہدی ہوتی ہے اس خیال کے آتے ہی اس جرم سے بھی باز رہا صبح ہوئی تو وہ دوڑ کر خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی یارسول اللہ جھوٹ نہ بولنے سے میری چاروں بری خصلتیں مجھ سے چھوٹ گیئں۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسرور ہوئے۔

۲۰۔ فقر: فقرا کے معنی محتاج کے ہیں فقرا وہ ہے جو اپنے آپ کو محتاج اور اللہ تعالیٰ کو غنی مطلق و بے نیاز سمجھتا ہو اور وہ ہر حالت میں اللہ جل شانہٗ کی طرف رجوع کرنے والا ہو اور ہر لمحہ اور ہر لحظہ میں اللہ تعالےٰ کی رحمت اور فضل کا امیدوار ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا راستہ اختیار کرنے والا ہو اور وہ دنیا کے ظاہری و باطنی اسباب کو ترک کر کے خدائے مسبب الاسباب کی طرف رجوع کرنے والا ہو اور نہ تو وہ دنیا کے ساز و سامان کے موجود ہونے سے غنی ہوتا ہے اور نہ وہ سامان دنیا کے نہ ہونے سے وہ اس کا محتاج ہوتا ہے اور نہ ہو تو چپ اور جب ہو تو خرچ کرتا ہے فقیر کا سرمایہ درحقیقت اخلاق الٰہیہ اور آداب نبویہ ہیں ان کا حاصل کرنا مقدم ہے۔ بلکہ ان کے حصول کے بغیر معاملات کی صحت و درستی محال ہے

۲۱۔ فنا و بقا: فنا سے مراد اپنی عبادت کے عمل کو نہ دیکھے اور اپنے فعل کو دیکھنے سے بالکل فنا ہو جائے اور اللہ تعالےٰ کے فضل کو دیکھنے کے ساتھ باقی رہے تاکہ اس کے عمل کا تعلق حق تعالیٰ سے ہو یہ بقا ہے جس طرح لوہا آگ میں پڑ کر آگ بن جاتا ہے مگر لوہا اپنی ذات میں لوہا ہی رہتا ہے

اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی اسی طرح بندہ نسبتِ الٰہی کی آگ میں پڑ کر بقا حاصل کرتا اور اپنی فانی مُراد سے فنا ہو جاتا ہے کہ کمالِ اخلاق پیدا ہو جائے اور یہ سمجھ لے کہ دنیا فانی ہے اور بقا کا علم یہ ہے کہ عالم آخرت بہتر ہے جو باقی رہنے والا ہے صوفیا کے نزدیک انسانی زندگی کی اصل غرض فنا و بقا اور مستہلک ہونا ہے لیکن ہر شخص فنا و بقا کے مدارج کو طے نہیں کر سکتا۔ اس لیے شرع نے معاش کے اہتمام اور بدنی عبادتوں کی بجا آوری کا حکم دیا ہے اس لیے جو شرع میں مذکور ہے وہی مطلوب ہے جو تمام افراد پر واجب ہے فنا و بقا خاص افراد کی ذاتی قابلیت اور استعداد کے لحاظ سے ضروری ہے کیونکہ بعض افراد بالطبع علو و تجرد کی طرف مائل ہوتے ہیں اس لیے خدا ان کو وہ راہ دکھلا دیتا ہے ورنہ یہ دین کا عام حکم نہیں ہے۔

۲۲۔ **فنا فی الشیخ**:۔ فنا فی الشیخ اس کو کہتے ہیں کہ مُرید شیخ سے باطنی تعلق میں اتنا قریب ہو جائے کہ شیخ کے حکم اور ارادے میں اپنی رائے اور ارادے کو فنا کر دے اور ان ہی جیسے اخلاق و افعال اور صفات اختیار کرے۔

۲۳۔ **فنا فی الرّسُول**:۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ایسا رسوخ نصیب ہو جائے کہ سنّت کی اتباع طبیعت ثانی بن اور افعال و اخلاق و اقوال میں رسول اللہ کا اتباع نصیب ہو جائے

۲۴۔ **فنا فی اللہ**:۔ حق تعالیٰ کے احکام کا اتباع ایسا راسخ اور مستحکم ہو جائے کہ غیر حق سے تعلق منقطع ہو جائے پھر اسی فنا کی انتہا استغراق ہے جس کی کیفیت ناقابل بیان ہے ایسے حضرات پر یہ کیفیت بے خودی طاری کر دیتی ہے کہ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر رہتے ہیں۔

۲۵۔ **قوتِ بہیمیہ**:۔ قوت بہیمیہ سے مراد وہ قوت ہے جو انسان کو بُرے اعمال کی طرف لے جاتی ہے دوسرے معنوں میں یہ ایک شیطانی قوت ہے۔

۲۶۔ **قوتِ خیالیہ**:۔ اس قوت کا اصل مقام دماغ کا مقدم حصہ ہے شیطان بھی اس پہلو سے حملہ کرتا اور قوتِ خیالیہ پر مسلط ہو کر انسان کے عقائد اور خیالات کو گمراہ کر دیتا ہے اور اس قوت کا رخ شر اور بدی کی طرف موڑ دیتا ہے۔

۲۷۔ **قوتِ شہوانیہ**:۔ اس قوت کا مقام دل کے دائیں طرف ہے شیطان بھی دائیں طرف سے اس پر حملہ کرتا ہے اور جب اس پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے تو بدترین اخلاق اور خواہش کا اظہار ہوتا ہے

۲۸۔ قوتِ غضبیہ: اس قوت کا مقام دل کے بائیں طرف ہوتا ہے شیطان بھی اس پر بائیں طرف سے حملہ کرتا ہے جب شیطان اس پر مسلط ہو جاتا ہے تو کبر و تعصب کی آگ انسانوں اور قوموں میں بھڑک جاتی ہے اور نئے نئے فتنے پیدا ہو جاتے ہیں۔

۲۹۔ قوتِ ملکیہ: یہ قوت خیر کی قوت ہے جس سے انسان عبادات اور اطاعات کی طرف متوجہ ہوتا ہے یوں سمجھیے کہ انسان بعض اوقات نیکی کی طرف راغب ہونے لگتا ہے جس قوت کے تحت اس کا دل نیکی کی طرف متوجہ ہوا وہ قوتِ ملکیہ کہلاتی ہے جب مادہ خیر میں جنبش ہوتی ہے تو قوت ملکیہ عروج پاتی ہے گویا کہ قوت ملکیہ کو مضبوط کرنا سعادت ہے۔ سعادت کی حقیقت یہ ہے کہ قوتِ ملکیہ کو جو نفسِ انسانی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا کی گئی ہے قوت پہنچائی جائے کہ اوصاف حمیدہ کو ترقی ہو۔ دراصل قوتِ بہیمیہ کا قوتِ ملکیہ (نفسِ مطمئنہ) کے اور خواہشات نفس کا عقل کامل کے زیر اثر ہونا سعادت کہلاتا ہے اس کے برعکس سعادت کی ضد شقاوت ہے جو قوت بہیمیہ کو قوی کرنے سے پیدا ہوتی ہے جس سے بُرے اعمال و افعال اور اخلاق رذائلہ و تباہ کن و گمراہی والے راستے پیدا ہوتے ہیں۔

۳۰۔ قوتِ واہمہ: اس قوت کا مقام دماغ کے پچھلے حصے میں ہے اور شیطان بھی پیچھے کی طرف سے اس پر حملہ کرتا ہے جب اس قوت پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے تو غیر محسوس چیزیں مثلاً قبر کا عالم، عالم آخرت، خدا کی ذات و صفات کے متعلق شیطان قوتِ واہمہ پر حملہ کر کے انسان کو شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔

۳۱۔ قوتِ متخیلہ: وہ قوت جو صور اور معانی میں تصرف کرتی ہے اور عام معانی اور کلی مفہوم میں تغیر و تبدل کر کے نفس ناطقہ کے پیش کرتی ہے یعنی وہ قوت جو حس مشترک کی صور محسوسہ میں تصرف کرتی ہے گویا کہ یہ قوت دماغ کی محفوظ صورتوں شکلوں اور دماغ کی موجودہ باتوں میں خواہ وہ خیال کی ہوں یا حافظہ کی تصرف یا ہیر پھیر کرتی ہے اس کا محل و مقام اگرچہ وسط دماغ ہے لیکن اس کا تعلق سارے دماغ سے ہے کیونکہ مقدم دماغ سے جہاں قوتِ خیال کا مقام ہے یہ حواس خمسہ ظاہرہ کی محسوسات کر لیتی ہے اور مؤخر دماغ سے قوت حافظہ سے حواس خمسہ باطنہ کی محسوسات و مدرکات کر لیتی ہے اور پھر ان میں تصرف اور تغیر و تبدل یعنی ہیر پھیر کرتی ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ سارے دماغی قویٰ ان آئینوں کی مانند ہیں جو آمنے سامنے رکھے ہوں۔ ان میں سے کسی ایک آئینہ میں جو چیز چھپتی ہے اس کا عکس دوسرے آئینوں میں آن واحد میں چھپ جاتا ہے جب دوسرے دماغی قویٰ میں

شیطان کا تصرف ہوگا تو سارے دماغ کے قویٰ بھی متاثر ہوں گے۔

۳۲۔ **مراقبہ**:۔ مراقبہ یہ ہے کہ بندے کو علم ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے اور بندے کا اس حالت کو قائم رکھنا مراقبہ ہے۔ مراقبہ ہر نیکی کی اصل ہے انسان اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ پہلے اپنے نفس کا محاسبہ نہ کرے جب محاسبہ کرلے تو اپنی حالت کی اصلاح کرے اور اللہ تعالیٰ کے راستے پر لگا رہے اور اپنے سانسوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے ساتھ محفوظ رکھے تو یہ شخص اپنے اکثر احوال میں اللہ تعالیٰ کو دیکھتا رہے گا اور جان لے گا کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے اور اس کے افعال کو دیکھتا اور سنتا ہے اور اس کے دل کے حالات کو جانتا ہے اور اس کے دل کے قریب ہے۔

ایک بار ابن عمرؓ سفر میں تھے تو انھوں نے ایک غلام کو بکریاں چراتے دیکھا اور انھوں نے بطور آزمائش اسے کہا ان میں سے ایک بکری بیچو گے؟ غلام نے جواب دیا کہ یہ بکریاں میری نہیں ہیں۔ آپ نے کہا مالک سے کہنا بھیڑیا ایک بکری کو لے گیا۔ اس غلام نے جواب دیا پھر اللہ کہاں ہے۔ اس واقعہ کے بعد مدت تک ابن عمرؓ کہا کرتے تھے اس غلام نے اللہ تو دیکھ رہا ہے کہہ کر اپنا حق ادا کیا۔ بس مراقبہ کی علامت یہ ہے کہ ہر دم اللہ تعالیٰ کو نگاہ میں رکھے۔

۳۳۔ **معرفت**:۔ معرفت دو طرح کی ہے ایک معرفت حق دوسری معرفت حقیقت۔ معرفت حق یہ ہے کہ ان صفات کی بنا پر جن کا اظہار اللہ تعالیٰ نے کیا ہے حق تعالیٰ کے وجود کو ثابت کرنا۔ معرفت حقیقت یہ ہے کہ انسان یہ اقرار کرے کہ اس کی حقیقت کو معلوم کرنے تک کسی کی رسائی نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَا یُحِیۡطُوۡنَ بِہٖ عِلۡمًا (ان کو اللہ کے متعلق ایسا علم حاصل نہیں ہوسکتا کہ اس کا احاطہ کرسکیں۔)

۳۴۔ **یقین**:۔ دل کی آنکھ اور قلبی مشاہدے کو اور شک کے اٹھ جانے کا نام یقین ہے۔ یقین دل کے اندر ایک ایسا محکم علم ہے جس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہوتا اگر درمیانی پردہ بھی کھل جائے تو بھی یقین میں اضافہ نہیں ہوتا۔ اگر تھوڑے سے تھوڑا یقین دل میں داخل ہوجائے تو دل کو نور سے بھر دے گا اور دل سے ہر قسم کا شک و شبہ دور کردے گا۔ یقین تین طرح کا ہوتا ہے۔

اول خبروں کا یقین (علم الیقین)

دوم دلیلوں کا یقین (عین الیقین)

سوم مشاہدہ کا یقین (حق الیقین)

# عجائبات اربعہ

**نفس:** نفس کئی معنوں میں مشترکہ بولا جاتا ہے جس سے دو معنی ہمارے مقصود کے موافق ہیں ایک تو یہ کہ نفس انسان میں وہ شے ہے جو قوت غضبیہ اور قوت شہوانیہ اور صفات مذمومہ کی جامع ہے اسی بنا پر اہل تصوف فرماتے ہیں نفس پر مجاہدہ کرنا چاہیے اور نفس کو خوب توڑنا چاہیے۔ دوسرے معنی نفس کے یہ ہیں کہ نفس ایک لطیفہ ربانی ہے اور اس نفس کو مختلف حالتوں میں مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے اگر اس کی خواہشات انسان کو مغلوب کیے رکھیں اور وہ نفسانی خواہشات اور نفس کے تقاضوں کا غلام بنا رہے اور حرکات شیطانی کا مطیع ہو جائے ایسے شخص کے نفس کو نفس امارہ بالسوء کہتے ہیں جس طرح کہ قرآن حکیم میں حضرت یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کے حال میں آیا ہے۔ اگر کوئی شخص برائی کرنے کے بعد ہمیشہ پچھتاتا رہے اور اپنے آپ کو ملامت کرتا رہے اور نفس پر اعتراض کرتا رہے تو اس کے نفس کو نفس لوامہ (ضمیر) کہتے ہیں اگر کسی شخص نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا اور اب اس کی حالت یہ ہے کہ اس کا نفس اس کو برائی کی طرف بلاتا ہی نہیں اور نیکی کرنے سے خوشی اور اطمینان حاصل ہوتا ہے تو ایسے شخص کے نفس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں یہ اعلیٰ ترین درجے کا نفس ہے نفس لوامہ درمیانی درجے کا اور نفس امارہ جو برائی کا حکم دیتا ہے یہ سب سے پست ترین درجے کا نہایت برا نفس ہے۔

مومن کو چاہیے کہ نفس پر غالب رہے اور عمر بھر اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ میں مشغول رہے نفس کے ساتھ جہاد اور ذکر لیتا رہے اور اس پر غالب رہنے کی اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگتا رہے۔ اس کے لیے اہل اللہ کی صحبت اور صالح محبت اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل اور سنت نبوی کی اتباع اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی الفت سے قلب میں نور ایمان ویقین کی دولت کا غلبہ پیدا کرے جس سے عقل نور ایمان سے منور ہو جائیگی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کو گھیرے گی اور قلب میں نورانیت سے ایک ایسی مستحکم عزیمت اور پختہ ارادہ کا ظہور ہو گا کہ اس کے سامنے وہ خیال اور ارادہ جو اقتضاء

نفس سے پیدا ہوا ہے مطلق نہیں ٹھہر سکے گا۔

۲۔ رُوح :۔ روح کے بھی دو معنی ہیں ایک روح حیوانی (جان) یہ وہ روح ہے جس سے زندگی قائم رہتی ہے جو دل میں پیدا ہوتی ہے جو ایک بخار لطیف حرارت قلب جسمانی سے نضج پا کر بذریعہ شریانوں کے تمام اعضا بدن میں پھیلتا ہے اور تمام اعضا کو حیات بخشتا ہے اس رُوح حیوانی کا باطن میں حرکت کرنا جسم میں جاری وساری ہونا ایسا ہے جیسا ایک چراغ، مثلاً چراغ کسی گھر میں رکھ دیا جائے اور اس کی روشنی چاروں طرف پھیل جائے گویا یہ بخارات لطیفہ بمنزلہ چراغ کے ہیں اور حیات بمنزلہ روشنی کے، وفات کے وقت روح حیوانی بدن سے نکل جاتی ہے جس کے نکلنے سے نفس ناطقہ کا تعلق بدن سے منقطع ہو جاتا ہے۔ دوسرے معنی روح ربانی کے ہیں یہ رُوح انسانی ایک ایسی عجیب شے ہے کہ جس کے کنہ حقیقت کے ادراک میں اکثر عقول وفہم عاجز ہیں اس کے کنہ کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ رُوح حیوانی کے برخلاف جسم میں موجود مقید نہیں بلکہ جسم سے علیحدہ رہ کر اس میں تدبیر و تصرف کا علاقہ رکھتی ہے اور اس کا تعلق روح حیوانی سے ہے جو انسان میں موجود ہے یہ تعلق اس قسم کا ہے جس طرح آفتاب کا آئینہ سے آفتاب اپنی جگہ موجود ہے لیکن اس کا عکس آئینہ پر پڑتا ہے اور اس کو روشن کر دیتا ہے۔ اس طرح رُوح عالم ملکوت میں ہے اور اس کا پرتو رُوح حیوانی پر پڑتا ہے اور اس کی وجہ سے انسان عجیب وغریب قویٰ کا مظہر بن جاتا ہے یعنی رُوح انسانی ایک جوہر ہے اور انسان میں جو رُوح حیوانی ہے یہ اس کے کام کا ایک آلہ ہے جس طرح کاریگر آلہ کے بغیر کام نہیں کر سکتا اس طرح رُوح ربانی بھی اس روح حیوانی کے بغیر کام نہیں کر سکتی، لیکن فی نفسہٖ وہ بالکل ایک جداگانہ شے ہے اور چونکہ وہ جوہر مجرد ہے یعنی نہ مادہ سے مرکب ہے اس لیے اس کو فنا نہیں، انسان دراصل اسی روح کا نام ہے۔

دوستو، رُوح کے بھی چار گھر ہیں ہر گھر اگلے گھر سے بڑا ہے۔ پہلا گھر ماں کا بطن ہے جو محدود تنگ و تاریک اور تین قسم کے مصلی عضلی، مخاطی تاریک پرتوں میں لپٹا ہوا ہے۔ دوسرا گھر جو کہ پیٹ سے بڑا ہے یہ دنیا ہے جو انسان کے لیے بطور کھیتی کے ہے یہاں خیر و شر اور سعادت وشقاوت کا بیج بوتا ہے اور ان کے اسباب فراہم کرتا ہے تیسرا گھر عالم برزخ ہے جو دنیا سے وسیع اور بہت بڑا ہے چوتھا گھر آخرت ہے اور اس کے آگے کوئی گھر نہیں۔ اس میں دنیا کے اعمال کے مطابق جنت و دوزخ میں انسان کا ٹھکانہ ہوگا مبارک ہیں وہ انسان جو دنیا میں آ کر سعادت کے اسباب فراہم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہیں اور نفسانی خواہشات سے بچنے کی سعی کرتے ہیں۔

**۴۔ قلب**:۔ دل فی الحقیقت رئیس الاعضا اور سلطان البدن ہے اور منبع و معدن روح ہے اور خدا تعالیٰ کی صفات کا مظہر خاص اور بقائے حیات وصحت کا مرکز و منبع اور تجلی رب الغفور الرحیم کا مقام ہے۔ قلب ایک گاؤدم گوشت کا صنوبری شکل کا ٹکڑا ہے جو سینے کے بائیں جانب واقع ہے یہ حرارت غریزی اور روح حیوانی ونسیمہ کا مرکز ہے لیکن یہاں اس کی شکل وکیفیت بیان کرنا مقصود نہیں کیونکہ دل کی دو حیثیتیں ہیں ایک مادی دوسری روحانی، پہلی حیثیت مادی ہے جو اطبا کے متعلق ہوتی ہے جس سے بدن کے تمام اعضا کو حیات پہنچتی ہے اس جگہ اس کا بیان کرنا مقصود نہیں۔ دوسری حیثیت دل کی روحانی ہے جس سے ہماری دینی غرض ہے اس کو ہی علمی اور اخلاقی مرکز کی حیثیت حاصل ہے یہ ایک لطیفہ ربانی ہے اور یہی حقیقت انسانی کہلاتا ہے اور یہی منبع علم وادراک ہے اور یہی مخاطب اور معاتب ہے اور اس کا تعلق قلب سے ایسا ہے جیسا صفات کا اپنے موصوف سے یا کاریگر کا اپنے اوزار سے یا مکین کا اپنے گھر سے یا مرض کا تعلق جسم سے، حقیقتاً دل ہی سب کچھ ہے اور اسی سے ہی بازپرس ہوگی فرمایا آنحضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو جان لو کہ بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو تمام بدن درست ہوتا ہے اور جب وہ خراب ہو تو تمام بدن خراب ہو جاتا ہے آگاہ رہو وہ ٹکڑا دل ہے

روحانیت میں قلب سے مراد حقیقت روح انسانی ہے نہ کہ وہ گوشت کا ٹکڑا جو سینے میں بائیں طرف ہے کیونکہ وہ حقیقت جس کو روحانیت میں دل کہتے ہیں۔ اس عالم کی چیز نہیں وہ تو بحیثیت مسافر کے یہاں آیا ہے اور یہ گوشت کا ٹکڑا اس کی سواری ہے اور تمام اعضا اس کے ہتھیار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے جمال کا مشاہدہ اسی کی خاص صفت ہے۔ انسانی سعادت اور شقاوت کا اسی پر دارومدار ہے عذاب وثواب کا اصل تعلق بھی اس سے ہے اور اس میں ایک جذب مقناطیسی بھی ہے اور جب اس میں انجذاب حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے تو تمام حجابات کو پھاڑ کر بارگاہ قدس میں پہنچتا ہے جو اس کی قرارگاہ آرام دل ہے اور دل کی حقیقت کی تشریح شریعت نے اجازت نہیں دی کیونکہ اس سے روح کا راز فاش ہوتا ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ جس طرح بادل ہو جانے سے آفتاب کی کرنیں زمین پر نہیں آسکتیں اسی طرح اگر دل گناہ سے کثیف ہو جائے نور ربانی کی کرنیں دل کے آئینہ میں نہیں آسکتیں اور جس کا دل گناہ سے پاک وصاف ہو اور جب مجاہدہ سے اس کے دل کا تزکیہ ہو جاتا ہے تو جس سے اس میں ملکوتی

صفت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ بفضل ربی لوح محفوظ کی خبریں دیتے ہیں اور آنے والے حالات کی صورتیں اس میں چھپ جاتی ہیں ے

ہے قیدِ آب و خاک سے باہر مقام دل    ما نا خمیر ما یہ مرا مار وطین ہے

لیکن اس مثال کو بھی پیش نظر رکھیں کہ گھر میں بجلی کے بلب جلتے ہیں اگر ایک بلب کا شیشہ علیحدہ کر کے سوئچ دبائیں تو نا ہے کا تار گرم ہو کر سُرخ ہو جائے گا لیکن اس سے روشنی نہ ہو گی اور اگر اب اس کا شیشہ چڑھا کر سوئچ کو دبائیں تو اب بھی تار گرم و سرخ ہو گا مگر روشنی نہ ہو گی۔ اب اگر شیشہ کی ہوا خارج کر کے اور ویکم کر کے شیشہ لگائیں اور سوئچ دبائیں تو فوراً نور پیدا ہو گا اور روشنی ہو جائیگی۔ وجہ یہ ہے کہ پہلے شیشہ میں ہوا بھری ہوئی تھی اس لیے نور پیدا نہیں ہُوا جب ہوا بلب سے نکال دی گئی تو فوراً نور پیدا ہو گیا۔ آپ کے دل میں بھی جب تک دنیا کی ہوا (حرص و ہوس وغیرہ) بھری ہوتی ہے اللہ کا نور اس میں جلوہ نما نہیں ہو سکتا۔ دنیا کی حرص و ہوا سے دل کو پاک و صاف کر لو تو قلب بھی بلب کی طرح روشن ہو جائیگا۔ دوستو، قلب پر حقائق کلیہ کا فیضان و القا ہوتا ہے اور یہی دل وجدان اور کشف و الہام کا مرکز ہے۔ لطیفہ قلب کا تعلق تو ایک طرف سے خدا سے واصل دوسری طرف مخلوق میں شامل ہے۔ قلب چار قسم کے ہوتے ہیں:۔

(۱) ایک قلب اجرد (پاک وصاف) ہے جیسے گویا کہ ایک روشنی بکھیرتا ہُوا چراغ رکھا ہو (۲) دوسرا قلب مربُوط گویا جیسے باندھ دیا گیا ہو (۳) تیسرا قلب منکوس (اوندھا) ہے (۴) چوتھا قلب مصفح ہے (جس میں ایمان و نفاق دونوں جمع ہوں۔ رہا قلب اجرد تو یہ مومن صادق کا دل ہے اس میں ایمان کا چراغ روشن رہتا ہے دوسرا قلب اغلف کافر کا دل ہے جس پر مہر لگی ہوتی ہے تیسرا قلب منکوس خالص منافق کا دل ہے جو حق کو جانتے ہوئے اس کا انکار کرتا ہے (چوتھا قلب اس شخص کا دل ہے جس میں ایمان کے ساتھ نفاق کی بھی آمیزش ہو۔

## ارشاداتِ نبویؐ

(۲) رقتِ قلب۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ دل تمھارا نرم ہو جائے۔ حاجتیں تمھاری پوری ہوں تو یتیم پر رحم کرو، اس کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرو، اپنے کھانے میں سے اس کو کھلاؤ، دل نرم ہو گا اور حاجتیں اور آرزوئیں پُوری ہوں گی۔

(۳) رقتِ قلب اور دُعا۔ دُعا کے وقت رقتِ قلب کو مقبولیت کی نشانی سمجھو۔ (حدیث نبویؐ)

(۴) سیاہ نقطہ۔ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے جب وہ استغفار

اور توبہ کرتا ہے تو پھر دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر گناہ کی تکرار ہونے لگے تو وہ نقطہ بڑھنے لگتا ہے یہاں تک کہ وہ زنگ بن جاتا ہے۔

(۵) دل صیقل۔ دل لوہے کی طرح زنگ آلودہ ہو جائے اور اس کا صیقل، ذکر موت اور تلاوت قرآن مجید ہے۔

(۶) دل سے پوچھو۔ ہر بات اپنے دل سے پوچھ لیا کرو۔

(۷) قلب انسان۔ آدمی کا دل چڑیا کی طرح ہے دن میں کوئی سات مرتبہ بدلتا ہے۔

(۸) قفل دل کھول دیتا ہے۔ جس شخص کو خدا پسند کرتا ہے اس کا قفل دل کھول دیتا ہے اور اس کو یقین و صدق کا محل بنا دیتا ہے۔ اس کی عقل کو سلامتی، زبان کو راستی، اخلاق میں استقامت، کان کو سماعت اور آنکھ کو صحیح بصارت عطا کرتا ہے۔

۴۔ عقل: عقل کے متعدد معنی ہیں، دانائی، سمجھ وغیرہ، یہ ایک قوت یا جوہر غیر مادی ہے جس سے نفس علوم بدیہیہ و نظریہ اور معانی کلیہ کا ادراک کرتا ہے یا وہ قوت جس سے نیک و بد کی تمیز ہوتی ہے عقل کے لغوی معنی بدھنا ہیں۔ چونکہ عقل انسان کو ناجائز و نامناسب امور سے روکتی ہے کبھی عقل کے معنی وہ وصف ہے جس کے ذریعہ سے انسان دیگر حیوانات سے ممتاز ہے وہ وصف صورت علمیہ کی ہے، جس سے انسان علوم نظریہ کے ادراک کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے گویا کہ عقل ایک نور (لطیف ربانی) ہے جو دل میں ڈالا جاتا ہے جس کے باعث قوت فکریہ کے مخفی نقشے کے مطابق صنعتوں کی تیاری و تدبیر کی اس میں صلاحیت ہوتی ہے اور اس کے ذریعے سے ادراک کی استعداد ہوتی ہے اور معلومات کی حقیقتوں کو جدا جدا کیا جاتا ہے اور عقل کا اطلاق اس علم پر بھی ہوتا ہے جو علم انسان میں رکھا گیا ہے جس سے جائز چیزوں کا جواز اور محال ہونا ثابت ہو اور عقل کا اطلاق اس علم پر بھی ہوتا ہے جو تجربات سے حاصل ہو۔

**عقل** فہم فراست اگرچہ فطرتی شے ہے لیکن تجربہ کی زیادتی عقلمندوں کی صحبت، علوم عقلیہ کی تحصیل اور قصص و نصائح کے سننے سے بڑھتی ہے اور قوائے عقلیہ پختہ ہو جاتے ہیں اور نور ایمان جب عقل پر غالب ہو جائے تو عقل کو منور کرتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ انسان کے سامنے سب سے پہلے حواس ظاہری کے محسوسات ہیں۔ انسان اپنی اصلی فطرت کے اعتبار سے سادہ ہے اس کو عالم کی خبر ادراک کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے سب سے پہلے انسان میں قوت لامسہ پیدا ہوتی ہے جس سے گرمی و سردی، خشکی و تری،

نرمی و سختی کا احساس ہوتا ہے اس کے بعد قوت باصرہ کا ظہور ہوتا ہے جس سے عالم کی رنگینوں کا مشاہدہ
کرتا ہے پھر قوت سامعہ جس سے آوازوں اور نغموں کا احساس ہوتا ہے. پھر قوت ذائقہ پیدا ہوتی ہے
جس سے مختلف لذتوں سے بہرہ یاب ہوتا ہے پھر وہ عالم محسوسات کے دائرے سے آگے بڑھتا ہے
سات سال کی عمر میں قوت تمیز پیدا ہوتی ہے پھر ترقی کرتا ہے تو عقل کے مدرکات کا رتبہ ملتا ہے ۔
عقل کے اوپر روحانی ادراک کا درجہ ہے نبوت کی ابتدا اسی درجہ سے ہوتی ہے اور اس قوت کے
ذریعہ سے انسان غیر مرئی اور نادیدہ روحانیات اور ان کے نظام کا ادراک کرتا ہے اور وہ امور غیبی جن
کو عقل قطعاً ادراک نہیں کرسکتی اس کی وجہ سے نورانی نظر حاصل ہو جاتی ہے اور بن دیکھے خدا اور
اس کے سلسلہ اسباب پر ایمان لاتا ہے اور یہی قوت ملکی ترقی پاکر انسان کو علم ظاہری اور لوح محفوظ
کے حقائق سے آگاہ کرتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو عقل دی مگر خواہش و غضب کی قوت نہ دی
اور حیوانوں کو خواہش اور غضب کی قوت عنایت فرمائی مگر عقل کی قوت نہ دی اور انسانوں کو یہ دونوں
چیزیں عقل، اور شہوت و غضب کی قوت عطا فرمائی. اگر انسان شہوت اور غضب کی قوت کو تابع عقل کرلے
تو وہ کمال عقل کے مرتبے کو پہنچ جاتا ہے تو اس کا مرتبہ فرشتوں سے بھی بڑھ جاتا ہے اور فرشتوں
میں یہ خواہش نہ ہونے کی وجہ سے کوئی مزاحمت نہیں کرنی پڑتی۔ اور اگر انسان کی عقل پر حرص و غضب
کا غلبہ ہو جائے تو وہ حیوانات سے بدتر ہو جاتا ہے۔ بس کمال انسانی یہ ہے کہ جس کا علم و عمل شریعت محمدی
کے مطابق ہو۔ دوستو، انسان کو جتنے حالات درپیش آتے ہیں ان کا تعلق عقل یا دل یا دونوں سے ہوتا
ہے عقل مصدر شعور و احساس ہے اور دل جذبات و لطف کا منبع ہے اگر ہم عقل کے تابع ہو جائیں
تو دل پر غم و خوشی کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ اگر ہم عقل کو نظر انداز کر کے اور تمام اپنے اعمال دل کے میلان و
عواطف کے تابع کرلیں تو یا تو ہم نہایت عیش پرست. ظالم و جابر انسان بن جائیں گے ——— یا
مغلوب الجذبات نرم خو و لطف آگین انسان بن جائیں گے اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ دونوں
ربط و ضبط آپس میں ملا و توازن کو برقرار رکھا جائے۔ دل میں ارادہ پیدا ہوتا ہے اور دماغ اس
ارادہ کی عملی تشکیل کے لیے ایک نقشہ مرتب کرتا ہے پھر اس نقشے پر عملی قدم اٹھانے کے لیے دماغ
اعضا میں تحریک پیدا کرتا ہے اور یہ بھی حیرت کی بات ہے کہ دماغ آنکھ کے ذریعہ سے ہر چیز کو دیکھ
کر حیرت کرتا ہے مگر وہ اپنا حال بتانے اور اپنی خبر دینے میں عاجز ہے ۔ کائنات کے راز کھولتا

ہے اور خلا کی لامحدودیت کا نشان بتاتا ہے مگر یہ نہیں بتاتا کہ خود کیا ہے۔ کیا عقل محل دل ہے یا دماغ، اس کا جواب بعض علما کے نزدیک عقل کا محل قلب ہے وہ اس آیت کریمہ کو بطور ثبوت پیش کرتے ہیں لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا اِنَّ فِي ذَالِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اور بعض علما اس طرف گئے ہیں کہ عقل کا محل دماغ ہے اور حق یہ ہے کہ عقل کا منبع اور سرچشمہ تو دل ہے اور خزانہ اس کا دماغ ہے۔

## صوفیائے کرام کے کارنامے

دوستو، دنیا میں اشاعت اسلام میں صوفیائے کرام اور اولیائے کبار، درویش طبع مسلمان تاجروں کا زیادہ حصہ ہے۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا سیاسی و مادی زوال بھی کبھی ان کے دینی نظام کو تباہ نہ کر سکا۔ اسلام کی روحانی ترقی کا سلسلہ ہمیشہ جاری و ساری رہا بلکہ اکثر ایسا ہوا کہ صوفیائے عظام نے اس دور میں نہایت زبردست کامیابیاں حاصل کیں۔ ساتویں صدی میں عالم اسلام کو وہ حادثہ پیش آیا جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی جو اسلام کے لیے ایک بلائے عظیم تھی۔ قریب تھا کہ مسلمانوں کی ہستی کو فنا کر دیتا کہ تین دن میں بغداد کی پچیس لاکھ کی آبادی میں سے اٹھارہ لاکھ انسانی لاشیں خاک و خون میں پڑی ہوئی تھیں اور عیسائیوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اعلانیہ شراب پئیں اور خنزیر کا گوشت کھائیں اگرچہ رمضان کا مہینہ تھا مگر مسلمانوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ شرکت کریں۔ مسجدوں میں شراب انڈیلی گئی اور اذان اور اسلامی طریق ذبح کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ تاریخ کے عجیب ترین واقعات اور حقائق میں سے اس ناقابل تسخیر قوم کا اسلام سے مسخر اور مسلمانوں کے فاتح کا اسلام سے مفتوح ہو جانا حیرت انگیز اور عظیم الشان معجزہ ہے چنگیز خاں اور ہلاکو خاں جیسے دشمن اسلام کی اولاد کا دین قیم کا حلقہ بگوش بن جانا ان مخلص بزرگان دین صوفیائے حضرات کا ایک عظیم کارنامہ ہے جبکہ عیسائی اور بدھ مت والے ان کو اپنے مذہب کا پیرو بنانا چاہتے تھے اور پھر وہ اسلام کے خود دشمن بھی تھے۔ چنانچہ مغلوں کا پہلا بادشاہ جو مسلمان ہوا وہ برکہ خان تھا جو ۱۲۵۶ء سے ۱۲۶۵ء تک سیر اوردا کا خان رہا، اور دولت ایلخانیہ کا پہلا بادشاہ نکودار (سلطان احمد) تھا جس کو نور اسلام کی برکت ملی اور براق (سلطان غیاث الدین) جو چغتائی خان ابن چنگیز خان کا پڑپوتا تھا مسلمان ہوا اور تغلق تیمور خان جو (۱۳۴۷ تا ۱۳۶۳ء) کاشغر کا سلطان تھا اس کے مسلمان ہونے کی نسبت لکھا ہے کہ بخارا کے ایک صوفی بزرگ شیخ

جمال الدین کاشغر آئے انھوں نے تغلق تیمور کو مسلمان کیا شیخ جمال الدین اور ان کے ساتھی سفر میں تھے کہ نادانستہ تغلق کی سرکاری زمین پر سے ان کا گزر ہوا۔ بادشاہ نے اس قصور میں ان سب کی مشکیں کسوا کر اپنے سامنے طلب کیا اور نہایت غصہ کی حالت میں ان سے دریافت کیا کہ تم کیوں ہماری زمین پر بے اجازت داخل ہوئے؟ شیخ نے جواب دیا کہ ہم اس ملک میں اجنبی ہیں ہم کو کوئی خبر نہ تھی۔ بادشاہ کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ ایرانی ہیں تو اس نے کہا کہ ایرانی سے تو کتا بہتر ہوتا ہے شیخ نے کہا سچ ہے اگر نور ایمان ہمارے پاس نہ ہوتا تو ہم کتے سے بھی بدتر ہوتے یہ جواب سن کر تغلق تیمور حیران رہ گیا اور حکم دیا ہم شکار سے واپس ہوں تو ہمارے سامنے پیش کرنا چنانچہ ایسا ہی ہوا جب شیخ جمال الدین ایرانی کو علیحدہ لے جا کر کہا کہ جو کچھ تم اس وقت کہہ رہے تھے وہ اب سمجھاؤ نور ایمان (دین برحق) سے تمھارا کیا مطلب ہے۔ شیخ نے اسلام کے احکام اور ارکان کو ایسے جوش سے بیان فرمایا کہ تغلق تیمور کا دل جو پہلے پتھر تھا اب موم کی طرح نرم پڑ گیا۔ شیخ نے حالت کفر کا ایسا مہیب نقشہ کھینچا کہ بادشاہ کو اپنی غلطیوں سے اب تک بے بصیرت رہنے کا یقین ہو گیا لیکن اس نے کہا کہ اگر اس وقت میں اپنا مسلمان ہونا ظاہر کروں گا تو رعایا کو راہ راست پر نہ لا سکوں گا اس لیے کچھ عرصہ کے لیے تم سکوت اختیار کرو۔ جب میں اپنے باپ کے تخت اور ملک کا مالک بنوں گا تو اس وقت تم میرے پاس آنا۔

شیخ جمال الدین اپنے وطن واپس چلے گئے اور وہاں سخت بیمار پڑ گئے جب موت کا وقت قریب آیا تو اپنے بیٹے رشید الدین سے کہا تغلق تیمور ایک دن بڑا بادشاہ ہوگا تم اس وقت اس کے پاس جانا اور میرا اسلام پہنچا کر بے خوف و خطر بادشاہ کو یاد دلانا کہ اس نے مجھ سے کیا وعدہ کیا تھا۔ چند سال کے بعد تغلق تیمور نے باپ کا تخت سنبھالا۔ ایک دن رشید الدین بادشاہ کے لشکر میں پہنچا کہ باپ کی وصیت پوری کرے لیکن باوجود کوشش کے اس کو خان کے دربار میں حضوری نہ ہوئی۔ آخر مجبور ہو کر یہ تدبیر کی کہ ایک دن علی الصبح تغلق تیمور کے خیمہ کے قریب اذان کہنی شروع کی تغلق کی جب نیند خراب ہوئی تو اس کو غصہ آیا اور رشید الدین کو اپنے سامنے بلوایا۔ رشید الدین نے آتے ہی اپنے باپ کا پیغام تغلق کو سنایا۔ تغلق کو پہلے ہی اپنے وعدے کا خیال تھا وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوا۔ اس کے بعد اس نے اپنی رعایا میں اسلام کی اشاعت کی جس سے تمام ملک کا مذہب اسلام ہو گیا۔ جو

چغتائی ابن چنگیز خان کی اولاد کے تسلط میں رہتے تھے۔ شیخ جمال الدین جن کے دل سے نکلے ہوئے ایک فقرہ نے اور ان کی قوتِ ایمان اور اخلاص و درد نے وہ کام کیا جو ہزاروں تقریریں اور لاکھوں شمشیریں نہیں کرسکتیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسے پاک بندوں سے اُمّت کی آبرو، قوّت اور زندگی ہے۔

ہارون الرشید کے دَور میں حضرت سفیان ثوریؒ نے کوفے کی مسجد سے ہدایت ربانی کا چشمہ جاری کیا اور بغداد میں جب فسق و فجور کی ہوائیں چلیں تو مالک بن دینار رُشد و ہدایت کا چراغ بن گئے اور عہدِ مغلیہ میں جبکہ دنیا پرستی نے کفر و الحاد کے فتنہ کو جنم دیا تو ربِ کعبہ کے پرستاروں کو جب سُورج پرستی کا درس دیا جانے لگا اور اکبر کو اپنی سلطنت کا استحکام لادینی میں نظر آیا تو اس گمراہی کے سیلاب کو حضرت شیخ احمد مجدد سرہندی نے آکر روکا۔ یہ آپ کی مساعی کا ہی نتیجہ تھا کہ ہزاروں تربیت یافتہ عقیدت مندوں کے احیا کے لیے کھڑے ہو گئے اپنے اموال اور اپنی جانیں اس میں لگا دیں اور جب حضرت مجدّد کو جہانگیر نے قید خانے میں بھجوایا تھا تو دو برس میں سینکڑوں ہندو قیدی مسلمان بن کر باہر نکلے۔ یہ اسی کے اثرات تھے کہ جلال الدین اکبر کی سلطنت ملک کے اندر تک محدود تھی مگر سرہند کے اس درویش کا حلقہ ہندوستان سے نکل کر عرب و شام، عراق اور روم تک پھیل گیا مُغل بادشاہ کی سلطنت کا چراغ ایک مقامی و فانی چراغ تھا جو بجھ گیا، لیکن اس فقیرِ بے نوا کا عمل آج بھی زندہ ہے۔ اس مقدس درویش کے ہاتھوں میں تلوار نہ تھی، نہ جاہ و حشمت نہ حکومت و سلطنت جس سے وہ اپنے مخالفوں کو مرعوب کرسکتے صرف یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور نورِ ایمان و یقین کی قوت اور مشیت ایزدی تھی جس سے انھیں کامیابی حاصل ہُوئی۔ آج بھی چین میں سات کروڑ مسلمان آباد ہیں۔ اسی طرح رُوس میں مسلمانوں کی آبادیاں بکثرت ہیں اور انڈونیشیا جہاں مسلمانوں کی تعداد ۹۵ فی صد ہے اور فلپائن۔ جاوا۔ ملایا میں بھی مسلمان کثرت سے ہیں ان جگہوں میں ابتدائی دور میں نہ کوئی مسلمان حکمران تھا نہ سپہ سالار، یہاں تک کہ ایک مسلمان سپاہی بھی لڑنے کے لیے نہیں گیا پھر کروڑوں کی تعداد میں یہاں کے باشندے کیونکر مسلمان بن گئے خود اس پاک و ہند خطۂ ارض میں کئی کروڑ مسلمان بستے ہیں یہ ان ہی صوفیائے کرام و اولیائے کبار اور درویش طبع مسلمان تاجروں کی دعوت و تبلیغ اور رشد و ہدایت کا نتیجہ ہے کیا یہ ہندوستان اور پاکستان کے لوگ ابتدائی دور میں تلوار سے مسلمان ہُوتے ہرگز نہیں، تلوار تو کہیں رہی یہاں تو ان بزرگانِ دین کے پاس لاٹھی بھی نہیں تھی۔ یہ سب ان ہی اہل اللہ فقرا و صوفیا اور دیندار مسلمان تاجروں کی کوششوں کا ثمر ہے اور یہ

دروں اسلام کی کشش ہے جو اسلام دل میں خود پیدا کرتا ہے چنانچہ کشمیر، بنگال سیلون میں ابتدا میں انہی مشائخ عظام اور مسلمان تاجروں کے مبارک ہاتھوں سے غیر مسلم راجے مسلمان ہوئے اور وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دولت اور نور ایمان سے مالامال کیا۔ ہند و پاک کی سرزمین میں داتا گنج بخش ہجویری، حضرت معین الدین چشتی اجمیری، حضرت خواجہ فریدالدین شکر گنج حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ۔ بنگال و بہار اور سلہٹ میں حضرت اخی سراج الدینؒ اور شیخ جلال الدین ایرانیؒ اور کشمیر میں شرف الدین سید عبدالرحمن بلبل شاہ اور دیگر صلحاء و صوفیائے کرام کی دعوت اسلام کی شمع سے لاکھوں لوگ نور ہدایت اور دین قیم کی دولت سے مستفیض ہوئے۔

## ملیبار میں اشاعت اسلام

دوسری صدی ہجری میں ایک بزرگ شیخ شریف ابن ملک اپنے بھائی ابن دینار اور بھائی کے بھتیجے ملک ابن حبیب اور چند مصاحبوں کے ساتھ قلعہ آدم کی زیارت کے لیے جزیرہ سیلون کو جاتے تھے راستے میں کرانگا نور میں اترے۔ ملیبار کے راجہ نے جب ان کے آنے کی خبر سنی تو سب کو بلایا اور بہت تواضع و مدارات سے پیش آیا۔ شیخ شریف کو راجہ کے لطف و کرم سے جرأت ہوئی، اور انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات مبارک راجہ کے سامنے بیان کیے اور حقیقت اسلام سے اس کو آگاہ کیا۔ خدا کی برکت سے راجہ کے دل میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور حضور کی رسالت پر یقین پیدا ہوا وہ اسلام پر ایمان لایا اور مسلمان ہو گیا رخصت کے وقت راجہ نے شیخ شریف سے یہ اصرار کیا کہ واپسی پر اپنے ہمراہیوں سمیت پھر یہاں تشریف لائیں۔ کیونکہ میں بھی عرب جانے کا قصد رکھتا ہوں اور یہ بھی سمجھایا کہ میرے عزم کا ملیبار کے کسی آدمی پر اظہار نہ کریں چنانچہ جب شیخ شریف اور اس کے ساتھی زیارت سے فارغ ہو کر دوبارہ کرانگا میں آئے تو راجہ چپکے سے جہاز پر سوار ہو کر جو ساحل عرب کی طرف جاتا تھا ان کے ساتھ روانہ ہو گیا اور سلطنت کا انتظام ایک نائب کے سپرد کر گیا۔ عرب میں کچھ عرصہ تک رہ کر جب وطن چلنے کا اس نیت سے ارادہ کیا کہ وہاں پہنچ کر مسجدیں بنائے اور رعایا کو دعوت اسلام دے تو دفعتہً بیمار پڑ کر انتقال کر گیا۔ حالت نزع میں اپنے رفیقوں کو وصیت کی کہ ملیبار میں دین برحق کی تبلیغ کا جو انھوں نے مصمم قصد کر لیا تھا اس میں ہرگز التوا نہ ہو اور اس کام میں امداد کے لیے راجہ نے سفارشی کے خطوط نائب کے نام لکھ کر شیخ شریف

کو دے دیئے۔ شیخ شریف اور ان کے ساتھی ان خطوط کو لے کر انگا نور میں آئے اور راجہ کے نائب کے سامنے انھیں پیش کیا۔ اس سردار نے راجہ کی ہدایات جو مُراسلہ میں درج تھیں اطلاع پا کر چند قطعاتِ اراضی اور چند باغات نامہ بروں کو دے دیئے جنھوں نے اس جگہ مسجدیں بنائیں شیخ شریف وہاں سے روانہ ہو کر شہر کرکن، ہوبائی مرادی گیا وہاں سے بانگور، منگلور اور کنجر کوٹ کے شہروں میں اسلام کی تبلیغ اور تمام شہروں میں مسجدیں تعمیر کیں۔ ( دعوت اسلام اردو ص ۲۱۵ )

**کشمیر میں اشاعتِ اسلام**:۔ وادیٔ کشمیر جو دنیا میں جنتِ ارضی اور گوشۂ پُرسکون مشہور ہے اسلام کی اشاعت سے پہلے کشمیر میں ناگ مت، ہندو مت، بُدھ مت اور شیومت مُروّج تھے سب سے بڑا کرکوٹہ خاندان کے پانچویں بادشاہ للتادیہ مکتاپیڈ ۲۵ ۷ء تا ۷۵۳ء کی تخت نشینی سے پہلے شام کے ۱۹ مسلمانوں کا ایک گروہ کشمیر میں بغرض اشاعتِ دین اقامت پذیر ہو چکا تھا اس گروہ کا سردار حمیم بن سامہ تھا۔ لداخ کے راجہ وکیتنا کا بیٹا رنچن اپنا گھر بار چھوڑ کر کشمیر آیا اور اس نے سہادیو ۱۳۰۰ء تا ۱۳۱۹ء والی کشمیر کی مُلازمت اختیار کر لی۔ رنچن بدھ مت کا پیرو کار تھا۔ اسی دوران میں ایک تاتاری سپہ سالار زلجو نے کشمیر پر حملہ کیا تو سہادیو نے بغیر مقابلہ کیے کشتواڑ کی طرف بھاگ گیا تو سہادیو کے وزیر اعظم رام چند نے حکومت پر قبضہ کرنا چاہا مگر رنچن کا اس وقت امراء اور وزراء، تاجروں اور زمینداروں میں کافی رسوخ تھا اس لیے رنچن کے مقابلہ میں بھاگ گیا تاہم رنچن کی فوجوں نے اس کو قتل کر دیا۔ رنچن کشمیر کا ۱۳۲۰ء میں حکمران بن گیا اور اس نے رام چند کی بیٹی سے شادی کر لی۔ گو رنچن بدھ مت کا پیرو کار تھا مگر وہ دل سے یقین نہ رکھتا تھا۔ تاہم وہ مایوس نہ ہُوا اور تلاشِ حق میں تھا کہ ایک رات وہ روحانی مسائل اور صداقت کے بارے میں سوچتا ہُوا سو گیا۔ اسے رات کو خواب آیا جس میں اُسے کہا گیا کہ کل صبح سویرے اُسے جو شخص اسے ملے گا وہ تمھارا مُرشد ہو گا۔ دوسرے دن صبح اُٹھ کر اپنے محل کی چھت پر چڑھ گیا اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا آخر اسے محل سے کچھ دور ایک شخص نظر آیا جو مغرب کی طرف منہ کیے ہوئے تھا اور محسوس ہوتا تھا کہ وہ عبادت کر رہا ہے یہ طریقِ عبادت اس نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ رنچن شاہ محل کی چھت سے اُتر کر اس شخص کے پاس گیا اور اس کا نام اور مذہب دریافت کیا۔ رنچن شاہ نے اس سے دریافت کیا کہ آپ کسی پیغمبر کو مانتے ہیں اس شخص نے ان سوالوں کا جواب دیا کہ میرا نام عبدالرحمٰن ہے میرا مذہب اسلام ہے میں خدا کو ایک مانتا ہوں اور میرے خدا کا کوئی شریک نہیں میرا پیغمبر حضرت

محمدؐ رسول اللہ ہے وہ نبیوں کے سردار ہیں۔ یہ پیغام رنچن شاہ کے لیے پچھلے تمام پیغامات سے اولیٰ تر ہے اس کے بعد شرف الدین حضرت سید عبدالرحمٰن بلبل شاہ نے سرور کائنات محمدؐ رسول اللہ کے اُسوۂ حسنہ کے بارے میں رنچن شاہ کو آگاہ کیا اور اسلامی تعلیمات کی وضاحت کی۔ رنچن شاہ اسلامی تعلیمات کی سادگی اور عظمت سے بے حد متاثر ہوا اور اس نے حضرت بلبل شاہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور مسلمان ہو گیا اور اُس نے اپنا نام سلطان صدر الدین رکھا یہ شاندار واقعہ ۲۰ ہجری بمطابق ۱۳۲۰ء میں ظہور پذیر ہوا گویا کشمیر میں اسلامی سلطنت کا سنگ بنیاد ۱۳۲۰ء میں رکھا گیا اس وقت ہندوستان میں سلطان غیاث الدین تغلق حکومت کرتا تھا اس کے بعد صرف بادشاہ کی مثال سے کشمیر میں عوام بھی مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ (کشمیر میں اشاعت اسلام مولفہ سلیم خاں گمی ص ۵۸ تا ۶۰)

حضرت شرف الدین سید عبدالرحمٰن بلبل شاہ کاظمی حضرت امام موسیٰ کاظم کی اولاد سے تھے۔ آپ پہلی بار سہادیو کے زمانہ میں دوسری مرتبہ عہد رنچن شاہ (سلطان صدر الدین) میں کشمیر تشریف لائے اور آپ سہروردی طریق تصوف کے خلیفہ شاہ نعمت اللہ ولی کے روحانی شاگرد تھے۔ آپ نے ۱۳۲۷ء میں کشمیر میں وفات پائی۔ آپ کے پیغام حق سے دس ہزار لوگوں نے اسلام قبول کیا ان کے علاوہ سید جلال الدین بخاری۔ سید تاج الدین، سید حسین سمنانی کشمیر میں آئے اس کے بعد شاہ ہمدان کشمیر میں آئے تو آپ کے ہمراہ سات سو مبلغ تھے۔ اسی طرح بنگال میں ایک ہندو راجہ جیت مل نے ۱۴۰۴ء اسلام قبول کیا اور ۱۱۳۳ھ کو دیوگڑھ گجرات کے راجہ کو سید بدر الدین بن غالب موسوی رفاعی نے مسلمان کیا اور اس کا نام علی شاہ رکھا ۱۳۲۴ء میں شیخ بوعلی شاہ قلندر نے پانی پت کے بہت سے ہندو راجپوتوں کو مسلمان کیا اور حضرت شیخ علی ہجویری داتا گنج بخش اور حضرت شیخ معین الدین چشتی نے پاک و ہند میں لاکھوں غیر مسلموں کو اسلام کی دولت سے نوازا حضرت خواجہ صاحب دہلی سے اجمیر جاتے تو راستہ میں ایک دفعہ سات سو ہندوؤں کو مسلمان کیا (دعوت اسلام ص ۲۲)

# راعی

بِسْمِ اللّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (پ ۳ - ع ۱۱)

اے اللہ! تو ملک کا مالک ہے تو جس کو چاہتا ہے ملک وحکومت عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک وحکومت چھین لیتا ہے، جس کو چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔ تیرے ہی قبضۂ قدرت میں خیر اور بھلائی ہے اور بلا شبہ تو ہر چیز پر قادر ہے

انسان ملک کا مالک نہیں بلکہ اصل مالک کا خلیفہ ہے دراصل زمین اللہ تعالے کی ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اگر راعی رعایا میں عادل بنے تو اس کا انجام بہترین ہوگا اور اگر ظالم بنے گا تو اس کو اللہ تعالیٰ بدترین عذاب میں مبتلا کرے گا۔ کیونکہ تمام کائنات کی عنانِ حکومت اللہ کے ہاتھ میں ہے اور جو کچھ بھی زمین وآسمان میں ہے وہ اصل میں حق تعالیٰ کی ملکیت ہے دنیا کی سب سے زیادہ نازک اور خطرناک ذمہ داری حکومت ہے۔ سلاطین وامراء حکام اور والیانِ حکومت کے ہاتھ میں جب مخلوق خدا کی زمام اختیار آتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے ذمہ زبردست حقوق عائد ہوتے ہیں جن کا پورا کرنا ان کا فرض اولین ہوتا ہے اگر وہ اس میں سستی کرے تو ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کی حق تلفی کا وبال ان کی گردن پر آئے گا اور بے شمار بندگانِ خدا ان کے ہاتھوں بلاؤں کا شکار ہوں گے۔ ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے ایک نہ ایک ایسے آدمی کو چن لیتا ہے جسے وہ شاہی اوصافِ حمیدہ، اچھی اور قابلِ تعریف صلاحیتوں سے نواز دیتا اور اس خطۂ ارض پر وہ راعی عادلانہ حکومت قائم کر کے اپنی سلطنت کا لوہا منواتا ہے

اور فرض شناسی، خداداد قائدانہ صلاحیتوں اور اپنی صالح حکومت سے ملک اور انسانوں کی بھلائی پر تصرف کرتا ہے اور امن و سلامتی پیدا کر کے اپنے اقتدار و اختیار کو وسیع سے وسیع تر کرتا ہے اور اس خاص شخص کی ذات سے دنیا کی بھلائیاں اور مخلوق کی راحت وابستہ ہو جاتی ہے اور فتنہ و فساد اور پراگندگی بھی صرف اسی کی ذات کے اثر سے ختم ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نصرتوں کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ اس بادشاہ کے زمانہ میں عدل و انصاف کے ساتھ رعایا کی زندگی بسر ہو اور امن و چین سے لوگ رہیں۔ بادشاہ کی مثال چراغ کی ہے کہ کسی گھر میں چراغ روشن ہو اور لوگ اس چراغ کی روشنی میں اپنے کام انجام دیتے ہیں اگر چراغ گل ہو جائے تو اندھیرا چھا جاتا ہے اور سانپ بچھو وغیرہ سوراخوں سے نکل آتے ہیں اور چور ڈاکو بھی اپنا کام کرنے لگتے ہیں حکمرانوں کو جو چیز قائم رکھتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے۔ خوشنودی نیک عمل میں مضمر ہے اور اس کے حصول کا ذریعہ عدل و انصاف اور قرآن و تلوار کو پیش نظر رکھنا ہے اور رعایا اور مخلوق خدا سے جب نیک سلوک ہوگا اور ان پر ظلم و ستم نہ ہونے دیا جائے تو اس کا نتیجہ لازمی یہ ہوگا کہ مخلوقِ خدا بادشاہ کے لیے دعائے خیر کرے گی اور یہ دعائیں مملکت کے استحکام کا موجب اور حشر کے روز نجات کا باعث ہوں گی۔ راعی کو چاہیے کہ رعایا پر آسانی کرے اور دشواری پیدا نہ کرے اور تسکین دے نفرت پیدا نہ کرے اپنے آپ کو حاکم نہ سمجھے بلکہ خود کو اُن کا خادم خیال کرے اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا بندہ تصور کرے۔

در حقیقت مالک ہر شے خدا است — ایں امانت چند روزہ نزدِ ماست

**حاکمیت** :۔ اصل حاکیت تو اللہ جل شانہٗ کی ہے اور اسی ہی کی مملکت کامل و اکمل ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہا کیا اور جو چاہے گا کرے گا۔ ساتوں آسمان و زمین، عرش و کرسی اس کے قبضۂ اقتدار میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم تمام مخلوقات پر ہے اور عالم میں جو کچھ ہے اس کا پیدا کردہ ہے نہ کوئی اس کا شریک نہ خالق، بلکہ وہ خالقِ واحد ہے۔ تمام افعال میں اس کا حکم چلتا ہے کسی کو تسلیم و رضا کے سوا چارہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ از قسم تعصب، مرض، فقر، عجز و جہل وغیرہ پیدا کیا وہ عدل ہی عدل ہے۔ اس کے افعال میں ظلم نہیں۔ کیونکہ ظالم اسے کہتے ہیں جو دوسرے کی ملکیت میں تصرف کرے اللہ تعالیٰ تو اپنی ہی ملکیت میں تصرف کرتے ہیں بلاشبہ وہ بے مثل مالک اس کے سوا کوئی مالک نہیں اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ۔ بس راعی کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرے

اور اس کے احکام کی پابندی کرے اور رعایا کے ساتھ عدل و انصاف کرے اور ظلم سے باز رہے کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بادشاہ کا ایک دن کا انصاف اللہ تعالےٰ کو ستر سال کی عبادت سے زیادہ پسندیدہ ہے اور فرمایا جو شخص مسلمانوں پر حاکم بنا اور ان کی اپنے گھر والوں جیسی حفاظت نہ کی تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور یہ بھی فرمایا کہ جو اپنی رعایا پر رحم نہ کرے اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا اور فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ حاکم کی اطاعت کرے خواہ وہ اس کو پسند کرے یا پسند نہ کرے لیکن جب کوئی ایسا حکم دے جو حکم خدا کے خلاف ہو تو اس وقت اطاعت اس پر فرض نہیں فرمایا آنحضرت نبی کریم نے کہ تم میں سے سب کے سب راع ہو اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ آدمی اپنے گھر والوں کا راع ہے وہ ان سے حسن سلوک کے سبب خدا کے ہاں جواب دہ ہوگا اور عورت اپنے خاوند کے گھر اولاد کی راع ہے اسے ان کے بارے میں پُوچھا جائے گا۔

**قضا الٰہی و دعا:** بادشاہ کو چاہیے کہ اولیاء اللہ، مہاجرین، فقراء، مشائخ کبار سے محبت رکھے اور ان کی دُعاؤں سے مستفیض ہوتا رہے جو دنیا و آخرت کا بہترین سرمایہ ہیں۔ کیونکہ فتح و نصرت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اسباب فوج وغیرہ یہ فتح و نصرت کی صُورت ہے۔ دوسری قسم فتح و نصرت کی حقیقت ہے وہ مُسبب الاسباب کی طرف سے ہے اس حقیقت فتح و نصرت کا تعلق خاصان خدا کی دعائیں ہیں کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خدا کے حکم کو کوئی چیز نہیں روک سکتی لیکن دعا — تلوار وجہاد میں یہ قوت نہیں کہ قضائے الٰہی کو ٹال دے لیکن دعا میں خدا نے یہ طاقت رکھی ہے اس لیے قوت لشکر سے دعا زیادہ قوی اور موثر ہے قوت لشکر مثال جسم کے ہے اور قوت دعا مثل رُوح کے ہے، بلا رُوح جسم کارآمد نہیں اس لیے اولیاء اللہ کی دعاؤں کا لشکر کے ساتھ ہونا ضروری ہے اولیاء اللہ کے دل اللہ کے نور سے روشن ہیں ان کے پاس بیٹھنے یا رہنے سے نور آتا ہے اور جب نور آتا ہے تو ظلمت بھاگ جاتی ہے اور شبہ جاتا رہتا ہے اور قلب مجلی ہو جاتا ہے ؎

تقدیر کے گرداب میں پڑتا ہے جب انساں — نہ چلتی تدبیر نہ چلتا تیغا داستاں
مرد درویش جب ہوتا ہے بدست دعا — ہر زمت بنی رحمت چلتی ہے تدبیر عقدہ کشا

**سُلطان محمود و شیخ ابوالحسین خرقانی** : تاریخ بیان کرتی ہے جب سلطان محمود غزنی نے جب شیخ ابوالحسین خرقانی کی زیارت کے لیے خرقان پہنچا تو ایک شخص کو شیخ کی خدمت میں روانہ کیا اور یہ پیغام بھجوایا کہ بادشاہ وقت آپ سے ملنے کے لیے غزنی سے چل کر یہاں آیا ہے اخلاق کا تقاضا یہی ہے کہ آپ خانقاہ سے باہر تشریف لائیں اور ملاقات کریں اور اس کے ساتھ ہی قاصد سے کہا کہ اگر شیخ باہر آنے سے انکار کریں تو انھیں یہ فرمانِ خداوندی سنا دیں۔ کہ "اے ایمان والو! اطاعت کرو خدا کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم پر حاکم ہیں" قاصد نے حضرت شیخ کی خدمت میں سلطان محمود کا پیغام پہنچایا۔ شیخ موصوف نے اپنی خانقاہ سے باہر نکلنے سے انکار کیا اور قاصد نے آیت کریمہ پڑھ کر سنائی اس کے جواب میں شیخ صاحب نے کہا محمود سے جا کر یہ کہو کہ میں ابتک اللہ تعالےٰ کی اطاعت میں اس حد تک مستغرق ہوں کہ رسُول کی اطاعت کے مرتبے تک پہنچنے کی بڑی ندامت ہے بھلا ایسی صُورت میں حاکم کی اطاعت کی طرف کیسے توجہ کر سکتا ہوں۔ قاصد واپس گیا اور اس نے شیخ کا جواب محمود کو سنایا۔ سلطان یہ سن کر بہت رو دیا اور اس سے کہا چلو ہم خود ہی شیخ کے پاس چل کر لطفِ ملاقات و زیارت کریں۔ یہ مردِ حق آگاہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ ہم نے غلطی سے اسے سمجھ رکھا ہے یہ کہہ کر سلطان محمود حضرت شیخ موصوف کی طرف روانہ ہوا۔ اس انداز سے کہ خود تو ایاز کا لباس پہنا اور اپنے کپڑے ایاز کو پہنائے اور دس کنیزوں کو غلاموں کا لباس پہنا کر اپنے ساتھ لے لیا جب یہ لوگ شیخ صاحب کی خدمت میں پہنچے اور ان سے السلام علیکم کی شیخ نے سلام کا جواب تو دے دیا لیکن وہ تعظیم کے لیے اٹھ کر کھڑے نہ ہوئے اور محمود (جس نے ایاز کے کپڑے پہن رکھے تھے) کی طرف کوئی توجہ نہ کی بلکہ ایاز (جس نے محمود کا لباس پہن رکھا تھا) کی طرف مخاطب ہُوئے اور اس سے کچھ فرمانے کے لیے آمادہ ہوئے اس پر ایاز (محمود) نے شیخ صاحبؒ سے کہا اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ نہ تو بادشاہ کی تعظیم کے لیے اٹھے اور نہ ہی اس طرف توجہ کی کیا فقیر کے جال کی یہی کائنات ہے کہ بادشاہ کو اس طرح نظر انداز کیا جائے شیخ صاحب نے جواب دیا ہاں جال تو یہی ہے۔ لیکن تیرا مشارٌالیہ اس جال کا گرفتار نہیں ہے تو سامنے آ کیونکہ تو خود اس جال کا سب سے بڑا شکار ہے۔ سلطان محمود نے جب دیکھا کہ شیخ صاحب نے اصل حقیقت کو بھانپ لیا ہے تو وہ بڑے ادب سے شیخ صاحب کے سامنے بیٹھ گئے اور اُن سے کہا مجھ سے کچھ فرمایئے۔ شیخ نے غلاموں کے لباس میں بیٹھی ہُوئی لونڈیوں کی طرف

اشارہ کر کے فرمایا ان نامحرموں کو اس محفل سے باہر کر دو۔ سلطان نے ان کنیزوں کو باہر کر دیا پھر سلطان نے اس وقت شیخ صاحبؒ سے کچھ تبرک طلب کیا۔ شیخ صاحب نے جَو کی روٹی کا ایک رُوکھا سُوکھا ٹکڑا پیش کیا۔ سلطان نے بڑے ادب واحترام سے وہ ٹکڑا لے کر چند اشرفیوں کی تھیلیاں بطور نذرانہ شیخ کی خدمت میں پیش کیں اور شیخ صاحب کا تبرک منہ میں ڈال کر کھانے لگا۔ اتفاق سے بادشاہ کے نازک گلے میں جَو کی روٹی کا ٹکڑا اٹک گیا اور بادشاہ کھانسنے لگا جس پر شیخ صاحب نے اشرفیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ اے محمود! پیغیروں کی غذا تمھارے گلے سے نیچے نہیں اترتی اور ظلم وستم کا اندوختہ جو بے شمار مساکین کے خون سے آلودہ ہے اور فراعنۂ دہر کی میراث ہے اس فقیر کے گلے سے کیونکر اُترے گی۔ چنانچہ سلطان کی بہت منت وسماجت اور بے حد تکرار و اصرار کے باوجود شیخ صاحب نے ان کے لینے سے انکار کیا۔ محمود نے کہا اگر میری نذر قبول نہیں فرمائی جاتی تو مجھے کچھ تبرک عنایت فرمایا جائے۔ آپ نے اپنا خرقہ محمود کو عنایت فرمایا یہ وہ خرقہ تھا جو سلطان نے سومنات کی فتح سے پہلے ہاتھ میں لے کر فتح کی دعا کی تھی تو فتح حاصل ہوئی اور اسی رات محمود نے خواب میں شیخ ابوالحسن خرقانی کو دیکھا کہ فرماتے ہیں اے محمود! تو نے میرے خرقے کی توہین کی ہے اگر تو فتح کی دعا کی جگہ تمام غیرمسلموں کے اسلام لے آنے کی دعا کرتا تو وہ بھی قبول ہوجاتی۔ دل پادشاہاں لرزد زگدائی بے نیازے

**اورنگ زیب و حضرت شیخ برہانؒ:۔** اورنگ زیب حضرت شیخ برہانؒ کی خدمت میں برہان پور میں حاضر ہوا۔ شیخ برہان بادشاہ اور اُمرار سے ملنا اپنے مسلک کے خلاف سمجھتے تھے۔ اس لیے اورنگ زیب بھیس بدل کر ان کی مجلس میں شریک ہوا۔ ایک نووارد کو دیکھ کر شیخؒ نے نام پوچھا اورنگزیب نے جب اپنا نام بتایا تو وہ اس کی طرف مخاطب نہ ہوئے اور نہ ہی دوسرے لوگوں کی طرح اس کو تبرک دیا۔ اورنگ زیب دوسرے دن پھر ان کی خانقاہ میں پہنچا۔ شیخ برہان نے اپنی آزردگی کا اظہار کرتے ہوئے اس سے کہا یہ مکان تم کو پسند ہے تو لے لو ہم کہیں اور چلے جائیں گے۔ مگر تیسرے روز اورنگ زیب پھر ان کے پاس گیا وہ نماز کے لیے خانقاہ سے باہر نکل رہے تھے کہ اورنگ زیب مؤدّبانہ ان کے سامنے کھڑا ہوگیا اور عرض کی کہ والا نے شریعت کو نظر انداز کر رکھا ہے۔ اگر مجھے حکومت مل تو میں دینِ نبوی کے احکام کے ساتھ رعیت پروری بھی کروں گا آپ باطنی توجہ فرمائیں۔ شیخ برُہان نے برجستہ کہا کہ ہمارے جیسے کم اعتبار فقیروں کی دعا سے کیا ہوتا ہے تم بادشاہ ہونے کی۔ عدل

پروری ، رعیت نوازی کی نیت کے ساتھ دعا کرو اور ہم بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں ۔ اسی وقت اورنگ زیب کے ساتھی شیخ نظام نے اورنگ زیب سے کہا پادشاہی مبارک ہو ۔ (بزم تیموریہ)

**جلال الدین محمد اکبر و شیخ سلیم** :۔ نورالدین جہانگیر بادشاہ اپنی تصنیف تزک جہانگیری میں تحریر کرتے ہیں کہ جن ایام میں میرے والد بزرگوار اولاد کے خواہش مند تھے (۲۸ سال کی عمر تک اکبر کے ہاں کوئی زندہ اولاد موجود نہ تھی) حضرت شیخ سلیم نامی ایک عمر رسیدہ بزرگ آگرہ کے قریب سیکری کے پہاڑوں میں اقامت گزین تھے قرب و جوار کے لوگ ان سے بڑی عقیدت رکھتے تھے ۔ ان کے احوال سن کر میرے والد بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی صحبت سے مستفید ہونے لگے ۔ ایک دن شیخ جذبۂ بے خودی کے عالم میں تھے ۔ میرے والد نے پوچھا کہ میرے کتنے لڑکے ہوں گے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ تمھیں تین فرزند عنایت کرے گا ۔ میرے والد نے عرض کی ۔ میں نے منت مانی ہے کہ پہلا لڑکا آپ کی زیر تربیت رکھوں گا ۔ ان بزرگ نے اس بات کو قبول کیا اور فرمایا کہ ہم نے اس کو اپنا ہم نام بنایا جب میری والدہ کا وضع حمل کا وقت قریب آیا تو میرے والد نے ان کو شیخ سلیم کے گھر بھیج دیا تاکہ میری ولادت انہی کے گھر پر ہو جب میں پیدا ہوا تو میرا نام محمد سلیم رکھ کر سلطان سلیم کے خطاب سے سرفراز کیا ۔

**اکبر و ملا عبدالنبی** :۔ ملا عبدالنبی اکبر کے استاد تھے وہ اس سے اپنی جوتیاں سیدھی کرایا کرتے تھے اور بیدِ ہی جھاڑو دلاتے ۔ اکبر کی ماں یہ سب کچھ دیکھتی لیکن مزاحمت نہ کرتی ۔ بلکہ ایک دفعہ اکبر بادشاہ سالگرہ کی تقریب میں کپڑوں پر زعفران کا رنگ چھڑک کر دربار میں گیا تو ملا عبدالنبی نے اس کو ایک مشرکانہ فعل قرار دیا اور اس قدر برہم ہوا کہ اپنے عصا سے اس کو سرِ دربار پیٹ ڈالا ۔ اکبر کو ناگوار گزرا اور محل میں جا کر ماں سے شکایت کی کہ سرِ دربار اس طرح ذلیل کرنا نامناسب تھا وہ خلوت میں جو چاہتے کرتے ۔ نیک نفس ماں نے کہا بیٹا ! دل پر میل نہ لاؤ ، نجاتِ اُخروی کا سبب بنے گا اور قیامت تک یہ چرچا رہے گا ۔

**نبوّت و ریاست** :۔ رئیسِ مملکت کو چاہیے کہ آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کا قانون اپنے ملک میں نافذ کرے کیونکہ آنحضرت کی نبوت و رسالت دین و دنیا ، شریعت اور ریاست دونوں کی جامع ہے اور اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور تمام انبیاء و مرسلین کی شریعتوں اور حکمتوں کا عطر اور لب لُباب ہے اگر ایک طرف علم و حکمت کی جامع ہے تو

دوسری طرف حکومت وریاست پر بھی حاوی ہے مگر اصل صفت اور شان نبوت ورسالت کی ہے۔
بادشاہت شریعت کی خادم اور تابع ہے بادشاہت سے اغراض ومقاصد رسالت کی تکمیل مقصود تھی
خود بذاتہ حکومت مقصود نہیں نبوت کی اصل غرض وغایت تعلیم الکتاب والحکمت اور تزکیہ نفوس ہے۔

**اسلامی ریاست وغیر مسلم** : دنیا کے انصاف پسند غیر مسلم بھی آج تک اسلام اور حضرت
ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیاست اور عدل وانصاف کا لوہا ماننے پر مجبور ہیں چنانچہ
**مسٹر گاندھی** کا وہ ہدایت نامہ لوگوں کو یاد ہوگا جو کانگرسی وزراء کو لکھا تھا جس میں یہ ہدایت درج
تھی کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ جیسی حکومت کرو جب ان کے ہم مذہب متعصب ہندوؤں نے اعتراض کیا کہ آپ نے
ہندو مصلحین میں رام چندر، کرشن، اشوک یا دیگر کسی کا نام کیوں نہیں لیا تو مسٹر گاندھی نے جواب دیا
ہندو مصلحین کی حکایات زمانہ قبل از تاریخ کی کہانیاں ہو کر رہ گئی ہیں، مجھے ابوبکرؓ و عمرؓ سے بہتر حکومت کی
کوئی نظیر نہیں ملتی۔

**نپولین بوناپارٹ** لکھتا ہے. میری یہ خواہش ہے کہ دنیا میں قرآن پاک کے اصول وآئین کے
مطابق حکومت کی جائے اس لیے کہ صرف انہی میں بنی نوع انسان کی حقیقی فلاح وبہبود مضمر ہے (بحوالہ کم
ریویو بابت جنوری ۱۹۳۴ء صد ۱۲)

**کاؤنٹ لیوٹالسٹائی** روس کا مشہور فلاسفر اپنی بلند پایہ تصنیف دی لائٹ اف ریلیجن صد ۱۴۸
میں لکھتا ہے کہ قرآن عالم انسانی کے لیے بہترین راہبر ہے اس میں تہذیب ہے شائستگی ہے، تمدن
ہے معاشرت ہے اور اخلاق کی اصلاح کے لیے ہدایت ہے۔ اگر صرف یہ کتاب دنیا کے سامنے ہوتی
اور کوئی ریفارمر (مصلح) پیدا نہ ہوتا تو یہ کتاب عالم انسانی کی رہنمائی کے لیے کافی تھی۔

**جارج برنارڈ شا** : انگلستان کے نامور ترین مفکر جارج برنارڈ شاہ نے اپنی تصنیف گیٹنگ
میریڈ میں تحریر کیا ہے کہ دنیا کا امن وراحت اسلام سے وابستہ ہے جس میں ہر قسم کی ترقی کے جذب
کرنے کی بے پناہ قوت موجود ہے. انسانی ارتقا ترقی کی جس قدر بلندیوں تک پہنچ جائے وہ اسلام
کو ہر جگہ اپنے ساتھ پائے گا۔ اسلام نے شخصی حقوق کی جس قدر حفاظت کی ہے دنیا کی کوئی تہذیب
کوئی مذہب اور کوئی قانون اس کی برابری نہیں کر سکتا. دنیا حقیقی اور عملی اخوت سے خالی ہے لیکن اسلام
کا دستر خوان اس نعمت سے بھر پور ہے. ایک کہتا ہے میں انگریز ہوں دوسرا کہتا ہے میں فرانسیسی ہوں

تبسرا لکھتا ہے میں جرمنی ہوں لیکن مسلمان دنیا کے کسی ملک میں آباد ہو وہ اپنے کو مسلمان کہتا ہے اور ثابت کر دیتا ہے کہ وہ وطنیت کی حدود سے بالاتر ہے۔ اسلام ہر فرد و بشر کو قانونی طور پر آزادی۔ جائیداد کی ملکیت کا حق دیتا ہے۔ سوشلزم کا وہ عظیم الشان تخیل جسے یورپ نے آج سمجھا ہے اسلام کی عملی زندگی میں تیرہ سال سے نافذ اور مسلّم ہے سرمایہ داری انسان کے لیے خوفناک لعنت ہے لیکن اگر اسلامی تعلیمات پر عمل کیا جائے تو یہ مصیبت پیدا ہی نہیں ہوتی۔

**اسلامی مملکت کی غرض**:۔ اسلامی حکومت کی غرض و غایت تمکین دین فی الارض یعنی ملک کے اندر اسلام کو مضبوط و مستحکم کرنا اور لوگوں میں عدل و انصاف قائم کر کے امن و امان کا قیام پیدا کرنا ہے اور انسان کے لیے اعلیٰ ترین مرتبہ نبوت و رسالت ہے اس کے بعد امارت اور اس کے بعد وزارت اور مسلمان مملکت کا امیر نہ کسی کو دھوکہ دیتا ہے اور نہ کسی کے دھوکہ میں آتا ہے سلطنت حق تعالےٰ کی نعمت عظمیٰ ہے جس کا شکریہ ہے کہ وہ اپنی مملکت میں شرع محمدی کا قانون نافذ کرے اور حکومت کا تمام نظام منہاج نبوت پر ہو اور احکام الٰہی کے سامنے عوام کی غیر شرعی اور ذاتی خواہش کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

**صفات امیر سلطنت**:۔ (۱) امیر مملکت مسلمان ہو (۲) عاقل و بالغ ہو (۳) متکلم و سمیع اور بصیر ہو یعنی گونگا بہرہ اور اندھا نہ ہو (۴) شجاع اور بہادر، مدبر صاحب الرائے ہو (۵) مرد آزاد ہو اور عورت نہ ہو (۶) عاقل اور امین ہو یعنی مصنف ہونا اس کا لوگوں میں مسلّم ہو اور امین ہونا یہ مراد ہے کہ امانت و خیانت سے سراپا پاک ہو اور حکومت کا کوئی جز یا منصب کسی نااہل اور غیر مستحق کو نہ دے (۷) وہ عالم دین اور متقی باعمل ہو اور اچھی فہم و فراست کا مالک ہو۔

**امیر مملکت کے فرائض**:۔ (۱) دین کی حفاظت کرنا (۲) باہمی جھگڑوں کا فیصلہ احکام شرعیہ کے مطابق کرنا (۳) ملک کی حفاظت کرنا (۴) حدود شرعیہ کو قائم کرنا (۵) مسلمانوں کے لیے تعلیم دین کا انتظام کرنا (۶) غیر مسلموں کے لیے تبلیغ دین دعوت اسلام کا انتظام کرنا (۷) ملک میں شریعت کے مطابق بغیر رشوت اور دباؤ کے رعایا کے مقدمات کا عدل و انصاف سے فیصلہ کرنا (۸) بغیر کسی جبر و زیادتی کے شریعت کے مطابق خراج و جزیہ محاصل وصول کرنا (۹) بیت المال سے مستحقین کے لیے وظائف اور تنخواہیں مقرر کرنا (۱۰) اہل لیاقت کو حاکم اور عامل کرنا (۱۱) خود تمام امور سلطنت کی

نگرانی کرنا اور تمام واقعات اور ملکی حالات سے باخبر رہنا۔

**منصب وزارت:** نبوت و رسالت کے بعد امارت اور بادشاہت ہے اور اس کے بعد وزارت کا درجہ ہے۔ وزیر امیر کے ساتھ بمنزلہ آنکھ اور کان کے ہوتا ہے اور وُلاۃ احکام بمنزلہ اعضاء اور جوارح کے ہوتے ہیں رئیس مملکت تنہا حکومت کے فرائض سرانجام نہیں دے سکتا، اس لیے وزارت کی ضرورت ہوتی ہے۔

**صفات وزارت:** وزارت کے لیے قریباً انہی صفات کی ضرورت ہوتی ہے جو امارت کے لیے ہیں مثلاً عاقل ہو اور امور رعیت سے باخبر ہو صاحب امانت اور دیانت ہو صادق اللسان اور عادل ہو، نرم دل اور رعایا کے ساتھ کوئی بغض اور عداوت نہ رکھتا ہو۔ مُدبّر اور تجربہ کار ہو اور حکومت کا خیرخواہ ہو، مرد ہو اور عاشق مزاج و شوقین طبع گانے بجانے والا نہ ہو۔

**مجلس شوریٰ:** امیر مملکت کے لیے یہ ضروری ہے کہ مجلس شوریٰ قائم کرے تاکہ نظام حکومت خیر و خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ چل سکے۔ قرآن کریم نے حضور پُرنور آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کرنے کا حکم دیا جیسے کہ حضور حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور اصحابہ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مشورہ فرماتے تھے اور جس کے بارے میں قرآن حکیم میں کوئی نص یا بذریعہ وحی کے کوئی حکم موجود نہ ہو یہی اکابر صحابہ آپ کی مجلس شوریٰ تھی حضور کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم نے اس طرز عمل سے اجتماع اور اتفاق کی بنیاد ڈالی۔ تین چیزیں سلطنت کی بنیاد ہوتی ہیں اول نرمی اور ملاطفت دوم ایسے آدمی کو عہدہ و منصب نہ دیا جائے جو اس کا طالب ہو۔ سوم مشاورت جو اختلاف رائے کی صورت میں فیصلہ کی کیا صورت ہو گی ایسی صورت میں کس رائے کو قابل عمل اور قابل قبول قرار دیا جائے اور کس رائے کو رد کیا جائے۔ احتمال عقلی صرف دو ہیں (۱) قوت دلیل (۲) کثرت رائے، کہ کس کو ترجیح دی جائے لیکن جب عقل کے ترازو میں تولتے ہیں تو روز روشن کی طرح یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ترجیح اور فیصلہ کا دارومدار قوت دلیل پر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں مشورہ کیا گیا مگر مشورہ کے بعد موجودہ طرز پر ووٹ لینا اور آراء کو شمار کر کے اس کی کثرت پر فیصلہ کر دینا کہیں ثابت نہیں حضور پُرنور کو جب کوئی ایسا امر پیش آتا کہ جس میں کوئی حکم خداوندی موجود نہ ہو تو آپ صحابہ سے مشورہ کرتے اور سب کی رائے سنتے اور پھر جس طرف قلب مبارک مائل ہوتا اس کو ترجیح دیتے جیسے کہ اسیران

بدر کے بارے میں اصحاب سے مشورہ کیا اکثر کی رائے ان کو قتل کرنے کی تھی۔ مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے حضور رحمتِ دو عالم نے اسی کے موافق فیصلہ صادر فرمایا کثرت رائے کی فی ذاتہٖ صحت اور صواب میں اور فیصلہ و ترجیح میں کوئی دخل نہیں۔ البتہ اشتباہ کی حالت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ کثرت رائے قوت دلیل کی ایک علامت اور نشانی ہے۔ کثرتِ رائے کو حسنِ ظن کی بنا پر قوتِ دلیل کی نشانی کہا جا سکتا ہے عین دلیل نہیں کہا جا سکتا۔ کثرتِ رائے کی مثال قرعہ جیسی ہے کہ منبع خیر و برکات ہے اور مشورہ کا فائدہ یہ ہو گا کہ ایک آدمی کی عقل محدود ہوتی ہے اور تمام حالات اور احتمالات کا احاطہ قریباً ناممکن ہے اور مشورہ کے بعد اگر غلطی بھی ہو تو اول تو جماعت سے خطا کا صدور بعید از عقل ہے اگر غلطی ہو تو اس کی ندامت نہ ہو گی بلکہ ساری جماعت کی ہمدردی اس کے ساتھ ہو گی مطلب یہ کہ اگر ایک ہزار عقلا سے مشورہ کرتا ہے تو ہر عقل بمنزلہ چراغ اور قندیل کے ہے اور ظاہر ہے کہ ایک چراغ کی روشنی تھوڑی ہوتی ہے جبکہ بہت سے چراغ مل کر دور تک روشنی پہنچ جائے گی اور اطراف و جوانب کی ہر چھوٹی بڑی چیز نظر آ جائے گی۔

**ارکان شوریٰ کے اوصاف:**۔ (۱) عقل کامل رکھتا ہو ناقص العقل نہ ہو (۲) تجربہ کار ہو۔ (۳) خود غرض نہ ہو (۴) مشورہ دینے والا مسلمان ہو (۵) حکومت اور عام مخلوق کا خیر خواہ اور ہمدرد ہو (۶) امین اور دیانت دار ہو (۷) عالم، دیندار، متقی اور پرہیزگار ہو (۸) مرد ہو عورت نہ ہو (۹) مشورہ دینے والے کا دل۔ دماغ ہجوم افکار کی وجہ سے اس قدر پریشان اور پراگندہ نہ ہو (۱۰) ارکان شوریٰ میں باہمی حد تنافس کی صورت نہ ہو اور مشورہ کے بعد فوراً اس رائے کو قابلِ اعتماد نہ سمجھا جائے تاوقتیکہ اس پر مکرر اور سہ مکرر غور نہ کر لیا جائے اس پر عمل نہ کیا جائے۔

**فیصلہ کا طریقہ:**۔ مشاورت کے لیے اختلاف رائے ضروری ہے اب قابلِ غور امر یہ ہے کہ قرعہ سے ایک حد تک نزع ختم ہو جاتا ہے مگر وضوح حق اور ظہور حقیقت کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ بلا دلیل محض کثرت رائے ایک شور و غل ہے خاص کر جس کثرت کے نیچے خود غرضی اور چالاکی مضمر ہو تو ایسی کثرت قلت کے ہم پلہ بھی نہیں بلکہ اس کا کوئی وزن نہیں۔ موجودہ زمانہ کی اسمبلیوں میں اگرچہ عقل و امانت شرط نہیں مگر شریعت مطہرہ کی نظر میں تو فیصلہ کا دارومدار قوت دلیل پر ہے جس کی بنیاد کتاب و سُنّت پر ہو بعض لوگ ووٹ اور نوٹ کے ذریعہ سے ممبر بن جاتے ہیں مگر اپنی بیوقوفی اور خود غرضی کے باعث

نقصان کا باعث بن جاتے ہیں۔

بس معلوم ہوا کہ مشورہ سُنّت لازمہ ہے جب کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ نور نبوت اور نورِ وحی اور نورِ حکمت کے ہوتے ہوئے بحکم اللہ تعالیٰ مشورہ فرماتے تھے یہی سنت طریقہ آپ کے بعد اصحابہ کرام کا اور خلفائے راشدین کا رہا اور یہی سنت طریقہ کہ وقت کے علماء متقی اور عبادت گزار لوگوں سے مشورہ کر لینے کا ہے۔ طریقہ کار یہ ہے کہ مسلمان عوام اپنے اپنے علاقہ کے ماہر اسلامی قانون نیک و متقی حضرات کو مجلس مشاورت کی رکنیت کے لیے منتخب کریں اور پھر ان کامیاب ارکان میں سے باہم مشورہ سے ریاست کے لیے ایک صدر چنا جائے۔ یہ صدر اسلامی تعلیمات کا فاضل و عامل ہو پھر ایوان میں جو قانون پیش ہو وہ اگر صدر کی طرف سے ہو تو مجلس مشاورت کے ارکان کتاب و سنت کی روشنی میں اس کے حق یا رد میں دلائل دے کر اس قانون کو قبول یا رد کر سکتے ہیں۔ اگر مجلس کے ارکان کی طرف سے ہو تو صدر کو حق ہے کہ وہ ازروئے دلیل قرآن و حدیث اس قانون کو قبول یا رد کر سکتا ہے خواہ اس قانون کے حق یا رد میں ووٹوں کی اکثریت کتنی بھی ہو۔ کیونکہ حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔

| | |
|---|---|
| لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝ پ ع ۶ | اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے سب کی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ |

اَلسُّلْطَانُ وَزَعَةُ اللّٰهِ فِيْ اَرْضِهٖ

بادشاہ زمین پر خدا کی طرف سے پاسبان ہے

# الجہاد

اِنفِرُوا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ (التوبہ ۴۱)

نکلو خواہ ہلکے پھلکے ہو یا بوجھل اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ یہ تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔

**فضائل جہاد** :- فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ اختیار میں محمد کی جان ہے۔ میری خواہش تو یہ ہے کہ میں اللہ کی راہ میں لڑوں اور مارا جاؤں پھر لڑوں اور مارا جاؤں پھر لڑوں اور مارا جاؤں (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی) (۲) فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے اللہ کی راہ میں اتنا عرصہ تک بھی جہاد کیا جتنا ایک اونٹنی کے دو دھ دوہنے پر لگتا ہے اس کے لیے جنت واجب ہو گئی بشرطیکہ یہ قتال اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کی نیت سے کیا ہو (ترمذی) (۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! اللہ تعالےٰ کو کون سا عمل زیادہ محبوب ہے۔ ارشاد فرمایا "وقت پر نماز پڑھنا" میں نے عرض کیا۔ اس کے بعد کون سا عمل؟ فرمایا "والدین سے حسن سلوک" عرض کیا اس کے بعد کون سا عمل؟ زبان رسالت سے ارشاد ہوا "اللہ کی راہ میں جہاد کرنا"

دوستو! کفار سے جم کر قتال کرنا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا کامیابی کا ذریعہ ہیں اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا محبوب ترین عمل ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے لیے ہر حالت میں تیار رہنا چاہیے اور ایمان و یقین محکم اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ ہونا چاہیے اور ہر ممکن جہاد میں جانی و مالی اور ہر قسم کی قربانی کرنی چاہیے اور مسلمان حکومتوں کو جدید آلات حرب و اسلحہ ساز فیکٹریوں کی تیاری کے لیے زیادہ کوشش کرنی چاہیے اور جنگی مشقیں، نشانہ بازی کی تربیت توپیں، ٹینک، جہاز، آبدوزیں، بم اور دیگر جنگی آلات حرب کو ضرورت پڑنے پر ان کو بنائیں اور ان کو استعمال کرنے کی مہارت پیدا ہو تاکہ اس کے ذریعے اللہ تعالےٰ کے دین کی ہیبت دشمن اسلام

کے دل میں پیدا ہو اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے قوت کی فراہمی کا حق تعالیٰ نے صاف صاف الفاظ میں فرمایا ہے وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ ۔ کہ کفار سے مقابلہ کے لیے جس قدر بھی ہو سکے قوت تیار رکھو بھائیو اگر ہم آج سے قبل ان آلات حربہ کے علوم وفنون کے علم اور عمل کے تقاضے کو پورا کرتے تو آج بیت المقدس اور کشمیر جیسے حالات پیدا نہ ہوتے مسلمان تو اللہ کا شیر ہے بزرگ اس کی مثال یوں دیتے ہیں کہ ایک شیر کا بچہ بھیڑوں کے ریوڑ میں پلتا رہا جب وہ جوان ہوا تو اپنے آپ کو اس نے پہچانا اور دیکھا کہ میں ان بھیڑوں میں سے نہیں ہوں بلکہ میں تو شیر ہوں مجھ میں صفات کچھ اور ہیں اور ان بھیڑوں میں کچھ اور۔ چنانچہ اس نے اپنی گرج دار اور زلزلہ نما آواز لگائی اور دو ایک بھیڑوں کو چیر پھاڑ ڈالا۔ جب بھیڑوں نے دیکھا کہ یہ تو شیر ہے تو وہ سب کی سب ڈر کے مارے فرار ہو گئیں۔ اسلامی اصول کے مطابق پہلے اسلام کی دعوت دیں اگر وہ نہ مانیں تو جزیہ دیں اگر وہ بھی ادا نہ کریں تو ان میں اور ہم میں تلوار فیصلہ کرے گی

**قلت وکثرت** :۔ جنگ بدر (۶۲۴ء، ۲ھ) میں قریش کا لشکر جس میں ایک ہزار سپاہ سات سو اونٹ اور تین سو گھوڑے پوری طرح مسلح تھے اس کے علاوہ جنگی ساز وسامان بھی تھا وہ عتبہ بن ربیعہ کی قیادت میں مدینہ کے قریب پہنچ کر مناسب موقعوں پر قبضہ کر چکے تھے حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف تین سو تیرہ جانباز جن میں ساٹھ مہاجرین اور باقی انصار تھے، اور دو گھوڑے اور ساٹھ اونٹ تھے۔ اور ہتھیاروں کے سلسلہ میں بھی بے سروسامانی کا عالم تھا تین تین مجاہدوں کے لیے ایک ایک اونٹ تھا حضور چاہ بدر کے قریب خیمہ زن ہوئے اگلے روز جنگ سے پہلے حضور نے دعا فرمائی۔ خدایا! تو نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا تھا اسے پورا فرما۔ اگر آج تیرے یہ چند بندے مٹ گئے تو قیامت تک دنیا میں توحید کی منادی کرنے والا کوئی بھی نہ رہے گا مسلمانوں نے بھی فتح ونصرت کی دعائیں مانگیں یہ بڑے امتحان اور آزمائش کا وقت تھا۔ جب دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں تو مسلمانوں کو نظر آیا کہ خود ان کے بزرگ ان کے قلب وجگر کے ٹکڑے تلواروں کے سامنے ہیں۔ لیکن اسلام کی محبت نے تمام رشتوں کو بھلا دیا تھا چنانچہ میدان جنگ میں حضرت ابوبکر رضہ کی تلوار اپنے لخت جگر عبدالرحمٰن کے مقابلہ میں بے نیام ہوئی اور حضرت عمر رضہ کی تلوار اپنے ماموں کے خون سے رنگیں ہوئی حذیفہ رضہ کو اپنے والد عتبہ کے مقابلہ میں آنا پڑا۔ جب عام جنگ شروع ہو گئی

تو دو نوجوان انصاری معوذ رضہ اور عفر رضہ ابوجہل کی تاک میں تھے اور اس پر نظر پڑتے ہی اس کا کام تمام کر دیا۔ ابوجہل کے لڑکے نے جھپٹ کر معوذ رضہ پر تلوار کا وار کیا۔ ہاتھ شانہ سے لٹک گیا صرف تسمہ لگا رہ گیا۔ مگر وہ اس وقت بھی لڑتے رہے کٹا ہوا ہاتھ تلوار چلانے میں مزاحم ہوتا تھا اس لیے انھوں نے تسمہ کاٹ کر الگ کر دیا۔ اس جنگ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

**۲۔ جنگ موتہ:** ۸ھ میں دشمن کفار کی تعداد ایک لاکھ اور مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی۔ مسلمانوں کے لشکر کا سپہ سالار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ بن حارثہ کو مقرر فرمایا، اور فرمایا کہ اگر وہ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ بن ابی طالب سپہ سالار ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو سپہ سالاری عبداللہ بن رواحہ کو ملے گی اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو سپاہی جسے چاہیں یہ عہدہ دے دیں چنانچہ جب لڑائی شروع ہوئی تو حضرت زیدؓ کفار کو قتل کرتے ہوئے بہت آگے بڑھ گئے آخر شہید ہو گئے حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے دوڑ کر آگے بڑھ کر علم کو سنبھال لیا اور گھوڑے پر سوار دشمن سے لڑتے رہے دشمن نے انھیں بھی نرغہ میں لے لیا اور بالآخر ان کا دایاں ہاتھ کٹ کر الگ جا پڑا۔ انھوں نے بائیں ہاتھ سے جھنڈا سنبھال لیا جب بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو گردن سے علم کو لگا کر سینہ سے سنبھالے رہے یہاں تک کہ اسی حالت میں شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے آگے بڑھ کر اپنے ہاتھ میں علم کر لے لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ بھی شہید ہو گئے اور علم گر گیا مسلمانوں میں پریشانی کے آثار ظاہر ہونے لگے تو حضرت ثابتؓ بن اقرم نے جھپٹ کر آگے بڑھ کر علم کو اٹھا لیا اور بلند آواز سے بولے مسلمانو! کسی ایک شخص کو سپہ سالار منتخب کر لو۔ آخر سب نے متفقہ طور پر حضرت خالد بن ولید کو سپہ سالار منظور کر لیا۔ ان کی قیادت میں مسلمانوں نے اس خوبی سے دشمن پر حملے کیے کہ اللہ تعالیٰ نے دشمن پر فتح یابی عطا فرمائی اور حضرت خالدؓ بن ولید کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی طرف سے سیف اللہ کا خطاب ملا۔

**۳۔ جنگِ یرموک:** ۱۳ھ ۶۳۶ء میں یہ جنگ حضرت ابوبکر رضہ کے عہد میں ہوئی۔ شاہ روم ہرقل کی فوج کی تعداد ۲ لاکھ تھی ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد چالیس ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ مگر حضرت خالدؓ بن ولید بڑی جرأت اور بہادری کے ساتھ لڑے کہ مسلمانوں کو مکمل فتح ہوئی۔ اس جنگ میں ہزاروں رومی ہلاک و غرق ہوئے صرف وادی واقوصہ میں ایک لاکھ رومی غرق ہوئے۔

ہرقل کے بڑے بڑے سردار اور بہادر اس میں کام آئے۔

۴۔ جنگ قادسیہ : ۶۳۶ء، ۶۳۷ء اور ۱۴ھ میں یہ جنگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہوئی۔ یزدجرد شاہ ایران کی فوج ایک لاکھ بیس ہزار سپاہ پر مشتمل تھی جو ایرانی سپہ سالار رستم کے زیر کمان تھی یہ جنگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لڑی گئی اس اسلامی فوج کا سپہ سالار حضرت سعدؓ بن ابی وقاصؓ کو حضرت عمر فاروقؓ نے مقرر فرمایا اور بیس ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے اسلامی لشکر کے سپہ سالار نے حضرت عمرؓ کے حکم سے شاہ ایران کے پاس ایک وفد روانہ کیا تاکہ وہ اسے اسلام کی دعوت دے۔ یہ وفد ۱۴ افراد پر مشتمل تھا وفد کے قائد نے شاہ ایران کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی پھر کہا کہ اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے تو پھر دو صورتیں ہیں۔ یا تو جزیہ دو اور ہمارا اقتدار تسلیم کرلو اور یہ وعدہ کرو کہ تمہاری سلطنت میں ظلم و تشدد نہ ہوگا اور بُرے کام نہ کیے جائینگے یا پھر میدانِ جنگ میں تلوار سے فیصلہ کرلو یہ سُن کر یزدجرد آگ بگولہ ہوگیا اور نہایت حقارت آمیز لہجہ میں بولا۔ کہ اگر سفیروں کا قتل کرنا روا ہوتا تو تم میں سے ایک بھی بچ کر نہ جاسکتا۔ پھر اس نے مٹی کی ایک ٹوکری منگوا کر رئیسِ وفد کو دیتے ہوئے کہا۔ لو تمہاری زمین سے اپنا حصہ لیتے جاؤ۔ حضرت عاصمؓ یہ ٹوکری کندھے پر اٹھا کر ارکانِ وفد کے ساتھ واپس چلے آئے اور حضرت سعدؓ کے پاس پہنچ کر کہا۔ ایران کی فتح مبارک ہو اللہ تعالےٰ نے اس سرزمین کی مٹی ہمیں عطا فرمائی حضرت سعدؓ نے خوش ہوکر کہا۔ یہ نیک فال ہے۔ جنگ شروع ہونے سے قبل حضرت سعدؓ جو ان دنوں عرق النسا کی تکلیف میں مبتلا تھے لشکر کو مطلع کردیا کہ میں نماز ظہر کے بعد تین تکبیریں کہوں گا۔ تیسری تکبیر میں لڑائی شروع کرنے اور عام حملہ کا اعلان ہوگا۔ عام جنگ شروع ہوگئی۔ ابتدا ہی میں مسلمان سواروں کے گھوڑوں کو ہاتھیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ گھوڑے ہاتھیوں کو دیکھ کر بدکے اور پیچھے کی طرف بھاگے۔ حضرت سعدؓ نے حکم دیا کہ ہاتھیوں پر سوار کفار پر تیر چلا کر انھیں ہلاک کرڈالیں اور کچھ ہاتھیوں کے نزدیک جاکر ان کی ہوُدوں اور عماریوں کو اُلٹ دیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ یہ جنگ کا پہلا دن تھا۔ یہ معرکہ یوم ارماث کے نام سے مشہور ہے دوسرے دن صبح مسلمانوں کو یہ خوشخبری ملی کہ شام کی طرف سے ان کے لیے کمک آرہی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے حضرت ابوعبیدہ نے چھ ہزار سپاہ پر مشتمل ایک فوج روانہ کردی تھی صبح سے شام تک خونریز جنگ ہوتی رہی۔ رات کی تاریکی میں دونوں فوجیں الگ ہوئیں اس معرکہ میں دس ہزار

ایرانی سپاہ مارے گئے اور دو ہزار مسلمان شہید ہوئے اور جنگ دوسرے دن کے لیے ملتوی ہوگئی اس جنگ کا نام یوم اغواث ہے۔ رات گزرنے کے بعد تیسرا معرکہ شروع ہوا یہ معرکہ گزشتہ دونوں معرکوں سے زیادہ ہولناک تھا اس جنگ میں مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ نقصان رساں یہ کوہ پیکر ہاتھیوں کی صفیں تھیں جنھیں دیکھ دیکھ کر عربی گھوڑے بدکتے تھے مسلمانوں نے جتنے بھی اونٹ فوج میں تھے۔ اُن کے اوپر بڑی بڑی کالی جھولیں اور برقعے ڈال دیے جس سے ان کی صورتیں بڑی مہیب ہوگئیں اس کے بعد انھیں آگے بڑھایا۔ ایرانیوں کے گھوڑوں نے انھیں ہاتھی سمجھا اور بدک کر پیچھے کی طرف بھاگے اور چند مسلمان نیزے لے کر ہاتھیوں پر ٹوٹ پڑے ناک ناک کر ان کی آنکھیں بیکار کر دیں آخر حضرت قعقاعؓ نے نشان کے سفید ہاتھی پر ایسا وار کیا کہ سونڈ مستک سے الگ ہوگئی وہ جھرجھری لے کر بھاگا اسے دیکھ کر اس کے پیچھے والے تمام ہاتھی بھی بھاگ نکلے اور اپنی ہی فوج کو کچلتے ہوئے پیچھے کی طرف بھاگ گئے۔ سارا دن لڑائی ہوتی رہی رات کو شدّت جنگ جاری رہی دوسرے دن پتہ چلا کہ خدا کے فضل سے مسلمانوں کا پلّہ بھاری ہے اس جنگ کا روز "یوم عماس" اور رات "لیلۃ الہریر" کے نام سے موسوم ہے اس روز بھی دن بھر ہنگامۂ کارزار گرم رہا دوپہر کو لڑائی کا فیصلہ ہوا۔ رستم نہایت مردانگی سے مقابلہ کرتا رہا آخر زخموں کی وجہ سے چُور ہو کر بھاگا راستے میں ایک ندی تھی اس میں کود گیا۔ ایک مسلمان جو تعاقب میں تھا اُس نے اسے ندی سے نکال کر قتل کر دیا۔ اس کے قتل ہوتے ہی ایرانی فوجوں نے میدان چھوڑ دیا۔ اس معرکہ میں ایرانی بیس ہزار کی تعداد میں قتل ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح یابی عطا فرمائی۔

**۵۔ معرکۂ نہاوند:۔** ۲۱ھ ۶۴۱ء میں کفار کا لشکر ڈیڑھ لاکھ تھا جس کا سپہ سالار نامور ایرانی بہادر مردان شاہ تھا ادھر مسلمانوں کی فوج کی تعداد تیس ہزار تھی جن کے سپہ سالار حضرت نعمانؓ بن مقرن تھے۔ پہلے مردان نے صلح کی کوشش کی۔ نامہ و پیام ہوئے۔ گفت و شنید ہوئی مگر یہ ساری کوشش ناکام رہی آخر کار جنگ کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ ایسا خونریز معرکہ ہوا کہ دونوں طرف سے ہزاروں لاشیں خاک و خون میں نہا گئیں اسلامی فوج کے سپہ سالار نعمانؓ بن مقرن زخمی ہو کر گر پڑے۔ زخم مہلک تھا۔ مگر چند ساتھی جو اُن کے اردگرد تھے ان کو کہا کہ خبردار جب تک لڑائی کا فیصلہ نہ ہو جائے کوئی میری طرف متوجہ نہ ہو چنانچہ ان کے بھائی نعیمؓ نے علم سنبھال لیا۔ مسلمانوں نے اس شدّت سے حملہ کیا کہ رات ہوتے

ہوتے ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مسلمانوں نے ہمدان تک ان کا تعاقب کیا۔ اس جنگ میں بیس ہزار ایرانی ہلاک ہوئے اور مسلمانوں کا نقصان نسبتاً بہت کم ہوا۔ جنگ کے بعد معقل نعمانؓ بن مقرن کی نیم جان لاش کے پاس پہنچے۔ کچھ کچھ جان باقی تھی اس حالت میں زبان سے یہ نکلا۔ مسلمانوں کا کیا انجام ہوا؟ جواب ملا خدا نے فتح دی۔ فرمایا۔ الحمدللہ! حضرت عمرؓ کو اطلاع دو اور یہ کہہ کر جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

۶۔ **فتح اسکندریہ:** ۲۲ھ میں جب مسلمان عراق، شام اور ایران میں فتح پر فتح حاصل کر رہے تھے تو حضرت عمرو بن العاصؓ کے دل میں مصر کو فتح کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو چار ہزار سپاہ دے کر مصر روانہ کیا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے سب سے پہلا مقام جو فتح کیا وہ عریش تھا۔ پھر آگے بڑھ کر کئی مقام فتح کرتے ہوئے قلعہ بابیوں کے پاس پہنچ گئے۔ یہ قلعہ جو ایک طرف دریائے نیل اور تین طرف عمیق خندق پر واقع تھا۔ مصر کے رومی سپہ سالار تھیوڈور نے قلعہ کے اندر اور باہر کافی فوج جمع کر لی تھی۔ ادھر حضرت عمرو بن العاصؓ نے خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کو کمک پہنچانے کے لیے لکھا تھا، چونکہ یہ کمک ابھی تک نہیں پہنچی تھی۔ اس لیے عمرو بن العاصؓ نے بابلیوں کو تو نہ چھیڑا البتہ کئی چھوٹے چھوٹے قلعے اور مقامات فتح کر لیے جب کمک پہنچ گئی تو اسلامی فوج نے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمانوں کے پاس قلعہ توڑنے والی توپیں نہ تھیں اس لیے محاصرہ لمبا ہو گیا۔ اس قلعہ میں والی مقوقس موجود تھا جو مصری تھا۔ قیصر روم نے اس کی تربیت خود کی تھی اور اس کو والی مصر بنا دیا تھا تاکہ اس کے ہاتھ سے اس کے ہم قوم کو سزا ملے اور قیصر روم خود بدنامی سے محفوظ رہے مقوقس نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنا مشکل ہے تو اس نے مسلمانوں سے صلح کر لی اور جزیہ دینا قبول کر لیا مگر رومیوں کو اس صلح سے کوئی واسطہ نہیں تھا انھوں نے برابر جنگ جاری رکھی۔ مقوقس اپنے ہم قوموں کے ساتھ قلعہ سے نکل کر جزیرہ میں چلا گیا اب مصر میں ایک بڑا شہر سکندریہ رہ گیا یہ بہت بڑا فوجی مرکز اور تجارتی شہر تھا۔ جب اسلامی فوج اسکندریہ کے سامنے وارد ہوئی تو اس وقت پچاس ہزار رومی سپاہ موجود تھے اور مسلمانوں کی تعداد کل بارہ ہزار تین سو تھی محاصرہ کو قریباً چار ماہ گزر چکے تھے حضرت عمرؓ پریشان اور فکرمند تھے کہ آخر شہر فتح کیوں نہیں ہوتا۔ انھوں نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو لکھا کہ تم شاید رومیوں کی طرح آرام پسند ہو گئے ہو اس لیے شہر فتح کرنے میں اتنا عرصہ لگ گیا ہے

میں اسے پسند نہیں کرتا لکھو کہ اب صورت حال کیا ہے۔ خط آیا تو حضرت عمرو بن العاص نے زور شور سے حملہ شروع کر دیا۔ ایسا سخت ترین حملہ ہوا کہ رومی اس کی تاب نہ لا سکے۔ انھوں نے امان طلب کی اور صلح کے خواستگار ہوئے چنانچہ باہمی گفت و شنید کے بعد صلح ہو گئی اور اسلامی فوج اسکندریہ میں داخل ہو گئی یہ فتح بڑی فیصلہ کن فتح تھی اس سے تقریباً سارے مصر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

۷۔ **فتح دیبل:** ۱۲ء میں یہ جنگ خلیفہ عبد الملک کے زمانہ میں لڑی گئی۔ اس وقت مسلمانوں کی ایک عظیم الشان اور وسیع سلطنت قائم ہو چکی تھی۔ واقعہ یہ ہوا کہ سندھ کی بندرگاہ دیبل کے قریب سندھی ڈاکوؤں نے سیلون سے آنے والے عرب مسافروں کے جہاز کو لوٹ لیا اور مسافروں کو پکڑ لیا ان مسافروں میں ایک عرب لڑکی بھی تھی اس نے حجاج کی دہائی دی کہ " حجاج المدد!" جب کچھ عرصہ کے بعد حجاج تک یہ آواز پہنچی تو اس نے جواب دیا " میں آیا، میں آیا۔" اس کے بعد چھ ہزار فوج جس کے سپہ سالار محمد بن قاسم سترہ سالہ نوجوان کو مقرر فرمایا اور پانچ منجنیقیں جہاز پر لاد کر بصرہ سے روانہ کیں اور تین ہزار خورد و نوش کے سامان لے جانے والے اونٹ ایران سے منگوائے گئے تھے وہ بھی روانہ ہوئے یہ قافلہ پہلے ایران پہنچا اور وہاں سے مکران میں۔ پھر اس نے دیبل کی بندرگاہ کا محاصرہ کر لیا۔ دیبل بڑا مضبوط شہر تھا۔ اس کے ارد گرد پکے مورچے تھے جس پر سندھیوں کو بڑا گھمنڈ تھا۔ اندرون شہر کھانے پینے کا سامان اور سپاہ کی کمی نہ تھی اس لیے اس کا فتح کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اہل شہر کا خیال تھا کہ محاصرہ کرنے والے کچھ عرصہ کے بعد تنگ آکر خود بخود واپس چلے جائیں گے۔ بہر حال چھ ماہ تک محاصرہ جاری رہا۔ شہر والے تنگ آ گئے کئی شہری چھپ چھپا کر اسلامی لشکر میں آتے اور امان کا وعدہ لے کر چلے جاتے ایک دن اسی طرح ایک برہمن بھی آیا اس نے محمد بن قاسم سے کہا جب تک شہر کا بڑا مندر نہیں گرے گا دیبل فتح نہ ہو گا۔ اس مندر میں بے شمار مورتیاں تھیں ان میں سے ایک سب سے بڑی مورتی زیادہ ممتاز تھی اس بت خانہ میں ایک بڑا گنبد تھا۔ اس کے نیچے وہ مکان تھا جہاں یہ مورتیاں رکھی تھیں۔ اس کی چوٹی سطح زمین سے چالیس گز بلند تھی اور اس پر سرخ جھنڈا لہرا رہا تھا جب ہوا چلتی تو یہ چاروں طرف گھومتا جس کو عوام بڑی عقیدت مندانہ نظر سے دیکھتے۔ اس مندر میں سات سو پجاری تھے جو عوام کی رہبری کرتے تھے اس مندر کے اندر جو بڑا بت تھا وہ مہاتما بدھ کا بت تھا کیوں کہ تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ اس بت

کا نام بدھ تھا۔ الغرض محمد بن قاسم نے عروس (سب سے بڑی منجنیق) کو مشرق میں نصب کرا کے گنبد پر گولہ باری کی۔ جس سے وہ ٹوٹ گیا۔ اس سے سارے شہر میں کہرام مچ گیا اور ہر شخص کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔ عرب سپاہیوں نے عام ہلہ بول دیا اور کمندیں لگا لگا کر اوپر چڑھ گئے۔ شہریوں نے انھیں روکنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے اس طرح دیبل فتح ہو گیا۔ شہر والوں کو امان دے دی گئی اور وہاں کا حاکم بچ کر نکل گیا اور بے شمار سپاہی مارے گئے اور تھوڑی ہی مدت میں اس علاقہ میں اسلام پھیل گیا۔

۸۔ **فتح سومنات**: ۴۱۵ھ میں سلطان محمود کو اس کے چند قابلِ اعتماد آدمیوں نے کہ ہندوستان والوں کا عقیدہ یہ ہے کہ موت کے بعد انسان کی روح بدن سے جدا ہو کر سومنات کی خدمت میں حاضر ہو جاتی ہے اور سومنات ہر روح کو اس کے اعمال کے مطابق نیا جسم عطا کرتا ہے اور ہندو یہ بھی کہتے ہیں کہ دریا کا اتار چڑھاؤ درحقیقت سومنات کی عبادت ہے جو اس صورت میں ہوتا ہے اور محمود کو یہ بھی معلوم ہوا کہ ہندو یہ بھی کہتے ہیں کہ جن بتوں کو محمود نے پاش پاش کیا وہ ایسے بت تھے جن سے سومنات ناراض تھا۔ اسی لیے اس نے ان بتوں کی طرف داری نہیں کی۔ ورنہ اس میں اس قدر قوت ہے کہ وہ جسے چاہے ایک لمحہ میں تباہ و برباد کر سکتا ہے اور وہاں کے برہمنوں کا کہنا ہے کہ سومنات بادشاہ اور دنیا کے تمام بت اس کے دربان اور حاجب ہیں۔ سومنات اس زمانے میں ایک بہت بڑا شہر تھا جو دریائے عمان کے کنارے آباد تھا۔ جس مندر میں بت تھا وہاں باہر کی روشنی نہ آتی تھی۔ ہیرے جواہر دیواروں پر جڑے ہوئے تھے اور جڑاؤ قندیلوں میں لگے ہوئے تھے ان کی جگمگاہٹ سے رات دن برابر تھے۔ چھپن ستون مرصع جواہرات تھے دو سو من وزنی سونے کی زنجیر لٹکتی تھی ان میں گھنٹے و گھڑیال تھے اور اس کے مصارف کے واسطے دو ہزار دیہات کا لگان مخصوص تھا۔ دو ہزار پنڈت حفاظت کے لیے متعین تھے یہ بت پورا پانچ گز لمبا دو گز زمین کے اندر اور تین گز باہر تھا۔ دریائے گنگا اگرچہ وہاں سے چھ سو کوس کے فاصلہ پر تھا مگر سومنات کے بت کے اشنان کے لیے روزانہ تازہ پانی لایا جاتا۔ دولت اس مندر میں اتنی جمع تھی کہ کسی راجہ کے خزانہ میں نہیں ہوگی۔ سومنات کے بارے میں جب سلطان محمود نے یہ باتیں سنیں تو اس نے بت کو تباہ و برباد کرنے کا عزم کر لیا۔ وہ غزنی سے روانہ ہوا اس کے ساتھ اپنے خاصہ کا لشکر تیس ہزار تھے جب یہ لشکر اس لمبے سفر کے بعد سومنات پہنچا تو مسلمانوں نے دیکھا کہ سومنات کا قلعہ بہت بلند اور دریا کا پانی قلعے کی فصیل تک پہنچا ہوا ہے۔

اہل سومنات قلعے کی دیوار پر کھڑے ہو کر اسلامی لشکر کو دیکھ رہے ہیں اور چلا چلا کر کہ مسلمانوں سے یہ کہہ رہے ہیں کہ سومنات تم کو خود یہاں کھینچ کر لایا ہے تا کہ ایک ساتھ ہی تم سب کو ختم کر دے۔ چنانچہ مسلمانوں نے اپنے دلیر بادشاہ کے حکم سے پیش قدمی کی اور قلعے کی دیواروں پر بہت سی سیڑھیاں لگا کر قلعے کے ایک حصے پر چڑھ گئے اور تیروں کی بوچھاڑ کر دی تین دن مقابلہ ہوتا رہا طرفین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی میدان جنگ میں خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ یہ عالم دیکھ کر محمود کو خیال ہوا کہ کہیں مسلمانوں کی فوج کے پاؤں میدان جنگ سے نہ اکھڑ جائیں وہ بہت پریشان تھا۔ اس پریشانی میں وہ ایک کونے میں آیا۔ اور حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی کے متبرک خرقہ کو ہاتھ میں لے سجدہ میں گرا اور بے حد خلوص و عاجزی کے ساتھ خدا کی بارگاہ میں فتح و ظفر کی دعا مانگ کر واپس آیا۔ پھر اس نے عام حملہ کا حکم دے دیا۔ اس حملے میں ہندو نہ سنبھل سکے اور انھیں شکست فاش ہوئی محمود فتح یاب ہوا۔ روایت ہے کہ جس وقت محمود نے سومنات کو توڑنا چاہا تو اس وقت برہمنوں کے ایک گروہ نے محمود سے التجا کی کہ وہ بت نہ توڑے اور اس کے معاوضہ میں ہم کثیر مقدار میں دولت شاہی خزانہ میں داخل کریں گے۔ محمود نے کہا کہ میرے بعد دنیا مجھے بت فروش کے نام سے یاد کرے گی اور اگر میں اس بت کو توڑ دوں تو مسلمان مجھے بت شکن کہہ کر پکاریں گے چنانچہ بت کو توڑ دیا گیا اور محمود زندہ و جاوید ہو گیا۔

۹۔ <u>ترائن کی دوسری لڑائی</u>:۔ ۱۱۹۲ء میں سلطان معزالدین کو جب پہلی ترائن کی جنگ میں شکست ہوئی تو اس کو اس کا بے حد رنج ہوا۔ اس نے عیش و آرام اپنے اوپر حرام کر لیا اور بڑی جدوجہد کے بعد اس نے ایک لاکھ بیس ہزار ترک و افغان سپاہیوں کی فوج تیار کر لی اور پشاور سے لاہور روانہ ہوا۔ لاہور پہنچ کر سلطان نے پرتھوی راج کو پیغام بھیجا کہ اسلام یا اطاعت قبول کر لو، ورنہ شمشیر ان کا فیصلہ کرے گی پرتھوی راج نے اس خط کا جواب سخت دیا اور تین لاکھ سوار جنگی ہاتھی اور پیادہ سپاہی ان کے علاوہ تھے ڈیڑھ سو راجہ اور راج کمار اپنے چیدہ فوج کے دستے لے کر آئے تھے۔ چنانچہ لڑائی شروع ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دی اور پرتھوی راج مارا گیا اور تقریباً ڈیڑھ سو راجے اور راج کمار اس جنگ میں ہلاک ہو گئے۔

۱۰۔ <u>جنگ کنواہہ</u>: یہ جنگ ۱۵۲۷ء میں ہوئی اس جنگ میں رانا سانگا کی فوج دو لاکھ سے بھی زیادہ تھی۔ بابر نے مجلس مشاورت کی اور جنگ کے بارے میں مشورہ کرنے لگا اکثر درباریوں نے یہ رائے دی کہ دشمن کی بڑھتی ہوئی قوت پوری طرح سامنے ہے۔ بہتر یہی ہے کہ بادشاہ بڑے بڑے

قلعوں کو اُمرا کے حوالے کر کے خود پنجاب کی طرف روانہ ہو اور وہاں غیبی امداد کا انتظار کرے۔ بابر نے یہ بات سنی اور پھر غور و تامل کے بعد کہا میری اس بزدلی اور کمزوری کی وجہ سے دنیائے اسلام کے فرمانروا مجھے کیا کہیں گے۔ یہ روشن ہے سب یہ کہیں گے کہ میں نے محض جان کے خوف سے اتنے بڑے ملک کو اپنے ہاتھوں سے گنوا دیا۔ بابر نے کہا میں درجہ شہادت حاصل کرنے کا شوق لے کر مردانگی اور بہادری کے ساتھ میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہوں گا مسلمانوں کا یہ عقیدہ مشہور ہے "مارا تو غازی مرے تو شہید" بابر نے یہ تقریر بڑے جوش انگیز اور ولولہ خیز کی۔ سب نے قرآن حکیم پر ہاتھ رکھ حلف اٹھایا کہ جیتے تک زندہ رہیں گے لڑائی سے منہ نہ پھیریں گے۔ آگرہ سے تیس میل دور مغرب کی جانب بابر نے مغلوں کے طریقے کے مطابق لڑائی کی ابتدا کی۔ بابر نے دشمن پر زبردست حملہ کیا۔ ایک خونریز اور زبردست جنگ کے بعد ہندوؤں کو شکست ہوئی۔

**۱۱۔ جنگ تالی کوٹہ:-** ۱۵۶۴ء میں جبکہ ہندوؤں نے مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر ان کی ریاستوں کو کمزور کر دیا رام راج نے مسلمانوں کی تحقیر و تذلیل شروع کر دی۔ رام راج کے اس طرزِ عمل نے مسلمانوں کا پیمانۂ صبر چھلکا دیا۔ اب ریاستوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اپنی تنظیم شروع کر دی۔ ہر مسلمان ریاست نے بڑھ چڑھ کر ایک دوسرے کا پوری طرح ساتھ دیا انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ رام راج کا غرور ختم کر دیا جائے چنانچہ جب یہ اتحاد مضبوط ہوا تو علی عادل نے بیجا پور سے نکل کر تالی کوٹہ پر جو دریا کرشنا سے ۲۵ میل شمال کی طرف ہے ڈیرے ڈال دیے۔ رام راج کو بھی پتہ لگا تو اپنے بھائی ترملا کو بیس ہزار سوار ایک لاکھ پیدل سپاہ اور پانچ سو ہاتھی اور دوسرے بھائی کو بھی زبردست فوج دے کر خود بھی ہمراہ روانہ ہو گیا۔ اسی طرح ہندوؤں کی فوج کی کل تعداد ایک لاکھ سوار اور تین لاکھ پیادہ سپاہی، دو ہزار ہاتھی اور پانچ سو توپیں تھیں اس کے برعکس مسلمانوں کی متحدہ فوج اس سے نصف بھی نہیں تھی۔ جب مسلمان دریائے کرشنا کے شمالی ساحل پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ ہندوؤں نے تمام جنوبی کناروں کے اہم مقامات پر قبضہ کر رکھا ہے۔ تاکہ مسلمان پار نہ اتر سکیں۔ اس موقع پر مسلمانوں نے حکمت عملی سے کام لیا۔ جاسوس نے اطلاع دی کہ اس راستہ کے سوا کوئی دوسرا راستہ بہتر نہیں انھوں نے مشہور کر دیا کہ شمال میں ایک اور راستہ دریافت ہوا ہے اور بیس ہزار فوج ایک کمین گاہ میں چھپا دی اور باقی فوج شمال کی طرف بڑھنے لگی۔ ہندوؤں نے بھی سب کی سب فوج مسلمانوں کے ساتھ جنوبی کنارے بڑھا دی۔ تین دن کے بعد یکایک ایک اندھیری رات کو

ایک دن میں تین دن کا راستہ طے کر کے اسی جگہ واپس رات کرآکر دریا عبور کر کے جنوبی کنارے پر قبضہ کرلیا ہندوؤں کو پتہ چلا کہ ہمارے ساتھ دھوکہ ہوا۔ وہ واپس پلٹے۔ مقابلہ ہُوا تو رام راج قتل ہوگیا اور اس کا سر بزے پر چڑھا کر فوج کے آگے گشت کرایا گیا۔ مسلمانوں کو اللہ تعالےٰ نے فتح یاب کیا۔ اس جنگ میں ایک لاکھ ہندو مارے گئے۔

**۱۲:** ۷۱۱ء میں اندلس کی جنگ میں طارق بن زیاد کے مقابلہ میں عیسائیوں کی سپاہ کی تعداد ایک لاکھ تھی اور طارق بن زیاد کی فوج ۱۲ ہزار تھی اللہ تعالیٰ نے طارق بن زیاد کو فتح یاب کیا۔

**۱۳:** ۱۹۲۱ء میں اسی طرح جنگ سقاریہ میں یونانیوں کی فوج ترکوں سے چار گنا زیادہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مصطفےٰ کمال بادشاہ اتاترک کو دشمن پر فتح عطا کی۔

بھائیو! یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور نورِ ایمان و یقین کی قوت تھی جس سے ان کو یہ کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ایک دفعہ کوفہ کی مسجد میں بیٹھے روٹی کے سوکھے ٹکڑے پانی میں تر کر کے دانتوں سے توڑ رہے تھے مگر وہ نہ ٹوٹتے تھے۔ ایک اجنبی بدو نے کسی سے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں جواب ملا کہ شیرِ خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ اس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے پوچھا کہ حضرت آپ نے تو قلعہ خیبر کے دروازے کو اکھاڑ ڈھال بنا لیا تھا مگر آج یہ روٹی کا ٹکڑا چبایا نہیں جاتا۔ جواب فرمایا کہ وہ میری ایمانی قوت تھی اور یہ میرے نفس کی طاقت ہے اس لیے یہ روٹی کا ٹکڑا دانتوں سے ٹوٹ نہیں رہا۔

| | |
|---|---|
| وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ (البقرہ ۱۵۴) | اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انھیں مُردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تمھیں ان کی زندگی کا شعور نہیں۔ |

❀

شعلۂ شمع خدائی بھی کہیں بجھتا ہے ۔۔۔ رہ گئے اپنا سا منہ لے کر بجھانے والے
نقشِ اسلام نہ اعداء کے مٹانے سے مٹا ۔۔۔ مٹ گئے آپ ہی جتنے تھے مٹانے والے

# طبیب

يُؤتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ٥ (البقرہ ۳۲)

اے اللہ تو پاک ہے۔ ہم اس قدر جانتے ہیں جس قدر تو نے بتایا۔ بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے۔

یہ ماہر قوانین شفا گروہ جس کو حق تعالیٰ نے بدن انسانی میں تصرف کرنے کا علم بخشا ہے ان طبیبوں کی نظر خاص جسم پر باعتبار مرض وصحت کے ہوتی ہے اور خلطوں کی خرابی سے بدن میں امراض پیدا ہوتے ہیں اور طبیب خلطوں کو معتدل رکھ کر صحت کو برقرار رکھتا ہے اور جس طرح انبیائے کرام دلوں کے امراض کا علاج قوانین شریعت سے کرتے ہیں اسی طرح یہ مقدس گروہ دواؤں سے بدنی امراض کا علاج کرتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ عِلْمُ الْاَدْیَانِ وَعِلْمُ الْاَبْدَانُ (علم دو ہیں۔ ایک علم دین اور دوسرا علم بدن) اور علم شریعت اور علم طب قریب قریب ہیں اور بدن کے افعال و امراض کے علم العلاج کا علم حاصل کرنے کے لیے حکماء اور اطباء کی پیروی اور روحانی امراض کے علاج کے لیے انبیاء و مرسلین کی تقلید واتباع لازمی ہے۔ انسان کی ترکیب دو چیزوں سے ہے ایک بدن دوسری روح۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ ابدان ہی مرضع ادیان ہے جس طرح گھوڑا نہایت لاغر (بدن انسان) ہو جائے تو منزل پر پہنچنا محال ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر سوار (روح) اندھا ہو جائے تو انسان صحیح راستے پر چل کر منزل ہدایت پر نہیں پہنچ سکتا جس سے دنیا اور آخرت کی زندگی مکمل طور پر تباہ و برباد ہو جاتی ہے جو نقصان عظیم ہے۔

طبیعت انسانی جب اصلاح بدن کرنے سے عاجز ہو کر اپنے حلیف طبیب کے سپرد کر دیتی ہے تو طبیب بمنزل حاکم کے ہے وہ نبض کو ملاحظہ کرتا ہے جو دل کی وکیل ہے اور قارورہ کو بنظر امعان دیکھتا ہے جو جگر کی وکالت کرتا ہے اور عمدہ شاہد ہے اور جگر کے اسرار کھولتا ہے اس لیے کہ جگر ہی طبیعت کا محل ہے اور علامات بمنزل گواہ کے ہوتی ہیں غور سے مشاہدہ کرتا ہے اور اصل سبب کو پہچان کر طبیب اپنے لشکر

تدبیر و دوا است مرض کا مقابلہ کرتا ہے تو بحکم حکیم شافی طبیب کے ہاتھوں سے مریض شفا پاتا ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اس کے ہاتھوں میں شفا رکھ دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس کے ہاتھوں سے شفا چھین لیتا ہے ؎ از دست تو باشد شفا ہائے صریح — از دست دریا دحق باشد صحیح

طبیب کی حیثیت تو ایک کنجی یا آلہ یا اوزار کی سی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس آلہ یا کنجی سے کام لے تو یہ اس کی مرضی ہے۔

صحت کی نعمت :۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو لاکھوں نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور سب سے بڑی نعمت صحت ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ حکم بھی دیا ہے کہ اس نعمت کی حفاظت کرے اور صحت کو اعلیٰ درجے کی سطح پر برقرار رکھے اور قوانین صحت کو سمجھا جائے حقیقی صحت و توانائی ایک ایسی اندرونی دولت ہے جو مادی دولت کی طرح تباہیوں کا شکار نہیں ہوتی اور تندرست انسان کبھی کسی کا محتاج نہیں ہو سکتا کیونکہ اس میں زندگی کی تمام مشکلات کو حل کرنے کی قدرتی اور طبعی قوت ہوتی ہے اور ہمت، شرافت، طاقت اور استقلال ہر موقع پر اس کا ساتھ دیتے رہتے ہیں اور جو شخص اپنی صحت کو بگاڑے وہ عقلمند نہیں۔ صاحبو! صحت کی قدر و منزلت بیمار ہی جانتا ہے تندرستی کی قیمت یہ ہے کہ اگر کسی عظیم بادشاہ کی امعاء کے اندر ریاح رک جائے (قولنج ریاحی) اور قریب المرگ ہو جائے تو وہ اپنے تندرست ہو جانے کے لیے اپنی نصف سلطنت دینے کو بھی تیار ہو جاتا ہے۔ اس کائنات میں انسانی جسم و جان سے زیادہ بیش قیمت کوئی شئے نہیں۔ اس کے صدقہ میں انسان کو چاندی، سونا، مروارید، الماس اور دیگر قیمتی جواہرات و پلاٹینیم سے تولا جاتا ہے، دوستو، صحت کے بغیر علم و عقل دونوں کچھ نہیں کر سکتے۔ طاقت غیر مؤثر، دولت بیکار اور فصاحت و بلاغت بے اثر ہوتی ہے صحت اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت اور امانت ہے اس صحت کی حفاظت کریں اگر یہ ایک دفعہ بگڑ جائے تو بڑی مشکل سے بنتی ہے جس طرح حقیر دیمک بڑے بڑے کتب خانوں کو چاٹ کر تباہ کر دیتی ہے اسی طرح صحت کے معاملے میں معمولی سی غفلت برتنا اور اس کی حفاظت میں کوتاہی کرنا بے حسی بھی ہے اور خدا کی ناشکری بھی۔ ایمان، شعور کی صحت کا دارو مدار بھی جسمانی صحت پر ہے عقل و دماغ کی نشوونما، فضائل اخلاق کے تقاضے اور دینی فرائض کو ادا کرنے کے لیے جسمانی صحت بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

اسلام و اصول صحت :۔ اسلام کا دعویٰ عالمگیر مذہب ہونے کا ہے اور گو صحت کے متعلق

سابقہ مذاہب میں صحت وصفائی کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہر مذہب وملت میں پاکیزگی وطہارت کا رواج تھا ۔ لیکن ان کا عمودی رنگ تھا ترتیب وترکیب اور تفصیلات موجود نہ تھیں۔ اسلام نے سابقہ اصول حفظان صحت کے ساتھ بالکل نئے اور نرالے نہایت مفید وکارآمد اصول وقواعد ملا کر ربط ونظام میں لا کر یکجا کر دیا حکیم الکا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کو مہد سے لحد تک قوانین فطرت کے سانچے میں ڈھلنے کے طریقے بتائے ہیں یہ محض دعوے نہیں بلکہ مضبوط دلائل وبرہان وشہادت وتجربہ ومشاہدات اور حقائق پر مبنی ہے لہذا اسلامی تعلیم کے حفظان صحت پر غور فرمائیں اور اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی [illegible] کرنے کی نیت سے عمل کر کے دنیا اور آخرت کی زندگی کو کامیاب بنائیں ۔

پاکیزگی : (۱) ایسے لوگ جو دوست رکھتے ہیں صفائی اور پاک رہنے کو اور اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے پاک رہنے والوں کو۔ (قرآن توبہ ۱۰۸)

(۲) اپنے کپڑے (لباس) صاف ستھرے رکھا کرو اور ہر قسم کی غلاظت اور گندگی سے کلی پرہیز کیا کرو (القرآن مدثر)

(۳) پاکیزگی نصف ایمان ہے۔ (مسند احمد)

(۴) بلاشبہ اللہ پاک ہے اور پاکیزگی اور ستھرائی رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ کریم ہے اور کریم کو دوست رکھتا ہے۔ بخشش کرنے والے کو دوست رکھتا ہے۔ پس پاک وصاف رکھا کرو اپنے گھروں، صحنوں اور دہلیزوں کو۔ (طبرانی)

(۵) جو شخص کسی گزرگاہ یا کسی ایسے سایہ دار درخت کے پاس جس کے سایہ میں انسان اور حیوان آرام پاتے ہوں، بول وبراز کرتا ہے اس پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے ۔ (مشکوٰۃ حصہ اول)

ہوائی صفائی (۶) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس عالی میں کبھی کبھی خوشبو کی انگیٹھیاں جلائی جاتیں اور کبھی کبھی کافور ہوتا۔ (سیرت النبی ج ۲)

(۷) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو کے ہدیہ کو واپس نہیں کرتے تھے۔ (صحیح بخاری)

(۸) حضور نے فرمایا مشک سے بہتر کوئی خوشبو نہیں۔ (نہج الفصاحت)

پانی کی صفائی : (۹) صاف پانی کو خراب نہ کریں کسی کھلے کھڑے پانی میں جو نہلانے دھونے یا پینے کے کام میں لایا جاتا ہے۔ کوئی غلاظت نہ پھینکی جائے یا اس میں پیشاب پاخانہ نہ کیا جائے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی سختی سے منع فرمایا۔ (تجرید بخاری حصہ اول)

(۱۰) پانی کے کسی برتن میں ہاتھ بغیر دھوئے نہیں ڈالنا چاہیے کیونکہ نہ معلوم رات غفلت میں وہ کہاں کہاں لگتا رہا ہو۔ (تجرید بخاری حصہ اوّل)

(۱۱) دودھ کو ڈھک کر لایا کرو خواہ وہ لکڑی کے ایک ٹکڑے سے ڈھکا ہو۔ (تجرید بخاری حصہ اول)

**بدن کی صفائی:** (۱۲) جس نے اپنے غیر ضروری بال نہ کاٹے اور اپنے ناخن نہ کاٹے اور اپنی بڑھی ہوئی مونچھیں نہ کاٹیں وہ ہم میں سے نہیں۔ (متفق علیہ)

(۱۳) ہر مسلمان پر ساتویں (جمعہ) روز غسل کرنا واجب ہے جس میں وہ اپنے بالوں اور تمام بدن کو دھوئے۔ طبرانی

(۱۴) اچھی طرح وضو کرو یہ تمھاری عمر بڑھا دے گا۔ (متفق علیہ)

(۱۵) مسواک منہ کو صاف کرتی ہے اور اللہ تعالےٰ کی رضا مندی کا سبب ہے۔ (طبرانی)

(۱۶) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سر میں کثرت سے تیل ڈالا کرتے تھے اور داڑھی مبارک میں کنگھی کیا کرتے تھے۔ (مشکوٰۃ)

**لباس کی صفائی:** (۱۷) اے اولادِ آدم ہم نے تمھارے لیے ایسا لباس اتارا ہے جو تمھاری ستر پوشی کرتا ہے اور تمھارے لیے زینت کا سامان ہے اور تقویٰ (پرہیزگاری) کا لباس بہت ہی بہتر ہے قرآن کریم پ ۸ ع ۱۰

(۱۸) کپڑے صاف رکھو، بالوں میں کنگھی کرتے رہو۔ مسواک کرو۔ آراستہ رہو۔ پاکیزہ رہو۔ بنی اسرائیل نے ایسا نہیں کیا تو ان کی عورتیں زنا کار ہو گئیں (مطلب یہ ہے کہ عورت صاف ستھرا مرد پسند کرتی ہے۔ نہج الفصاحت ص ۳۳۴ -

(۱۹) ایک شخص میلے کپڑے پہنے ہوئے تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا۔ اس سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ کپڑے دھو لیا کرے۔ پھر ایک شخص خراب کپڑے پہنے ہوئے آپؐ کی خدمت میں آیا تو آپؐ نے اس سے دریافت فرمایا۔ تمھیں کچھ مقدور ہے؟ وہ بولا ہاں۔ ارشاد ہوا خدا نے نعمت دی ہے تو صورت سے بھی اس کا اظہار ہونا چاہیے۔ (مشکوٰۃ ج ۲)

(۲۰) اپنا لباس اچھا رکھو اور اپنی سواری کے کجاوے درست حالت میں رکھو یہاں تک کہ تم لوگوں میں ممتاز اور نمایاں سمجھے جاؤ۔ (جامع صغیر حاکم ۲)

(۲۱) سادگی ایمان کی دلیل ہے۔ (ابو داؤد)

طعام ۲۲ معدہ کی خرابی تمام امراض کی جڑ ہے۔ معدہ بدن کے لیے حوض کی مانند ہے تو رگیں اس حوض سے سیراب ہونے والی ہیں۔ پس اگر معدہ صحیح اور تندرست ہے تو رگیں بھی صحت سے سیراب لوٹیں گی اور اگر معدہ ہی خراب اور بیمار ہے تو رگیں بھی بیماری چوس کر لوٹیں گی۔ (بیہقی)

۲۳ آدمی نے پیٹ کے برتن سے بُرا برتن نہیں بھرا۔ انسان کو چند لقمے کافی ہیں جو اُس کو کھڑا رکھیں اور اگر زیادہ ہی کھانا ہے تو ایک تہائی کھانے کے لیے ایک تہائی پینے کے لیے اور ایک تہائی سانس کے لیے۔ (ترمذی)

۲۴ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا اور کلی کرنا باعثِ برکت طعام ہے (ترمذی ابوداؤد)

۲۵ گرم گرم کھانا کھانے سے بچو کیونکہ گرم کھانا برکت کو ختم کر دیتا ہے۔ ٹھنڈا کھانا کھایا کرو کیونکہ ٹھنڈا کھانا سہولت سے کھایا جاتا ہے اور برکت والا ہوتا ہے۔ (جامع صغیر)

۲۶ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رض سے فرمایا کہ جب ہانڈیا پکاؤ تو اس میں کدو زیادہ ڈالا کرو کہ وہ قلبِ حزیں کو قوت دیتا ہے۔ (بخاری) سالن میں کدو ہوتا تو حضور نبی اکرم پیالہ میں اس کی قاشیں انگلیوں سے ڈھونڈتے اور اس کو روٹی پر رکھ کر کھاتے۔ (سیرت النبی ج ۲ ص ۲۰۲)

۲۷ سبزیاں زیادہ کھایا کرو اور اپنے دسترخوان کو سبز چیزوں سے زینت دیا کرو کیونکہ سبز چیز شیطان کو بھگا دیتی ہے اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ۔ (جامع کبیر)

۲۸ گوشت سب سالنوں کا سردار ہے۔ (کتاب الطب ابونعیم)

۲۹ روٹی کی عزت کرو۔ (بیہقی فی شعب)

۳۰ جب ایک آدمی کم خور بن جاتا ہے تو اس کا پیٹ نور سے بھر دیا جاتا ہے۔ (دیلمی فی مسند)

۳۱ رات کا کھانا ضرور کھاؤ خواہ ایک مُٹھی بھر چھوہارے ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ رات کا کھانا ترک کرنا انسان کو بڑھا کر دیتا ہے۔ (ترمذی)

۳۲ کھانا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے وقار سے اور خوب چبا کر تناول فرماتے اور اسی طریقہ سے کھانے کا ارشاد فرماتے۔ (بخاری)

۳۳ روزہ گناہ سے بچاتا ہے اور شہوت کم کر دیتا ہے۔ (صحیحین)

۳۴ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکھن اور کھجوریں بہت پسند تھیں۔ (ابن ماجہ)

(۳۳) سرکہ اچھا سالن ہے۔ (ابوداؤد)

(۳۴) انگور بہت اچھا پھل ہے۔ (طب نبوی ابونعیم)

(۳۵) بہی کا کھانا دل کی گھبراہٹ اور بوجھ کو دور کرتا ہے۔ (القابی فی الماللہ)

(۳۶) دو شفا دینے والی چیزوں کو اپنے اوپر لازم کرو ایک شہد اور دوسرے قرآن۔ (ابن ماجہ)

(۳۷) صبح کا سونا رزق کو کم کرتا ہے۔ (نہج الفصاحت)

(۳۸) ... سنگدل بناتی ہے۔ (ایضاً ص ۳۳۴)

(۳۹) علی الصبح اٹھو کہ اس سے برکت ہوتی ہے۔ (نہج الفصاحت ص ۳۹۸)

(۴۰) کبھی آپ ایک گھونٹ دودھ پیتے اور اوپر سے خرما کھاتے ... کی طرح کرتے اور دودھ اور خرما الطیبین (یعنی دو عمدہ چیزیں) فرماتے۔ (احیاء العلوم ...)

<u>شرب:</u> (۴۱) گائے کا دودھ اپنے اوپر لازم کرو کیونکہ گائے کے دودھ میں شفا ہے اور اس کا گھی دوا ہے اور اس کا گوشت بیماری ہے۔ (طبرانی)

(۴۲) حضور سے پوچھا گیا کہ کون سا پانی بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا شیریں ... (ترتیب مسند احمد)

(۴۳) کھڑے ہو کر پانی نہیں پینا چاہیے۔ (صحیح مسلم)

(۴۴) پانی ایک سانس میں مت پی جاؤ اونٹ کی طرح سے، بلکہ دو تین دفعہ سانس لے کر پیو اور شروع میں پانی پینے سے بسم اللہ پڑھو اور پی چکو تو الحمد للہ کہو۔ (ترمذی)

(۴۵) آپ پانی تین دفعہ میں پیتے اور ہر دفعہ بسم اللہ اور آخر میں تین بار الحمد للہ کہتے (یعنی ہر بار کی ابتدا میں ایک دفعہ بسم اللہ اور انتہا میں الحمد للہ ہوتی۔ (طبرانی)

(۴۶) آپ پانی چوس چوس کر پیتے بڑے بڑے گھونٹ سے نہ پیتے اور برتن میں اثنا شرب میں سانس نہ لیتے بلکہ اس سے علیحدہ ہو کر سانس لیتے۔ (البخاری و مسلم)

<u>نشہ آور چیزوں کی ممانعت:</u>

(۴۷) شراب تمام فواحش کی جڑ ہے اور تمام کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑے گناہ کی چیز ہے۔ طبرانی

(۴۸) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس چیز کے استعمال سے منع فرمایا جو نشہ لائے اور دماغ میں فتور پیدا کرے۔ (طبرانی)

**زنا:۔** (۴۹) تم زناکاری سے بچو کیونکہ زنا میں چار بدترین برائیاں ہیں ایک یہ کہ زناکاری چہرے کی وجاہت اور وقار کو ختم کر دیتی ہے، دوسرے یہ کہ روزی کو تنگ کر دیتی ہے تیسرے یہ کہ رب العزت کے غیظ و غضب کا سبب ہے اور چوتھے یہ کہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جلنے کا سبب ہے۔ (جامع صغیر و طبرانی)

**تندرستی:۔** (۵۰) جہاد کرتے رہو تاکہ تندرستی بھی ملے اور استغنا بھی حاصل ہو۔ (نہج الفصاحت)

(۵۱) بہترین لہو و لعب خدا کے نزدیک تیر اندازی ہے اور گھوڑوں کا دوڑنا ہے۔ (متفق علیہ)

(۵۲) کافروں سے لڑنے کے لیے تم جس قدر اپنی قوت کو مضبوط کر سکو کرو خبردار تیر اندازی قوت ہے خبردار تیر اندازی قوت ہے خبردار تیر اندازی قوت ہے۔ (صحیح مسلم)

(۵۳) بہترین تفریح تیراکی ہے اور عورتوں کی بہترین تفریح سوت کاتنا۔ (نہج الفصاحت ص ۴۴)

(۵۴) قوی مسلمان اللہ کے نزدیک کمزور مسلمان سے زیادہ اچھا اور محبوب ہے۔ (صحیح مسلم)

(۵۵) رکانہ عرب کا مشہور پہلوان تھا وہ اپنے پچھاڑے جانے کو اسلام لانے کی شرط ٹھہرا تا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تین بار پچھاڑ دیا۔ (الشفا قاضی عیاض)

(۵۶) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سواری کے لیے گھوڑا بہت پسند تھا آپ اپنے گھوڑے کی خود خدمت فرماتے اپنی آستین سے اس کا منہ پونچھتے اور صاف کرتے۔ اس کی ایال کے بالوں کو اپنی انگلیوں سے بٹتے اور فرماتے بھلائی اس کی پیشانی سے قیامت تک کے لیے وابستہ ہے۔ (متفق علیہ)

(۵۷) دو نعمتیں ایسی ہیں جس میں اکثر لوگ خسارے میں رہتے ہیں۔ ایک تندرستی دوسری فرصت (مشکوٰۃ)

(۵۸) سرمہ آنکھوں میں ڈالا کرو کہ وہ آنکھ کی روشنی کو تیز کرتا ہے اور پلکیں بھی اگاتا ہے۔ (شمائل ترمذی)

**مقوی بصر:** (۵۹) تین چیزوں کا دیدار مقوی بصر ہے۔ سبزہ، آب رواں، حسین چہرہ

(۶۰) جب تم کسی سرزمین میں طاعون کے بارے میں سنو تو وہاں نہ جاؤ اور اگر وہ کسی علاقے میں رونما ہو جائے تو تم وہاں سے نہ بھاگو۔ (مسند احمد)

(۶۱) بھاگو تم مجذوم سے جیسے تم شیر سے بھاگتے ہو۔

(۶۲) اَللّٰہُ جَمِیْلٌ وَّیُحِبُّ الْجَمَالَ : اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔

**علاج، مرض اور مریض:** صحت کو بحال رکھنا اور اس کی نگہداشت اور مرض کے علاج معالجے کو اسلام نے بہت ضروری قرار دیا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم بیماری میں دوا دارو کریں؟

آپ نے فرمایا اے اللہ کے بندو دوا اور علاج کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی پیدا نہیں کی جس کی شفا کے لیے علاج نہ رکھا ہو البتہ بڑھاپا ایسی بیماری ہے جس کا کوئی علاج نہیں۔ (ترمذی و ابوداؤد)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بیماری کی دوا ہے جب بیماری کے موافق دوا آجاتی ہے تو بیمار اللہ تعالیٰ کے حکم سے تندرست ہو جاتا ہے (مسلم بروایت جابر رضی اللہ عنہ)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار کو طبیب حاذق سے علاج کرنے کی ہدایت فرماتے اور پرہیز کرنے کا حکم دیتے (زاد المعاد)

فرمایا نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ نے بیماری بھی پیدا کی ہے اور بیماری کی دوا بھی اور ہر بیماری کی ایک دوا مقرر فرمائی ہے تم علاج کرو لیکن حرام چیز سے علاج نہ کرو (ابوداؤد)

فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص علم طب سے ناواقف ہو اور کسی کا علاج کرے تو وہ اس کا (نقصان پہنچ جانے کی صورت میں) ذمہ دار ہے۔ (ابن ماجہ۔ نسائی)

اسلام کا نظریہ ہے کہ مومن کو دنیا میں جو بھی تکلیف پہنچتی ہے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اگر بیمار ہو جائے اور صبر کے ساتھ بیماری کی تکالیف کو برداشت کرے تو آخرت کے عذاب شدید سے بچانے کے لیے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں اور وہ پاک صاف ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بوڑھی خاتون ام النسائب کی عیادت کو آئے۔ ام النسائب بخار کی شدت سے کانپ رہی تھیں۔ پوچھا کیا حال ہے؟ خاتون نے کہا خدا اس کو سمجھے اس نے گھیر رکھا ہے یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخار کو برا بھلا نہ کہو یہ مومن کے گناہوں کو اس طرح صاف کر دیتا ہے جیسے آگ کی بھٹی لوہے کے زنگ کو صاف کر دیتی ہے۔ (الادب المفرد)

خدمت خلق: (۱) رحمت دو عالم سید البشر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔
خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ بہترین آدمی وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہنچاتا ہے۔

(۲) فرمایا حضور اکرم نے کہ ایمان باللہ اور خدمت خلق سے بہتر کوئی نیکی نہیں نہج الفصاحت ص۲۴۳

(۳) یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بندگان خدا کو فائدہ پہنچانے والا اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ عزیز ہے متفق علیہ

پس ہر طبیب کو چاہیئے کہ وہ اللہ رب العزت سے شفا مانگتا رہے اور مخلوق خدا کی خدمت کرتا رہے اور یہ بھی پیش نظر ہے کہ" جو کام آئیں گے محشر میں وہ خود اعمال ہیں تیرے" طب کا کام تو بذات

خود ایک بڑی عبادت ہے لیکن مطمع نظر اجر و ثواب اور عقبےٰ کی بھلائی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہو۔
نہ کہ طلبِ سیم و زر۔ "دل ڈھائے کے جو کعبہ بنایا تو کیا ہوا"۔ انسان کو حریص اس قدر رہنا چاہیے کہ وہ اپنی
اور اپنے اہل و عیال کے جان و تن کی حفاظت کر سکے۔ نہ یہ کہ دنیاوی طمع و حرص نے اسے اپنا غلام بنا
لیا ہو۔ ؎ کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر ؛ خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

اَفْضَلُ الْاَشْغَالِ خِدْمَةُ النَّاسِ

معالج و مریض: یہ بھی یاد رہے کہ علاج کے دوران میں مریض کے ذمہ بھی کچھ فرائض ہوتے
ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ پرہیز طبیعت مدبرہ کا معین و معاون اور امراض و آلام سے شفا دینے والا ہے۔
اس لیے مریض کو چاہیے کہ وہ طبیب کی ہدایت کے مطابق مضر صحت چیزوں سے پرہیز کرے اور مریض
کا تعلق معالج کے ساتھ ایسا ہونا چاہیے کہ جیسا کہ کالمیّت بید الغسّال (جیسے میّت پر غسّال کے ہاتھ)
اور معالج کے قلب کا تعلق مریض کے ساتھ ایسا ہونا چاہیے جیسے ماں کا دل بچّے کے ساتھ اور مریض کو
مناسب ہے کہ ایک ہی فاضل طبیب سے دلجمعی اور صبر سے علاج کرائے خدا شفا دے گا اور علاج کے لیے
اس طبیب کو منتخب کرے جس پر وہ اچھا عقیدہ رکھتا ہو۔

مریضوں کو بھی لازم ہے نہ چھوڑیں صبر کا پلّہ
طبیبوں کی تو کوشش ہے، شفا منجانب اللہ

معالج کے ذاتی اوصاف: (۱) طبیب کا لباس مُطہرہ و مُصفّا اور سادہ ہو۔
(۲) صحت مند اور صفائی کا دلدادہ ہو۔
(۳) اعلیٰ درجہ کا تعلیم یافتہ یا کسی مستند ادارے کا سند یافتہ ہو۔ یا کسی معالج کا شاگرد ہو۔
(۴) دل کش تبسّم والا خوش مزاج و با اخلاق انسان ہو۔
(۵) عالم دوست، خدا ترس۔ دین دار، نرم خُو ہو۔
(۶) تحمل مزاج، قوی حوصلہ اور مستقل مزاج ہونا بھی ضروری ہے۔
(۷) حق الناس ہو۔
(۸) اُس کی گفتگو باسلیقہ اور ہمدردانہ ہو اور دوسروں کی سننے کے لیے صبر و تحمل بھی رکھتا ہو
اور جذباتی نہ ہو اور اپنے جذبات پر مکمل اختیار رکھتا ہو۔

(۹) اس میں محنت، جاں سوزی اور جگر کاوی سے کام کرنے کا جذبہ بدرجۂ اُتم موجود ہو۔

(۱۰) فن جراحت میں حاذق وہ پُن ملیں جس کی طبع میں یہ چار گُن
نظر باز کی سر افلاطون کا جگر شیر کا، ہاتھ خاتون کا

(۱۱) طبیعت میں مردم شناسی کا ملکہ رکھتا ہو۔

(۱۲) اس میں قوت فیصلہ کا درجۂ اتم موجود ہونا لازمی ہے۔

(۱۳) کم خور، کم خواب اور کم گفتار ہو۔

(۱۴) عزم میں پختگی ہو۔

(۱۵) معالج کو بد مزاجی، غرور، تکبر و احساس برتری اور جنسی بے راہ روی خصوصاً حوا کی گمراہ بیٹیوں سے بچ کر رہنا چاہیے۔

(۱۶) طبیب تیز فہم، حکیم النفس، درست رائے والا، شیریں زبان اور شرم و حیا والا ہو۔

(۱۷) حلیم الطبع، پاک ضمیر، مخلص متواضع و منکر المزاج، عالم و فن طب اور شعور و ادراک کی دولت سے متصف ہونا چاہیے۔

(۱۸) نیک چلن، دیانت دار انسان دوست ہو۔

(۱۹) مزاج میں فروتنی اور عجز و انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہو۔

زمیں کی طرح جس نے عاجزی و انکساری کی ٭ خدا کی رحمتوں نے ڈھانپا آسماں ہو کر

**طبیب کے فرائض** (۱) طبیب کو خود بالکل تندرست، مستقل مزاج اور اپنی طبیعت میں راستی پسند ہونا چاہیے۔ "راستی موجب رضائے خدا است"۔ اور جو کچھ کہ وہ اپنی رائے قائم کرے اس پر اس کو پورا پورا قابو اور یقین ہونا چاہیے اور یہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ علمی و عملی لیاقت کا انحصار باتوں پر نہ ہو بلکہ طب کی ہر ایک شاخ کے پورے مطالعہ اور غور و فکر پر ہو۔

(۲) طبیب کو متشرح و پرہیزگار اور پاکباز ہونے کے علاوہ زیور اخلاق سے بھی آراستہ و پیراستہ ہونا چاہیے اور فاسق و فاجر اور کاہل و بزدل نہ ہو اور حکمت الٰہی کا شکر گزار بنے۔ مریضوں کے ساتھ کشادہ پیشانی اور شیریں کلامی سے پیش آئے۔ بیمار کا حوصلہ نہ کھوئے۔ احسان کا بیج بوئے اور محبت کا پھل چُنے۔

محبت سے ہی پائی ہے شفا قوموں نے کیا ہے اپنے خُفتہ کو بیدار قوموں نے

(۳) طبیب کو علاج کرتے وقت خوفِ خدا کو پیشِ نظر رکھنا از حد ضروری ہے کیونکہ مریض ایسا شخص ہے جس کو بیماری نے مقید کر رکھا ہے اور مرض کی گرمی و خشکی اور دوا کی تلخی سے وہ اپنے دکھ درد پر صبر کرتا ہے اور اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہے اور اس کی رحمت کا مستحق ہوتا ہے۔ جب ایک کانٹا لگنے سے مومن کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے تو وہ شخص جسے بیماریوں کی وجہ سے دکھ و تکلیف پہنچ رہی ہو یہ بات اسے اللہ کے ہاں منظورِ نظر بنا دیتی ہے اس لیے طبیب کو چاہیے کہ وہ مریضوں کے ساتھ بدسلوکی سے بچے اور ان کی راحت کا خیال رکھے اور ان کے ساتھ قساوت (سخت دلی) جرم عظیم ہے جب کہ ایک کُتے پر رحم کرنے سے فاحشہ عورت کے گناہ معاف ہو سکتے ہیں تو انسان پر رحم کرنے سے تو نہ جانے کیا کیا اجر و ثواب ہو گا۔ بلکہ اس سے اپنے لیے دعا کی درخواست کریں، کیونکہ مریض کی دعا ایسی ہے جیسے فرشتوں کی دُعا۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان بھائی کا دینی حق ہے اور خدا سے محبت کا ایک لازمی تقاضا ہے۔ خدا سے تعلق رکھنے والا خدا کے بندوں سے بے تعلق نہیں ہو سکتا۔ مریض کی غم خواری، دردمندی اور تعاون سے غفلت برتنا دراصل خدا سے غفلت ہے اس لیے طبیب کو چاہیے کہ مریض کے ساتھ بڑی ہمدردی اور مشفقانہ گفتگو اور خندہ پیشانی اور تسلی بخش بات چیت سے پیش آنا چاہیے اور ہر مریض کے لیے تواضع رواداری اور سادہ مزاجی کو اپنا مسلک بنانا چاہیے کیونکہ طبابت کا پیشہ نوعِ انسانی کی سب سے بڑی ہمدردی۔ خدمت اور عبادت کا درجہ رکھتا ہے اس لیے معالج کو چاہیے کہ مریض کی دلجوئی کرے۔ یوں کہے کہ ان شاء اللہ بہت جلد اچھے ہو جاؤ گے جہاں تک ہو سکے بیمار کی مدد کی جائے اور تسلی بخش باتوں سے اس کی مصیبت کو دور کرنے کی کوشش کی جائے اور بیمار کے ساتھ ہمدردی سے پیش آیا جائے اور یہ امر بھی مدِ نظر رہے کہ دنیا کے تمام انسان اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے اسلام نے علاج، تیمارداری اور عیادت کے لیے مسلم اور غیر مسلم کی کوئی قید نہیں لگائی بلکہ ہر وہ شخص جو بیمار ہو یا کسی آزار میں مبتلا ہو اس سے جہاں تک انسانیت کا تعلق ہے ایک مسلمان طبیب کو اس سے ہمدردی کرنی چاہیے۔

آدمیت؛ احترامِ آدمی      با خبر شو از مقامِ آدمی

کافر و مومن ہمہ خلقِ خدا است

(۴) معالج کا اہم فرض یہ ہے کہ مریض کا علاج کمال توجہ سے کرے اور معالج کو تشخیص و تجویزِ دوا

میں اصابت رائے اور ملکہ پیدا کرنے کے لیے معتبر و مستند طبی کتب کے مطالعے کے لیے روزانہ دو ایک گھنٹہ فارغ کر لینا چاہیے اور جس قدر طبی کتب کا مطالعہ کیا جائیگا اسی قدر اس فن کے رموز و عجائبات دل پر منکشف ہوتے رہیں گے اور ذہن و ادراک روشن ہوتا رہے گا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ طبیب کو یہ بھی چاہیے کہ مسلسل عملی مشق سے اپنی قوتِ مشاہدہ کو تیز تر بنائے تاکہ تشخیص میں بہت جلد صحیح نتیجہ اخذ کر سکے مثلاً نبض جو موسیقائی طبیعت رکھتی ہے اور جس کے اسرار علم کو جاننے کے ٹیلیگراف کی طرح مخصوص علم و مہارت کی ضرورت ہوتی ہے اور قارورہ جو امراض خون و آلاتِ ہضم جگر اور دیگر امراض وغیرہ کے جاننے کے لیے بہترین ذریعہ ہے ان مشاہدہ سے اپنے علم میں اضافہ کرتا رہے مگر پہلے کچھ عرصہ تک اپنے استادِ کامل کے ساتھ رہ کر مہارت پیدا کرے کیونکہ ہر کام کی کامیابی کے پیچھے ایک زبردست قربانی ہوتی ہے اور یہ بھی یاد رکھیں کہ ؎

اِنَّ الْمُعَلِّمَ وَالطَّبِیْبَ کِلَیْھِمَا لَایَنْصَحَانِ اِذَا ھُمَا لَمْ یُکْرَمَا

استاد اور معالج دونوں سے کوئی فیض حاصل نہیں کیا جاسکتا جب تک ان کی عزت و تکریم نہ کی جائے۔

⑤ طبیب پر واجب ہے کہ بیمار کی مرض پر ہر پہلو سے اچھی طرح غور کرے اور سبب پر غور کرنے کے بعد سب سے پہلے زیادہ قوی سبب کو دور کرے اور کوئی ایسی دوا مریض کے لیے تجویز نہ کرے جس کے افعال و خواص سے وہ پوری طرح واقف نہ ہو کیونکہ علم طب میں معقول دستگاہ۔ امراض کی صحیح تشخیص اور خواص ادویہ کے علم کے بغیر معالجہ بے معنی ہے۔

اور یہ بھی یاد رکھیں کہ اسلام میں جو شخص ایک جان کو بچاتا ہے وہ گویا پوری انسانیت کی بقا کا ضامن ہے اور جو شخص ایک جان کو ناحق ضائع کرتا ہے گویا کہ وہ پوری انسانیت کا قاتل ہے۔ اس لیے طبیب کو چاہیے کہ وہ نہایت غور و فکر سے اپنی اہم ذمہ داریاں اور فرائض کو اچھی طرح ادا کرے طبیب کے پاس کوئی خوشی سے نہیں آتا جو آتا ہے دکھ اور تکلیف کا علاج کرانے کے لیے آتا ہے طبیب کا یہ کام ہے کہ کوئی روتا ہوا آئے تو ہنستا جائے، بوجھ سے دبا ہوا آئے تو ہلکا پھلکا ہو کر جائے۔ طبیب کے مطب سے باہر نکلے تو اُسے ایک قسم کا سکون اور بیماری سے شفا پانے کی امید حاصل ہو۔

از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
دل بدست آور کہ حج اکبر است

(۶) طبیب اپنے آپ کو صرف اُمرا و اغنیا کا ہی معالج تصور نہ کرے بلکہ اس کا مطلب مساکین کے لیے رحمت اور ابرِ کرم کا باعث ہو اور زیر علاج مریض کے حالات پر پوری توجہ سے غور کرے اور اس کی شفایابی کے لیے پوری کوشش کرے اگر ہو سکے تو اس کے گھر جا کر اس کی خبر گیری کرے اسے اپنی کسرِ شان نہ سمجھے کیونکہ ایسا کرنے سے ایک تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت عیادت مریض کا ثواب ملے گا دوسرے مریض کی دلجوئی کا۔ اور یہ امر خطرناک ہے کہ طبیب اپنی رائے سے کام لیے بغیر محض اپنے کتابی نسخوں سے ہی علاج کرے بلکہ بیماری کی علامات پر پوری طرح غور و فکر کر کے مرض کے حالات کو مدنظر رکھ کر پوری توجہ سے نسخہ تجویز کرے کہ فنِ عزیز کی عزت قائم رہے۔ بیشک علاج معالجہ طبیب کا کاروبار ہے اس کے ذریعے وہ اپنی روزی کماتے ہیں لیکن معالج کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس کے پیش نظر ایک بلند مقصد بھی ہے اور وہ عظیم مقصد ہے دکھی انسانیت کی خدمت کرنا جو اس کے کاروبار کی اہمیت سے زیادہ اہم و مقدس ہے۔ خدمتِ خلق معالج کا ایک مقدس فریضہ ہے لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ زندگی گزارنے کے لیے اس کو بھی روزی کمانے کی ضرورت ہے اس کے لیے معالج کو مریضوں کا ایک خاص طبقہ ادو لتمند پیدا کرنا ہوگا جس میں وہ خدمتِ خلق کے جذبہ کی تسکین بھی کر سکتا ہے اور اپنا معاشی مسئلہ بھی حل کرتا ہے معالج اور مریضوں کے ایک موزوں طبقہ کسان اور کھیت سے تشبیہہ دے سکتے ہیں جس طرح ایک کسان کو فصل تیار کرنے کے لیے بہت سے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ پہلے زمین ہموار کرتا ہے پھر ہل چلاتا ہے پھر کیاریاں تیار کرتا اور بیج بوتا ہے پھر اس کی نگہداشت اور حفاظت کرتا ہے پھر جا کر کہیں وہ اپنی محنت کا پھل پاتا ہے۔ معالج کو بھی ایسے ہی مرحلوں میں سے گزرنا پڑتا ہے۔

کچھ ہمتِ مرداں ہوتی ہے کچھ رحمتِ یزداں ہوتی ہے
قطرے ہی سمندر بنتے ہیں ذرے ہی بیاباں ہوتے ہیں

(۷) معالج مریض کا رازدار ہوتا ہے مریض اس پر بھروسا کرتا ہے۔ معالج کی کامیابی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ دوسروں کے راز کو ایک مقدس امانت سمجھے۔ مریض کے حال کو کسی اور شخص سے بیان نہ کرے رازداری ہر حال میں ایک معالج کا مقدس فرض ہے۔

(۸) بعض اوقات ایک مریض کا معائنہ بہت سے اطبا کو کرنا پڑتا ہے اس صورت میں معائنہ کے بعد مریض کے سامنے ہی آپس میں اختلاف رائے کرنا مناسب نہیں بلکہ گھر والوں سے کہا جائے کہ ہم نے

مریض کا معائنہ مکمل کر لیا ہے اور باہمی مشورہ کے بعد ہم نسخہ تجویز کریں گے پھر تنہائی میں مریض کے عوارض و علامات کو مدنظر رکھ کر مفصل بحث کریں اور متفقہ طور پر کسی نتیجہ پر پہنچ کر مریض کے علاج کے لیے نہایت یکسوئی کے ساتھ نسخہ تجویز کریں۔

(۹) ہر معالج کے لیے ضروری ہے کہ وہ طب کی نئی تحقیقات اور انکشافات سے باخبر رہے نئی نئی فنی تصنیفات اور جدید طبی رسائل کا مطالعہ کرتا رہے اگر ہو سکے تو اپنے مطالعہ کے لیے طبی و علمی لائبریری موجود رکھے تاکہ اس کی معلومات کسی سطح پر رک کر فرسودہ نہ ہو جائیں اور تحقیق و جستجو، فن دواسازی اور خدمت و اخلاص کو اپنا نصب العین قرار دے اور اپنے فن عزیز کی عزت کو قائم رکھے اور اگر ہو سکے تو گاہے گاہے سیاحت کا شغل بھی اختیار کرے: ؎ تکمیل پختہ کاریٔ انساں سفر سے ہے

(۱۰) طبیب کو اپنے فن میں یکتا ہونا چاہیے ماہر تشخیص اور علم العلاج میں کامل اور ادویہ کے افعال و خواص سے بخوبی واقف ہو۔ اور لاپروائی میں عطائی نہ بنے۔

دیکھیے: گلاب کے پھولوں کو ایک حکیم بھی استعمال کرتا ہے اور ایک عطار بھی۔ لیکن ایک لائق و فائق اور فاضل و سمجھ دار طبیب اس کو موقع محل کے مطابق استعمال کرنے کا علم و عمل جانتا ہے اور عطار اس کو کم علمی میں بغیر سوچے سمجھے دے دیتا ہے اور جن چیزوں سے مریض کو تکلیف و نقصان ہونے کا خطرہ ہو ان کو استعمال نہ کرے اور کسی کو ہلاک کرنے والی زہریلی دوا نہ دے خواہ وہ شخص خود ہی کیوں نہ مانگے اور نہ ہی کسی کو ایسی دوا بتائے جو زہر قاتل ہو اور نہ ہی کسی عورت کا حمل گرائے

طب قدیم وطب جدید ؛ یوں سمجھیے کہ طبِ مشرقی طبِ مغربی کی بوڑھی ماں ہے۔ طبِ جدید کے معالجوں کو اس کا احترام کرنا چاہیے اور اس کو نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہیے ہم طبِ مغربی کے معمولی سے معمولی انکشافات اور اکتشافات کو نیا اور حیرت انگیز سمجھتے ہیں۔ دراصل ان ایجادات و اختراعات کا بیشتر حصہ انھیں طبِ قدیم کے حکما کا عطا کردہ ہیں۔ بلاشک و شبہ اس امر کو تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ آج طبِ مغربی نے علمی و فنی میدان میں جو ترقی کی ہے وہ بغداد اور اُندلس کی اسلامی درسگاہوں کا فیض ہے۔ بلکہ عربوں کی حکمت و دانائی۔ جدتِ طبع۔ جولانیٔ فکر اور تحقیقات و انکشافات کے اثرات اور اکثر سائنسی تحقیقات بھی اُنھی کی مرہونِ منت و احسان مند ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ طبِ جدید نے علم الجراحت کے فن میں بہت ترقی کر لی ہے لیکن یہ امر بھی ماننا ہی پڑے گا کہ علم النبض جیسا

عظیم و دقیق علمی و عملی فن جس کو عرب اطبا نے عروج کمال تک پہنچا دیا جو آج بھی ایک باقاعدہ کلیہ اور مسلمہ اصولوں پر مبنی ہے۔ کیا مقیاس الحرارت و آلہ نبض شناس جیسی کثیر الاستعمال چیزیں علم النبض و قارورہ کے مقابلہ میں امراض کی تحقیق و کنہ اور عملی تجربہ تک پہنچ سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ لیکن صد افسوس کہ موجودہ دور کے اطبا نے اس عملی فن عزیز کو نظر انداز کر دیا۔ جاننے والے قبروں میں دفن ہو چکے ہیں۔ ناظرین۔ اب عربوں کے ذوق علم اور تحقیق و تفتیش کو ملاحظہ فرمائیں۔

**علم الجراحت**: عربوں نے بہت سے آلات جراحیہ ایجاد کیے خصوصاً عمل قدح چشم کے لیے سونے چاندی کے بے مثل قیمتی آلات وضع کیے اور مثانہ کے اندر کی پتھری کو توڑنے اور وہ اس کو نکالنا جانتے تھے اور ادویہ کا دیہ اور زخم کو سینے میں ریشمی ٹانکوں کا استعمال کرتے اور مردہ بچے کو رحم سے نکالنا جانتے تھے۔ عمل جراحیہ میں مریض کو پہلے بیہوشی کی دوا دیتے تھے جس سے وہ گہری نیند سو جاتا اور اس میں حس و حرکت نہ رہتی (تمدن عرب باب ششم فصل دوم ص ۵۳۴ تا ۵۵۴) اس مقصد کے لیے اطباء قدیم بنج۔ قنب۔ افیون شیلم وغیرہ مختلف طور پر شراب میں ملا کر دیتے تھے جس کے دو نسخے شیخ بو علی سینا کے القانون میں درج ہیں (ارمغان ص ۷۴) اور وہ انبوبہ معدیہ (اسٹاک ٹیوب) سے واقف تھے سموم کے علاج میں اسے استعمال کرتے اور معدہ کو دھویا کرتے تھے (ملاحظہ ہو کتاب فردوس الحکمت ص ۴۴۲) وہ ہڈی اور ہاتھی دانت سے مصنوعی دانت بناتے اور اکھڑے ہوئے دانت کی جگہ رکھ کر تار سے جوڑ دیتے اور ہلتے ہوئے دانتوں کو سونے چاندی کے تاروں سے باندھ دیتے تھے اور اخراج بول کے لیے سونے و چاندی کے قاثاطیر (کیتھی ٹر) استعمال کرتے تھے (کتاب العمدۃ فی الجراحت ابو الفرج ابن القف)

**علم الجراحت** کے موضوع پر تمام دنیا میں ابو القاسم زہراوی کی کتاب التصریف جس میں علم الجراحت کے متعلق ایک مکمل علمی و عملی نظام موجود ہے جس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جو جدید سرجری کی منبع ہے جس سے یورپ نے صدیوں تک استفادہ کیا ہے جس میں ساتھ ساتھ تمام آلات جراحیہ کی تصاویر و اشکال بھی دی گئی ہیں اور اس سے پہلے دنیا میں کوئی ایسی کتاب موجود نہ تھی اس کتاب میں ناخونہ۔ نزول الماء۔ خنازیر۔ فتق الاربیہ (ہرنیا) قیلۂ مائی۔ رائیۃ (دبیل) قیلۃ الحلقوم (گیوائٹر) سرطان (کینسر) ناسور اور سولیاں غدودوں اور معدہ کا کامیاب اپریشن اور اخراج [illegible] ب استسقاء زقی اور رحم سے اخراج جنین میت اور گردے اور مثانے سے پتھری نکالنے

کا عملی بیان بالوضاحت درج ہے اور کسر و خلع عظام اور داغ و دیگر عوارض کا علاج کرنے کے مباحث
خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ کتاب صدیوں تک یورپ کی طبی درس گاہوں میں شریک نصاب رہی ہے
علم الکیمیا:۔ علم کیمیا میں جابر بن حیان اور محمد زکریا رازی۔ امام جعفر صادق جیسے کیمیادان پیدا
ہوئے جنہوں نے کیمیا کے بنیادی اجزا الکوحل۔ تیزاب شورہ۔ تیزاب نمک اور گندھک کا تیزاب تیار
کیا اور اس سے سونے کا محلول (ماء الملوک) اور چاندی کا سیال مرکب (ماء الفضہ) تیار کیا اور عمل تبخیر و
تقطیر کے لیے ترنبیق اور ادویہ کا ست نکالنے کے آلات ایجاد کیے اور سمی (زہریلی) ادویہ کو ملائم اور صحت
بخش ادویہ میں تبدیل کیا۔ سونے چاندی کو الگ الگ کرنے اور ان کو صاف کرنے اور پارہ ملا کر چاندی
نکالنے کا طریقہ دریافت کیا۔ ابوریحان محمد ابن احمد البیرونی نے مختلف دھاتوں مثلاً سونا، چاندی، تانبہ، لوہا
اور جست کا مخصوص وزن دریافت کیا۔

علم النباتات :۔ عبداللہ ابن احمد ابن البیطار نے اچھی طرح افریقہ اور ایشیا کو کھنگالا اور
اس نے اپنی تصنیف الجامع فی الادویۃ المفردہ میں قریباً ڈیڑھ ہزار جڑی بوٹیوں کے نام اور اُن کے مزاج
اور خواص و افعال کے علم کو جمع کیا اور مسلمان حکمائے حج پر جاتے ہوئے یا سیاحت کے دوران میں
انھوں نے پودوں کی کئی نئی نئی قسمیں معلوم کیں اور ان کو دوا سازی کے کام میں لایا گیا اور قرابادین میں
اتنی ترقی کی اور علم العلاج میں بہت سے ایسے طریقے رائج کیے جن کی دریافت و تصنیف پر طب مغربی
کا دارو مدار ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ علم العلاج میں طب مغربی کی بنیاد ادویہ کے افعال و خواص پر
ہے طب مشرقی کی بنیاد ارکان مزاج اخلاط اور افعال ادویہ پر ہے۔

یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ انکشافات ہمیشہ تدریجی صورت اختیار کرتے ہیں جیسے کہ مسئلہ دوران خون
کو لیجیے افلاطون اور بقراط نے خون قلب و شرائین کے تعلق کو واضح کیا اور جالینوس نے دوران خون صغیر
بیان کیا۔ علامہ علی حسین گیلانی نے شارح قانون میں تحریر کیا ہے کہ
الدم دائمہ الحرکۃ (ارمغان ص۲۴) اصول مدارج انکشاف کے مطابق یہ کہا جا سکتا ہے کہ
اطبائے قدیم نے جراثیم کو معلوم کر لیا تھا مگر اطبائے جدید نے اس کی اس تک چھان بین کی کہ
اسے ایک مستقل علم بنا دیا اور یہ ظاہر ہے کہ زمانہ قدیم میں طاقتور خوردبین نہ ہونے کی وجہ سے
اشکال و اوصاف اور شمائل و خصائل معلوم نہیں کیے جا سکتے تھے۔ مگر وہ ان کے وجود سے بے خبر نہ تھے

اسباب مرض میں طب قدیم وطب جدید میں مسئلہ جراثیم میں اختلاف ہے طب مغربی نے امراض تعفنیہ کا سبب جراثیم کو قرار دیا اور ہر مرض کا ایک خاص جرثومہ متعین کیا ہے۔ اگر طب قدیم کو بامعان نظر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اطبّاء نے اکثر متعدی امراض کا سبب رطوبت فاسدہ ومتعفنہ کو قرار دیا ہے اسی لیے بعض اطبّاء کا بیان ہے کہ "طب جدید کا جرثومہ طب قدیم کا تعفن ہے"۔ اور اس لیے دونوں میں صرف لفظی اختلاف ہے۔ بعض دوسرے اصحاب تعفن سے دیدان کی تولید کا مشاہدہ پیش کرتے ہیں اور ان کا بیان ہے کہ تولید جراثیم و دیدان میں طب قدیم وطب جدید میں عفونت کا سبب قرار دیا گیا ہے اس لیے دونوں میں کوئی مغایرت نہیں۔ مگر جن لوگوں کو طب مشرقی وطب مغربی دونوں پر نظر عمیق حاصل ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ دونوں نظریے کمزور ہیں اول تو طب مغربی نے نہ تو عفونت کو جراثیم قرار دیا اور نہ ہی عفونت کو اس کا مادی سبب تسلیم کیا ہے اور نہ ہی دیدان وجراثیم کو ایک ہی قسم قرار دیا ہے ماہرین جراثیم کی رائے ہے کہ جرثومہ ایک ذی حیات بے انتہا مختصر ہوتا ہے جس کی ترکیب نہایت سادہ ہوتی ہے۔ جراثیم کا ہر فرد ایک واحد خانہ ہوتا ہے یہ خانہ اس کا پورا جسم ہے جو باوجود بےگر اعضاء نہ ہونے کے حرکت کرتا ہے یہ جراثیم دس لاکھ ایک پیسہ پر رکھے جا سکتے ہیں اور جراثیم کے خانہ کے اندر مادہ حیات پایا جاتا ہے۔ برخلاف اس کے دیدان میں ہزاروں خلیات پائے جاتے ہیں اور جراثیم کی پیدائش انقسام یا تکوین بذر سے ہوا کرتی ہے اور محققین جراثیم کی پیدائش عفونت سے تسلیم نہیں کرتے بلکہ تعفن کا موجب جراثیم کو قرار دیتے ہیں اس لیے طب جدید وطب قدیم میں مطابقت نہیں ہو سکتی۔

اس کے جواب میں عرض کروں گا کہ ناظرین اگر ذرا نظر عمیق سے کام لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ موجودہ علم الجراثیم طب قدیم کے نظریہ کی تائید کر رہا ہے۔ محققین جراثیم نے ثابت کیا ہے کہ جراثیم ایک خاص قسم کی سمیت کو خارج کرتے ہیں جس کو اصطلاح میں سمیّت (ٹاکسین سمین) کہتے ہیں۔ یہ سمیت یا تو جراثیم کے وجود سے باہر رستی رہتی ہے اور وہ امراض پیدا کرتی ہے یا یہ جراثیم کے اندر ہی رہتی ہے اور وہاں سے ہی امراض کا موجب بنتی ہے اسی طرح محققین نے بیان کیا ہے کہ یہ مختلف جراثیم عفونت پیدا کرتے ہیں اور یہ تعفن امراض کا موجب ہوتا ہے۔ اب آپ قانون شیخ اور شرح اسباب وغیرہ پر نظر ڈالیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اطباء قدیم نے وضاحت کے ساتھ وبائی ومتعدی امراض کا موجب سمیت وتعفن قرار دیا ہے گویا علم الجراثیم نے آخری طور پر جس چیز کو سبب مرض سمجھا ہے اسی کو ہمارے بزرگوں نے اس قدر عرصے

قبل مرض کا حقیقی سبب معلوم کر لیا تھا۔ اگر آپ قانون شیخ وغیرہ میں حمی وبائیہ۔ ہیضہ۔ سل۔ چیچک۔ جذام وغیرہ کے متعلق ملاحظہ فرمائیں گے تو ان میں عفونت وسمیت کا تذکرہ ہوگا مثلاً الوبا ھو تعفن یعرض فی الھواء الوباء شبہ یغیّر فی جو الھواء الی الفساد والعفونۃ وغیرہ اور یہ امراض تعدیہ جن کا ذکر کتب طب قدیم میں موجود ہے یہ طب جدید کی تحقیق نہیں ہے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ہندو کا قدیم اصول اچھوت دراصل اسی تعدیہ کا نتیجہ ہے اور تعدیہ کے علاوہ بعض جراثیم کا خاصا حدّت سمیہ طب جدید نے بیان کیا ہے طب قدیم نے فاسد و متعفن مادہ کی سمیّت کا تذکرہ کیا ہے۔ طب جدید نے جراثیم کے مقابلے میں مناعت اور استعداد مرض کا بیان کیا ہے۔ اطبائے قدیم نے بھی قوت مدافعت مرض اور استعداد مرض کا بیان کیا ہے۔ تعدیہ کے علاوہ جراثیم کا خاصا تعفن و تخمیر ہے تو اطبائے قدیم شیخ الرئیس وغیرہ نے بھی جا بجا تعفن و تخمیر سے بحث کی ہے اور فساد عفونت کو سبب مرض قرار دیا ہے۔

روس کے مشہور محقق جراثیم میچنی کاف نے جراثیم اور قوت مدافعت مرض کے مقابلہ کا ذکر کیا ہے اطبائے قدیم بوعلی سینا وغیرہ نے بھی بحران پر تذکرہ کیا ہے۔ طب جدید نے بعض امراض وبائیہ کے متعلق تسلیم کیا ہے کہ ان کے جراثیم ہوا میں پائے جاتے ہیں۔ اطبّائے قدیم نے بیان کیا ہے کہ ایّام وباء میں ہوا فاسد و متغیّر ہو جاتی ہے۔ ہندوستان جینی فرقہ کے علماء ذی حیات اجرام کے تحفظ کے لیے منہ پر کپڑا باندھنے کا رواج اب بھی موجود ہے بلکہ وہ پانی میں اجرام کا پایا جانا بھی مانتے ہیں ان کے علاوہ آج سے ہزاروں سال پہلے یونان کے سب سے بڑے طبی دیوتا اسقلی بیوس اول نے کہا کہ سبب امراض وہ غیر طبعی ذرّات ہیں جو باختلاف اشکال و تعداد و نظام و حرکات جسم انسانی پر اثر انداز ہوتے ہیں (طب العرب ص ۴۲۵) خارش کے کیڑے (راج مائٹ) کو سب سے پہلے ایک عرب طبیب نے مشاہدہ کیا۔ چنانچہ یہ عرب ابوالحسن احمد بن محمد طبری ۳۶۶ھ صاحب معالجات القراطیہ تھا اس نے تحریر کیا ہے کہ اکثر اوقات جرب میں جوں کی لیکھ جیسے کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں (بحوالہ شرح اسباب حصہ سوم ص ۱۳۲۱ طبع ہفتم) طب قدیم میں دانتوں میں کیڑا لگ جانا مشہور ہے یہ کیڑا فی الحقیقت جرثومہ ہے اور غیر مرئی ہے۔

**عمل تلقیح:** طب قدیم میں احتقان کا اصول موجود ہے کہ دواؤں کو جلد کے ذریعہ خون میں پہنچایا جائے۔

① چنانچہ عہد قدیم میں پچ اور سوئیاں لگا کر اور اس کے اوپر دوائیں چھڑک دیتے تھے تاکہ دواؤں کا اثر خون تک پہنچ جائے چنانچہ ایورویدک میں سرسام اور مار گزیدہ میں پہلے پچ لگا کر پھر دوا اس پر مل دیتے تھے تاکہ دواؤں کا اثر دوران خون میں شامل ہو جائے۔

② اطبار قدیم کو تحفظِ چیچک کے بارے میں یہ اصول یاد تھا کہ مرض کی سمیت کو یا اس کے جراثیم حاصل کیے جائیں اور دوسرے انھیں براہِ راست خون میں ملا دیا جائے چنانچہ گائے اور گھوڑی کے تھنوں میں عموماً چیچک نکلا کرتی ہے اور ان کے بدن میں چیچک کا مادہ اور جراثیم پائے جاتے ہیں ملاحظہ فرمائیے حکیم سید ابوالحسین تبریزی اور حکیم اکبر حسین شیرازی تحریر فرماتے ہیں کہ جس گھوڑی نے پہلا بچہ دیا ہو۔ اس کا پہلی بار دودھ نکال کر سایہ میں خشک کرلیں اور ایک سرخ کی مقدار میں بچہ کو کھلا دیں اس سے بچّہ چیچک سے محفوظ رہتا ہے۔ ذرا غور فرمائیں سایہ کی قید اس لیے لگائی تاکہ جراثیم مرض ہلاک نہ ہو جائیں۔

③ خلاصہ التجارب اور اکسیر اعظم میں مرقوم ہے کہ چیچک کے خشک چھلکوں کو پیس کر مصری کے ساتھ بچوں کو کھلانے سے بچے چیچک محفوظ رہتے ہیں۔

④ بعض تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکیشیا اور کوہ قاف کے تاجر کنیزوں کو اُن کی خوبصورتی کے تحفظ کے لیے چیچک کا ٹیکہ لگواتے تھے۔

⑤ ٹرکی کی قدیم تاریخ دوجروت (جو برطانیہ کے عجائب گھر میں ہے) بچھڑے سے ٹیکہ لینے کی تصریح کی گئی ہے۔

⑥ انگلستان کی ایک مشہور لیڈی وارٹلی مانٹگو کے خطوط انگلستان میں شائع ہو چکے ہیں لیڈی موصوف نے ۱۷۰۱ء میں ٹرکی سیاحت کی۔ اور وہ تحریر کرتی ہے کہ ہر سال ترکی میں موسم خزاں میں ضعیف مسلمان عورتوں کی ایک جماعت بہترین قسم کی چیچک کا مادہ چھالیا کر خالی کر کے بھر لیتی ہیں اور بڑی سوئی سے رگوں کو چھید کر سوئی کے سر کے برابر زہر یلا مادہ بھر دیتی ہیں پھر ایک خالی چھلکے کا ٹکڑا زخم پر رکھ کر باندھ دیتی ہیں۔ آٹھ دن کے بعد بچوں کو دو تین روز کے لیے بخار ہو جاتا ہے یہ مادہ بعض جگہ بچھڑوں سے حاصل کیا جاتا اور بعض آدمیوں کی انگلیوں سے جو گائے کا دودھ دوہتے تھے۔ دراصل لیڈی لیڈی میری وارٹلی مانٹگو کے خاوند ٹرکی میں برطانوی نمائندہ تھے۔ لیڈی میری نے ٹرکی سے چیچک کا ٹیکہ لے کر انگلستان میں مروّج کیا ان واضح شہادتوں سے معلوم ہوا کہ نظریہ جراثیم اور عمل تلقیح کو یورپ نے

مسلمان اطباء سے لیا ہے اور عمل احتقان کے متعلق یہ کہنا کافی ہے کہ اس کا ترکوں میں عام رواج تھا
**خون میں انگوری شکر (گلوکوز):** شرح اسباب ج اول ص ۱۷۱ طبع ہفتم باب خناق ذبحہ اور ذاس مائی (واٹر بیڈ) کا ذکر شیخ الرئیس نے قانون میں حمیات کی بحث میں کیا ہے ابن الہیثم جس نے بصریات پر تحقیق کر کے تاریک کمرہ ایجاد کیا اور آلہ عکاسی کی راہ کو ہموار کیا اور علاوہ ان کے مسلمانوں نے عینک ایجاد کی اور تاریخ شاہد ہے کہ اورنگ زیب بادشاہ عینک استعمال کرتا تھا (مسلمان وسائیس از حکیم آفتاب احمد قرشی اور لفظ ابیض (رپڑول) کا ذکر ابوالحسن سہل بن ربن طبری نے فردوس الحکمت میں کیا (ارمغان ص ۵۴)
**شفاخانے:** مسلمان اطباء نے بغداد۔ قاہرہ۔ دمشق۔ موصل۔ حلب و اندلس میں کئی شفاخانے قائم کیے عہد المتوکل (عہد ایوبی) میں مصر میں متعدد شفاخانے کھولے گئے۔ قاہرہ کے عامل ابن طولون نے ۸۶۲ء میں ایک شفاخانے کے لیے تین لاکھ روپے کا عطیہ دیا۔ اس شفاخانے میں ہر مرض کے علاج کے لیے علیحدہ علیحدہ وارڈ تھے۔ دمشق میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایک فاطمی محل کو شفاخانے میں تبدیل کیا اس کی خصوصیت یہ تھی کہ زنانہ وارڈ الگ تھے اور یہاں عورتیں طبیب ہوتی تھیں اور ولید بن عبدالملک نے دمشق میں جذامیوں کے لیے پہلا ہسپتال قائم کیا اور اسی دور کے چھٹے خلیفہ منصور نے اندھوں، اپاہجوں۔ یتیموں اور دماغی امراض وغیرہ کے لیے دمشق میں شفاخانے قائم کیے۔ اس میں جراحی اور پاگلوں کے علیحدہ وارڈ تھے اور دمشق میں نورالدین نے اعلیٰ درجہ کی ڈسپنسری قائم کی اور بغداد کا سب سے بڑا شفاخانہ عضد الدولہ کا تھا اس کی عمارت کشادہ تھی اور یہ جدید ترین آلات سے لیس تھا درحقیقت یہ محض شفاخانہ نہ تھا بلکہ یہ طبی یونیورسٹی تھا جس میں طلباء کو لیکچر دیے جاتے اور اس میں ۸۰ سے زائد طبیب کام کرتے تھے ان میں ابونصر ماہر امراض چشم اور سرجن ابوالخیر۔ ابوصولت ابن بلیغ۔ ابویعقوب۔ اور ابو عیسےٰ شامل تھے۔ اندلس کے شہر قرطبہ میں پچاس شفاخانے تھے اور ان شفاخانوں میں مفت دوا، غذا اور راشن کے لیے انتظام تھا۔ اور ابوسید کوبوری نے اربلا میں اندھوں کے لیے چار شفاخانے قائم کیے اور مراکش میں ایک بہت بڑا شفاخانہ تھا جسے ابوالوحید مراکسی نے ۱۲۰۰ء میں قائم کیا یہاں نہ صرف غریبوں کا مفت علاج کیا جاتا بلکہ ان کو صحت کی بحالی کے بعد اتنی رقم بھی دی جاتی کہ جب تک ان کو کوئی کام نہ ملتا تو وہ اپنا گزارہ بخوبی کر سکتے تھے۔ (مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے ص ۴۸ تا ۵۶)

طبی انکشافات کے علاوہ مسلمانوں نے علم کے دیگر شعبوں میں شان دار خدمات سرانجام دی ہیں۔ غیاث الدین ابوالفتح عمر خیام جو بے نظیر مہندس ماہر فلکیات۔ شاعر، فلسفی و مفکر تھا جس کے کرۂ فلک کے سیاروں کے نام آج تک انگریزی میں موجود ہیں اس نے سلجوق سلطان ملک شاہ کی فرمائش پر ایک کیلنڈر تیار کیا جس میں پانچ ہزار سال کے دن رات میں صرف ایک دن رات کا فرق پڑتا تھا۔ عرب دانشوروں نے اسطرلاب کو تیار کیا اور قطب نما کو جہازرانی میں استعمال کر کے یورپ میں پہنچایا۔ اور ٹین اور رُوئی کے چیتھڑوں سے کاغذ تیار کیا چنانچہ اندلس میں کاغذ کا بہت بڑا کارخانہ تھا۔ بارُود اور توپ کو ایجاد کیا اور آلات آب پاشی بنائے اور لنگردار گھڑیاں تیار کیں چنانچہ مسجد دمشق کی گھڑی مشہور ہے اور پانی کی گھڑی تیار کی۔ قالین وفن پارچہ بافی میں بے نظیر کمال پیدا کیا اور فن تعمیرات میں اندلس کا الحمرا۔ جامع قرطبہ۔ مدینۃ الزہرہ۔ بیت المقدس میں مسجد حضرت عمرؓ۔ عراق میں روضہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح۔ اصفہان میں جامع اصفہان۔ مسجد اشترفان۔ مسجد لطف اللہ۔ چہل ستون۔ مدرسہ امامی جو فن تعمیرات کا بہترین نمونہ ہیں۔ مغل حکمرانوں نے سمرقند میں تیمور کا مقبرہ۔ شاہ زندہ جو اسلامی معماروں اور صناعوں کا لاجواب شاہکار ہے۔ سرزمین پاک و ہند میں عظیم المنزلت عمارت روضہ تاج محل (جس کو دیکھ کر ایک شاہی خاندان کی یورپین لیڈی نے کہا تھا کہ اگر مجھے یقین دلایا جائے کہ مرنے کے بعد مجھے اس عمارت میں دفن کیا جائے گا تو میں ابھی مرنے کو تیار ہوں) دہلی کی جامع مسجد اور لال قلعہ اور جاذب نظر عبادت گاہ موتی مسجد۔ خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے لیے قطب الدین ایبک کی مسجد قوت الاسلام اور اس کے عظیم الشان مینار۔ لاہور کی بادشاہی مسجد اور وزیر خاں کی مسجد، جہانگیر کا مقبرہ اور دیگر آگرہ۔ دہلی لاہور کی شاہی عمارات جس کے دلربا پھول بوٹے۔ خطاطی اور مظاہر قدرت اور جس کی خوبصورتی کو دیکھ کر انسان مسحور ہو جاتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اگر مسلمان حکمران ہنرمند۔ صناع اور صاحب کمال لوگ اپنی یادگاریں نہ چھوڑتے تو آج عربی تہذیب کا پتہ نہ چلتا۔

صرف طب و فلسفے کے متعلق تحقیقات کی بلکہ ریاضی و ہیئت کی کتابوں میں بے شمار ایسے کلیے ہیں جو مسلم ریاضی اور ہیئت دانوں کی کاوش فکر کا نتیجہ ہیں مگر چونکہ وہ ہمارے سامنے انگریزی طرز تحریر میں آتے ہیں اس لیے ہمارے طلبہ اور اساتذہ ان کو مغربی دانشمندوں کے کارنامے سمجھ لیتے ہیں۔ دوستو۔ مقام عبرت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرب و اسلامی ممالک کو رُوحانیت سے بھی نوازا اور ان کو مادی دولت سے بھی

سرفراز کیا۔ بصرے وعدن کے نایاب موتی مصراور افریقہ کے سونے چاندی اور ہیرے کی کانیں، ربڑ خوشبودار گرم مصالحہ اور فواکہات اور دنیا کی بیش قیمت شئے پٹرول آج بھی موجود ہے مگر اس دولت سے والیٔ ملک اور اُمراء نے اپنا ہی پیٹ پالا اور غریب عوام کو اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچا البتہ یورپ کے مہذب ٹھیکہ داروں نے اسلامی ممالک کی دولت کو خوب بندر بانٹ کی طرح سمیٹا اور یورپ میں جا کر عیش کی زندگی بسر کرتے رہے۔

آخر میں طبِ مغربی وطبِ مشرقی کے معالجوں کی خدمت میں میری گزارش ہے کہ دونوں مل جُل کر مرضوں کے اصل سبب کو رفع کرنے پر اور علاج کے بنیادی مسائل پر مفید مشورے کریں اور ملک کی معجزہ نما جڑی بوٹیوں پر تحقیقات کریں اور ان سے استفادہ کریں تاکہ کروڑ ہا روپیہ جو غیر ملکی ادویہ پر صرف ہوتا ہے اُس کی بچت ہو اور ملک وقوم صحت مند اور فلاح وترقی سے ہمکنار ہو۔ عزیز دوستو! ہر کامیابی کے پیچھے ایک قربانی اور مسلسل محنت ہوتی ہے۔ جب ہم صحیح نصب العین اور دستور العمل پر محنت نہ کریں گے تو کامیابی کیسے ہو گی؟ ضرورت تو اس امر کی ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہ بیٹھے رہیں بلکہ خوب محنت کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی نیک محنت میں برکت عطا فرمائے گا انشاء اللہ۔

حرکت میں ہوتی ہے برکت خدا کی

عجائباتِ قلبیہ : دل ایک روشن چراغ ہے جس میں زندگی کی آگ روشن ہے اللہ تعالیٰ کی حکمت ملاحظہ فرمائیں کہ اس نے کس طرح بدن کے اندر سے دو نہریں (شرائن) ہاتھوں کی طرف جاری کیں اور پھر ان میں قلب سے خون جاری کیا ہے تاکہ خون صحیح قلب میں اس طرح حرکت کرے جس طرح دریا میں پانی لہریں مارتا ہے تاکہ خون کی حرکت اور کثرت ہو جس طرح دریا کے جوش سے موجیں پیدا ہوتی ہیں اور نبض کے مقام پر مدّ وجزر کی طرح سے اضطراب اور اختلاف ظاہر ہو جیسے تموّج کے وقت دریاؤں میں پیدا ہوتے ہیں اور نفس میں قبض ومنبسط کا ہونا بالکل دریا کے مدّ وجزر کی طرح ہے دوستو۔ علم حقیقت ایمان کی نبض ہے اور علم ظاہرہ میں نبض قبض پر دلالت کرتی ہے اور علم حقیقت میں دل تمام مخلوقات پر دلالت کرتا ہے گویا کہ قلب تمام کائنات کی نبض ہے بس نبض کی حرکات مثل ہیجانِ قلب کے ہیں جو بدن کے احوال کی خبر دیتی ہیں اسی طرح قلب کا ہیجان احوالِ ملکوت کی خبر دیتا ہے نبض کی جگہ دونوں ہاتھوں میں ہے اور قلب کی جگہ رحمٰن کی دونوں انگلیوں میں (قلب المومن بین

اصبعین من اصابع الرحمٰن) نبض جو اپنے اندر صوت القفقس جیسا دقیق علم اور یہ اپنے اندر بے انتہا اسرار پنہاں رکھتی ہے اس کے رازِ علم کو سمجھنے کے لیے مسلسل اصولی جدوجہد۔ غور و فکر، تجربہ و مشاہدہ، مہارت تامہ اور صحبت کاملانِ فن کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح قلب ظاہرہ میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے باطن میں اللہ تعالیٰ کا ٹیلی وژن ہے جس میں تمام عالم کا عکس پڑتا ہے بشرطیکہ اسے انبیائے کرام اور اہل اللہ کے طریق پر چالو کیا جائے تو قلب بینا ہو جائے گا اور ہر چیز کی حقیقت سمجھ لے گا۔

رجوع الی اللہ : اور یہ بھی یاد رہے کہ اللہ اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے اور وہ ہر چیز پر قادر مطلق ہے اور مالکِ ارض و سما ہے اور اسی کی طرف کل امر کا رجوع ہے ہمارا ایمان ہے کہ دافع امراض صرف شافی مطلق اللہ تعالےٰ کی ذات بابرکات ہے وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے) جب تک اللہ رب العزت کی مدد اور اس کی بہتری شریک حال نہ ہو گی وہ فکر علاج درست نہ ہو گا: اگر طبیب بیماری کی شناخت اور علاج سے عاجز ہو جائے تو خدائے بزرگ و برتر جو زندگی اور موت کا مالک، صحت عطا کرنے والا، شفا کا خالق اور ہر ایک علاج کا وجود میں لانے والا ہے اس کی طرف رجوع کرے اور اس سے مدد چاہے اور بارگاہِ ذوالجلال میں یہ دعا مانگے۔

| | |
|---|---|
| اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ. اَذْهِبِ الْبَأْسَ | اے انسانوں کے پالنے والے بیماری کو ختم کر دے |
| وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ. لَاشِفَاءَ اِلَّا | اور شفا عطا فرما تو ہی شفا دینے والا ہے جو کسی بیماری |
| شِفَاءُكَ شِفَاءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا۔ | کو نہیں چھوڑتا۔ |

زہر میں بھی تیری قدرت سے شفا موجود ہے ۔۔۔ گر نہ ہو رحمت تیری تریاق بھی بے سود ہے

ملاحظہ ہو شیخ الرئیس بو علی سینا کو جب کسی باریک علمی مسائل پر غور کرتے سمجھ میں نہ آتا اور وہ مسئلہ حل نہ ہوتا تو وہ وضو کر کے جامع مسجد میں چلے جاتے اور بے حد خلوص و حضور قلب سے نماز پڑھتے اور درگاہِ خداوندی میں نہایت خشوع و خضوع سے دعا کرتے یہاں تک کہ اس مسئلے کی پیچیدگی دور ہو جاتی۔ مسجد سے رات کو پلٹ کر گھر آتے تو چراغ سامنے رکھ کر لکھنے پڑھنے میں مشغول ہو جاتے۔ جب نیند کا غلبہ ہو جاتا اور اسی حالت میں جھپکی آ جاتی تو خواب میں بھی وہی مسائل نظر آتے یہاں تک کہ بہت سے مسائل کی حقیقت ان کو خواب میں معلوم ہو جاتی اس طریقے سے شیخ کو تمام علوم و فنون میں اس قدر کمال حاصل ہو گیا کہ پھر بقیہ عمر میں اس میں کوئی اضافہ نہ ہو سکا۔ وہ اپنے دوست کو ایک خط میں فرماتے ہیں خوب یاد

[illegible] نماز بہترین عمل ہے اور روزہ بہت اچھا سبب تسکین اور صدقہ تمام نیکیوں سے بڑھ کر مفید نیکی ہے اور تحمل و بردباری پاکیزہ ترین خوبی (تاریخ الاطبا) دوستو! نماز ایمان کی آواز ہے۔ دنیا میں ہر چیز کا جوڑ ہے جیسے دکانداری کا جوڑ گاہک سے۔ تاجر کا تاجر سے۔ پیشہ ور کا پیشہ ور سے اور خون کا خون سے جوڑ ہوتا ہے یہ سب مادی جوڑیں جو دنیا میں تو فائدہ دے سکتے ہیں مگر مرنے کے بعد یہ سب جوڑ ٹوٹ جائیں گے لیکن [illegible] دنیا میں بھی مضبوط رہے گا اور آخرت میں بھی وہ جوڑ [illegible] جڑے گا بلکہ اس سے بھی زیادہ [illegible] ہوگا۔

**قلبی و قالبی امراض**: جس طرح غذاؤں کا اثر انسان کے جسم میں پہنچتا ہے اور انسان کا جسم اس سے متاثر ہو کر اچھے اور برے انفعال قبول کر لیتا ہے اور اچھی و عمدہ غذائیں صحت اور قوت کا باعث بن جاتی ہیں نیز ردی اور خراب غذا مہلک امراض پیدا کرتی ہے اسی طرح پر نفس انسانی اعمال و اخلاق کے اثرات و کیفیات کو قبول کر کے اپنے اندر جذب کر لیتا ہے اور یہ اثرات انسان کے مرنے کے بعد قائم رہتے ہیں اور نیک اعمال اہل اللہ کے لیے ترقی کا باعث بن جاتے ہیں۔ دوستو! انسان کے اعضا میں جو امراض پیدا ہو جاتے ہیں ان کو دور کرنے کی سعی سب لوگ کرتے ہیں مگر جو روحانی مرض دل میں پیدا ہو جائے اس کا علاج نہیں کرتے حالانکہ امراض قلبی انسان کی راحت ابدی کو تباہ و برباد کر دینے والے ہوتے ہیں اور یہ بھی یاد رکھیں کہ امراض بدنی میں انسانی قویٰ اور اعضا میں ضعف واقع ہو جاتا ہے اور امراض قلبی میں یقین و ایمان کی کمی ہو جاتی ہے اور یہ نور ایمان جو مسلمان کے لیے سب سے بڑی نعمت ہے اور سعادتِ ابدی کے لیے بمنزلہ تخم کے ہے اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کا بیج انسان کے پاکیزہ دل میں بریا اور اس شجر کی آبیاری کو اپنی اطاعت قرار دیا۔ اور جو دوائیں یا غذائیں بدن کو طاقت یا امراض کو دور کرتی ہیں ان کی جو تاثیر پیدا ہوتی ہے اس کا ادراک عقلائے زمانہ کو میسر نہیں اور نہ حکما ان تاثرات کو عقلی سرمایہ سے معلوم کر سکتے ہیں کہ یہ دوائیں کیوں اور کیسے بدن کے اندر اثر پیدا کرتی ہیں اسی طرح روحانی امراض کے علاج میں جس مخصوصہ عبادات کی حدود سے جو تاثرات پیدا ہوتے ہیں ان کا علم بھی عام انسانی عقل کو میسر نہیں۔ ان علوم کی تحصیل کے لیے بدن کے علم کے لیے حکما کی پیروی اور روحانی امراض کے لیے انبیاء مرسلین کی تقلید و اتباع لازمی ہے ؎

بس علم تو دو ہی ہیں بحکم شہ لولاک ایک علم راہِ دیں دوم علم بدن کا

دوستو! کثیف چیزوں کا مشاہدہ حواسِ ظاہرہ سے ہوتا ہے اور کثیف کو دیکھا اور چھُوا جا سکتا ہے۔ لیکن لطیف کو محسوس کیا جاتا ہے مگر دیکھا نہیں جا سکتا اور نہ ہی چھُوا جا سکتا ہے۔ خوشبو بھی لطیف ہے اس کی آمد کا احساس ہوتا ہے مگر ہماری گرفت میں نہیں آ سکتی۔ اسی طرح رُوح بھی لطیف ہے وہ بدن میں اسی طرح سرایت کیے ہوتے ہے جس طرح گلاب کے پھُول میں خوشبو یا کوملے کے دہکتے ہوئے انگارے میں آگ یا حرارت۔ اور روحوں کے گھر پانچ ہیں اول عالمِ ارواح۔ دوسرا ماں کا پیٹ جو محدود تنگ و تاریک ہے تیسرا گھر دنیا ہے جو انسان کے لیے کھیتی کی مانند ہے جہاں انسان خیر و شر اور سعادت و شقاوت کی کھیتی کرتا اور اس کے اسباب فراہم کرتا ہے چوتھا گھر عالمِ برزخ ہے جو دنیا سے وسیع اور بہت بڑا ہے۔ پانچواں گھر آخرت ہے جس میں موت نہ ہوگی انسان کو اپنے اعمال کے بدلے ہمیشہ کے لیے راحت یا عذاب ملے گا۔ صاحبو! یہ دنیا فانی ہے اور آخرت غیر فانی ہے اس لیے آخرت کے طالب، خوفِ خدا اور فکرِ آخرت والے انسان ہی کامیاب ہوتے ہیں، جو اس دنیا میں ہم اعمال کریں گے اس کا بدلہ آخرت کی زندگی میں ملے گا دنیا اور آخرت کی زندگی انسان کے اعمال سے مبنی ہے۔ یہ فانی جسم جو روح کا لباس ہے اس کا فنا ہونا ضروری ہے اور رُوح کی وجہ سے انسان کی ذات میں خدا کا عکس دکھائی دے رہا ہے، ورنہ میّت میں بھی تو وہی اعضاء آنکھ، کان، دل دماغ موجود ہوتے ہیں مگر روح کی برقی قوت موجود نہ ہونے کی وجہ سے جسم کے اوصاف نہیں رہتے اور جس طرح جہاں میں آفتاب، چاند ستارے ہیں اسی طرح ہی جسم کو روشن کرنے والی روح آفتاب ہے اور جس طرح آفتاب غروب ہونے سے جہاں میں اندھیرا چھا جاتا ہے اسی طرح کی مفارقت سے جسم تاریک ہو جاتا ہے اور یہ عقل جو بمنزلہ چاند کے ہے جس طرح چاند آفتاب سے نور حاصل کرتا ہے اور گھٹتا بڑھتا ہے اسی طرح قوتِ عقل بھی کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوتی ہے وہ سب رُوح سے حاصل کرتی ہے گویا کہ عقل روح کی وزیر و خادمہ ہے اگر انسان اپنی روح کے اندر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو بسا لے جو دل کی حقیقی زندگی ہے تو دنیا اور آخرت دونوں میں وہ کامیاب ہو گیا۔ عزیز دوستو! اللہ تعالیٰ نے آپ کو بطور امانت پاکیزہ و بے عیب رُوح عطا فرمائی ہے اسے ـــــ ناپاک و تاریک نہ ہونے دیں اور اپنے نفس کا محاسبہ کریں اور اپنے اعضا سے کوئی ایسا کام نہ کریں جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہو اور عمل صالح کریں اور اس کی توفیق ربّ العزت

سے مانگتے رہیں تاکہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور میں خوشنودی کا باعث ہو۔
اللہ جل شانہٗ آپ کو اور مجھے عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے اور قلبی و قالبی بیماریوں
سے محفوظ رکھے۔ آمین

# تمت بالخیر

ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم

○

الحمد للہ! آج بتاریخ یکم رمضان المبارک ۱۳۹۲ ہجری بروز منگل
بتوفیق فضل ربی اس مسودہ کی کتابت سے فراغت پائی۔

العبد الضعیف، خادم العلماء والفقراء والاطباء

احقر الحکیم، رحمت اللہ امرتسری ثم لاہوری، عفا اللہ عنہ

○

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ
سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَاٰخِرُ
دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۞

○

# چہل (۴۰) احادیث

(۱) عن زید بن ارقم قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من قال لا الٰہ الا اللّٰہ مخلصاً دخل الجنۃ قیل وما اخلاصہا قال ان تحجزہٗ عن محارم اللّٰہ

(رواہ الطبرانی فی الاوسط والکبیر)

حضرت زید بن ارقمؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں، جو شخص اخلاص کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ کہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ کسی نے پوچھا کہ کلمہ کے اخلاص (کی علامت) کیا ہے آپ نے فرمایا کہ حرام کاموں سے اس کو روک دے۔

(۲) عن ابی قتادہ بن ربعی قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اللّٰہ تبارک وتعالٰی انی افترضت علٰی امتک خمس صلوات وعہدت عندی عہدًا انہٗ من حافظ علیہن لوقتہن ادخلتہ الجنۃ فی عہدی ومن لم یحافظ علیہن فلا عہد لہٗ عندی۔

(کذا فی الدر المنثور بروایت ابی داؤد و ابن ماجۃ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے یہ فرمایا کہ میں نے تمہاری امت پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور اس کا میں نے اپنے لیے عہد کر لیا ہے کہ جو شخص ان پانچوں نمازوں کو ان کے وقت پر ادا کرنے کا اہتمام کرے اس کو اپنی ذمہ داری پر جنت میں داخل کروں گا اور جو ان نمازوں کا اہتمام نہ کرے تو مجھ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔

(۳) عن ابی عمرانؓ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال صلوٰۃ الجماعۃ افضل من صلوٰۃ الفذ بسبع و عشرین درجۃً۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جماعت کی نماز اکیلے کی نماز سے ستائیس درجہ زیادہ ہوتی ہے۔

(رواہ مالک والبخاری ومسلم والترمذی والنسائی)

(۴) من عثمانؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خیرکم

حضرت عثمانؓ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ

مَن تعلّم القراٰن وعلّمہٗ ۔
(رواہ البخاری وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ)

تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن شریف کو سیکھے اور سکھائے ۔

(۵) عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال تنکح المراۃ لاربع لمالھا ۔ ولحسبھا وجمالھا ولدینھا فاظفر بذات الدین ۔ تربت یداک
(بخاری)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابُو ہریرہ رضؓ سے ارشاد فرمایا ۔ نکاح کے وقت عورت میں چار چیزیں دیکھی جاتی ہیں ۔ مال ، نسب ، دین داری اور حسن ۔ تم کو دین دیکھنا چاہیے ۔

(۶) انی لا اصافع النساء (ترمذی)

میں عورتوں سے مُصافحہ نہیں کرتا ہُوں ۔

(۷) ونساء کاسیات عاریات ممیلات مائلات رؤسھن کاسنمۃ البخت المائلۃ لا یدخلن الجنۃ ولا یجدن ریحھا وان ریحھا لیوجد من مسیرۃ کذا وکذا ۔
(مسلم)

حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ایسا زمانہ بھی آئے گا جبکہ) عورتیں لباس تو پہنے ہونگی مگر برہنہ ہونگی ۔ ناز سے شانوں کو گھما کر لچکدار چال سے چلیں گی ۔ ان کے سر بختی اونٹوں کے لچکدار کوہان کی طرح ہونگے ایسی عورتیں نہ تو جنّت میں داخل ہونگی اور نہ ہی جنّت کی خوشبو پائیں گی باوجود کہ جنّت کی خوشبو اتنے فاصلے سے آئے گی ۔

(۸) للمرأۃ ستران : القبر والزوج
(ابن عدی فی الکامل)

عورتوں کے لیے پردہ صرف دو چیزیں ہیں ایک قبر دوسرے اس کا شوہر ۔

(۹) حق الولد علی الوالد ان یعملہ الکتابۃ والسباحۃ والرمایۃ وأن لا یرزقہ الا طیبا ۔ (بیہقی)

اولاد کا والد پر یہ حق ہے کہ وہ اس کو لکھنا پڑھنا ، تیرنا اور تیراندازی کرنا سکھائے اور اس کو طیب حلال مال کی روزی کما کر کھلائے ۔

(۱۰) بروا آباءکم تبرکم ابناکم وعفوا تعف نساؤکم ۔
(ترغیب ترہیب)

تم اپنے والدین کا اکرام کرو تمہاری اولاد تمہارا اکرام کریگی ، تم خود عفت و پاکدامنی اختیار کرو تمہاری عورتیں بھی پاکدامن رہیں گی ۔

(۱۱) فان الجنة عند رجليها (بخاری نسائی مشکوٰۃ)

ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے

(۱۲) لیس المؤمن الذی یشبع وجاره جائع إلی جنبه (جامع صغیر)

وہ شخص کامل مسلمان نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔

(۱۳) (عن ابی هریرة) ان رجلا شکیٰ الی النبی صلی الله علیه وسلم قسوة قلبه قال امسح رأس الیتیم واطعم المسکین۔ (رواہ احمد مشکوٰۃ)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی کہ میرا دل بہت سخت ہے آپؐ نے فرمایا کہ یتیموں کے سر پر شفقت کے ساتھ ہاتھ پھیرا کرو اور مسکینوں کو کھانا کھلایا کرو (دل نرم ہو جائے گا)

(۱۴) کان اٰخر کلام رسول الله صلی الله علیه وسلم الصلاة الصلوٰة اتقوا الله فیما ملکت ایمانکم۔ (مسند احمد)

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری کلام یہ تھا: نماز کی حفاظت کرو اور غلاموں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔

(۱۵) اتخذوا الغنم فإنها برکة (طبرانی خطیب)

تم بھیڑ بکریاں پالو کیونکہ ان میں برکت ہے۔

(۱۶) ان من احبکم الی احسنکم خلقا۔ (مسند احمد)

میرے نزدیک تم سب میں پسندیدہ لوگ وہی ہیں جو تم میں اخلاق کے لحاظ سے بہتر ہیں۔

(۱۷) وانه لیزل عن لسانه اشد ما یزل عن قدمه۔ (بیہقی)

پاؤں کی لغزش سے اتنا نقصان نہیں ہوتا جتنا زبان کی لغزش سے ہوتا ہے۔

(۱۸) من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه۔ (ترمذی)

آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی چیز کو ترک کر دے۔

(۱۹) تصافحوا یذهب الغل عن قلوبکم (جامع صغیر)

تم مصافحہ کیا کرو تمہارے دلوں سے کینہ و بغض دور ہوگا۔

(۲۰) جالسوا الکبراء وسائلوا العلماء و

عمر میں بڑوں کے ساتھ بیٹھا کرو اور علماء سے

خالطوا الحکماء ۔ (طبرانی)

سوال کیا کرو اور داناؤں کے ساتھ اٹھا بیٹھا کرو۔

(۲۱) سوء المجالسۃ شح و فحش و سوء خلق (جامع صغیر)

بُری صحبت، بخل، فحش کاری اور بد اخلاقی کا سبب ہے۔

(۲۲) لاحلیم الا ذوعثرۃ ولاحکیم الا ذوتجربۃ (ترمذی۔ مشکوٰۃ)

آدمی جب تک خود لغزش میں مبتلا نہیں ہوتا حلیم نہیں ہوتا اور جبتک تجربہ نہ ہو حکیم نہیں ہوتا۔

(۲۳) الجماعۃ رحمۃ والفرقۃ عذاب ۔ (جامع صغیر)

جماعت بندی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور تفرقہ بازی خداوند تعالیٰ کا عذاب ہے۔

(۲۴) اعطوا الاجیر أجرہ قبل ان یجف عرقہ ۔ (ابن ماجہ)

مزدُور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ہی اُس کی اُجرت دے دو۔

(۲۵) ان المسألۃ لا تصلح الا لثلثۃ لذی فقر مدقع او لذی عزم مفظع او لذی دم موجع ۔ (ابو داؤد)

سوال کرنا تین شخصوں کے لیے جائز ہے۔ محتاج خاک نشین کے لیے اور اُس شخص کیلیے جس پر بدحواس کر دینے والا قرض ہو اور اُس شخص کے لیے جس نے خون کیا ہو اور اُس پر دیت لازم آتی ہو۔

(۲۶) اطلبوا الرزق فی خبایا الارض (طبرانی۔ بیہقی)

زمین کے پوشیدہ خزانوں سے رزق تلاش کرو۔

(۲۷) انما الاعمال بالنیات (بخاری۔ ترمذی۔ مسلم)

اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے۔

(۲۸) اذا اردت ان تفعل امراً فتدبر عاقبتہ فان کان خیراً فامضہ وان کان شرا فانتہ (جامع صغیر)

جب تم کسی کام کو کرنا چاہو تو اس کے انجام پر غور کر لو۔ اگر وہ بہتر ہو تو کر گزرو اگر وہ بُرا ہو تو اس سے باز رہو۔

(۲۹) فواللہ ما الفقر اخشی علیکم و لکنی اخشی علیکم ان تبسط الدنیا علیکم کما بسطت

بخدا تمہاری تنگدستی سے مجھے اتنا اندیشہ نہیں ہے لیکن مجھے اس کا اندیشہ ہے کہ تمہارے پاس روپیہ بہت ہو جائے جیسا

علی من کان قبلکم فتنا فسوها کما تنافسوها و تهلککم کما اھلکتھم۔ (مسلم)

کہ پہلے لوگوں کے پاس روپیہ بہت ہو گیا تھا۔ پھر تم باہمی حرص وحسد میں مبتلا ہو جاؤ جیسے وہ لوگ ہو گئے تھے اور پھر یہ چیز تمہیں ہلاک کر کے رکھ دے جیسے ان کو ہلاک کیا تھا۔

(۳۰) الرفق راس الحکمۃ (جامع صغیر)

نرم کلامی حکمت و دانائی کی جڑ ہے۔

(۳۱) اضمنوالی ستا من انفسکم اضمن لکم الجنۃ اصدقوا اذ احدثتم و اوفوا اذا وعدتم و ادوا اذا ائتمنتم واحفظوا فروجکم وغضوا ابصارکم وکفوا ایدیکم۔ (مسند احمد)

تم میرے سامنے چھ باتوں کی ضمانت دو میں تمہارے لیے جنت کا ضامن بن جاؤنگا۔ جب تم بولو تو سچ بولو اور جب تم وعدہ کرو تو پورا کرو اور جب امین بنائے جاؤ تو امانت ادا کردو۔ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔ اپنی نگاہوں کو پست کرو اور اپنے ہاتھوں کو لوگوں کی ایذاؤں سے روکو۔

(۳۲) الاقتصاد فی النفقۃ نصف المعیشۃ والتودد الی الناس نصف العقل و حسن السوال نصف العلم۔ (مشکوٰۃ)

جس کو میانہ روی کے ساتھ خرچ کرنا آگیا اس کو عمدہ زندگی بسر کرنے کا نصف طریقہ آگیا جس کو لوگوں میں انس ومحبت کے ساتھ رہنا آگیا اسکو نصف عقلمندی کی بات آگئی اور جس کو فہم وسلیقہ سے سوال کرنا آگیا اسکو نصف علم نصیب ہو گیا۔

(۳۳) مامن ذنب بعد الشرك اعظم عنداللہ من نطفۃ وضعھا رجل فی رحم لا یحل لہ (جامع صغیر)

شرک وکفر کے بعد کوئی گناہ خدا کے نزدیک اس سے بڑا نہیں کہ ایک آدمی اپنا نطفہ ایک غیر محرم عورت کے رحم میں ڈال دے۔

(۳۴) ان اللہ لا یقدس امۃ لا یوخذ للضعیف فیھم حقہ (مشکوٰۃ)

اللہ تعالیٰ اس قوم کو تقدس نہیں بخشتا جس میں کمزور کے حقوق محفوظ نہ ہوں۔

| | |
|---|---|
| (۳۵) ان اخوف ما اخاف عن امتی الائمۃ المضلون (طبرانی) | بیشک مجھے اپنی امت کے معاملے میں سب سے زیادہ خطرہ ان کے گمراہ امام اور قائد کی جانب سے ہے |
| (۳۶) خیار عباد اللہ الذین اذا رؤا ذکر اللہ و شرار عباد اللہ المشاؤن بالنمیمۃ المفرقون بین الاحبۃ الباغون البراء العنت (مشکوٰۃ) | حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے خاص نیک بندے وہ لوگ ہیں جن پر نظر پڑے تو خدا یاد آئے۔ اور بندوں میں سے بدتر وہ ہیں جو لوگوں کی چغلیاں کھاتے پھرتے ہیں اور مخلص دوستوں کے درمیان تفرقہ ڈالتے ہیں اور بے گناہوں کو مصیبتوں میں ڈالتے ہیں۔ |
| (۳۷) لیسئل احدکم ربہ حاجتہ حتی یسألہ الملح وحتی یسألہ شسع نعلہ اذا انقطع (ترمذی) | اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنا چاہیے۔ یہانتک کہ نمک بھی اور یہانتک کہ جوتی کا تسمہ بھی اگر ٹوٹ جائے تو اللہ تعالیٰ سے ہی مانگے۔ |
| (۳۸) راس الحکمۃ مخافۃ اللہ (جامع صغیر، حکیم) | دانائی کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔ |
| (۳۹) قیدوا العلم بالکتاب (طبرانی و حاکم) | علم کو لکھ کر محفوظ ہے۔ |
| (۴۰) تعلموا العلم و تعلموا للعلم السکینۃ والوقار و تواضعوا لمن تعلمون منہ (جامع صغیر، ترغیب و ترہیب) | علم سیکھو اور سکون و وقار سیکھو اور جس سے علم سیکھو اس سے تواضع وانکساری کا برتاؤ کرو۔ |